بچہ سن بلوغت تک
مصنف۔ نورالحسن
پیدائش سے بلوغت تک نفسیاتی، ذہنی، جسمانی اور
تعلیمی پہلوؤں پہ ایک مکمل کتاب

"بچہ سنِ بلوغ تک" کے عنوان سے یہ کتاب لکھتے ہوئے یہ خیال پیش نظر تھا کہ اس میں جسمانی، ذہنی، نفسیاتی، اور تعلیمی پہلوؤں پر اس طرح روشنی ڈالی جائے کہ بچہ کے نشوونما کے تدریجی دوروں کی کیفیتیں اور دشواریاں واضح ہوتی جائیں، اور ان سے وابستہ مسئلوں کو سلجھانے کے مروجہ اور امکانی طریقے واضح کئے جائیں۔

اس کتاب کے لکھنے اور مرتب کرنے میں کئی کتابوں سے مدد لی گئی جن کے لکھنے والے بین الاقوامی شہرت رکھنے کے علاوہ خصوصی حلقوں میں مستند ماہر مانے جاتے ہیں، خاص طور پر میڈیم ماریا مانٹی سوری کی کتابوں اور لکچروں سے جنھیں سننے کا مجھے یورپ اور ہندستان میں موقع ملا تھا کافی استفادہ کیا گیا ہے۔ موصوفہ کے ان تجربوں اور مشاہدوں کا خصوصی طور پر جابجا ذکر کیا گیا ہے جن سے میرے خیال میں ہندستان میں بچوں کی تعلیم و تربیت دینے والی ہستیاں باآسانی فائدہ اٹھا سکتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ خود میرے ذاتی تجربے اور

مشاہدے جو میں نے بحیثیت مدرس، معلم اور صدر مدرس تیس سال میں حاصل کئے اس کتاب کی ترتیب میں اثر انداز ہوئے۔

احسان فراموشی ہوگی اگر میں اپنی شریکِ حیات خدیجہ حسن کا شکریہ ادا نہ کروں۔ موصوفہ کو میڈم ماریا مانٹی سوری کی شاگردی کا شرف انگلستان اور ہندستان دونوں جگہ حاصل رہا ہے۔ وہ آج کل ماڈل پرائمری اسکول نارائن گوڑہ کی صدر معلمہ ہیں اور اُن کی ساری عمر بچوں کی تعلیم و تربیت میں گزری ہے۔ جگہ جگہ پر اُن کے ذاتی تجربوں اور مشاہدوں اور کارآمد مشوروں سے استفادہ کیا گیا ہے۔ مولوی غلام پنجتن صاحب وظیفہ یاب سِشن جج کا بھی میں مشکور ہوں۔ صاحب موصوف میری ادبی تحریروں میں دلچسپی لیتے اور اپنے قیمتی مشوروں سے نوازتے رہتے ہیں۔ خاص طور پر مجھے مولوی ساجد علی صاحب وظیفہ یاب نائب ناظم تعلیمات کا شکریہ ادا کرنا ہے۔ اِس کتاب کے ابتدائی مسودوں کو جس صبر و تحمل سے ممدوح نے سماعت فرمایا اور عالمانہ رہبری فرمائی اُس کا میں تہِ دل سے شکر گزار ہوں۔

آخر میں صرف یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ بعض حضرات کو محسوس ہوگا کہ بحث تشنہ رہ گئی ہے، مگر اِس مجبوری کا سامنا کئی مصنفوں کو کرنا ہوتا ہے جو کسی جز موضوع پر تحقیقی مقالے نہیں بلکہ کروڑوں افراد کی زندگی اور بھلائی سے وابستہ موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں، چنانچہ خود اِس کتاب کے نہ صرف ہر باب پر بلکہ ہر باب کے کئی ذیلی عنوانوں پر مستقل اور ضخیم کتابیں لکھی جاسکتی ہیں

البتہ یہ سوال خود بخود پیدا ہوتا ہے کہ ہمارے نیم ترقی یافتہ ملک میں کیا ایسی کتابوں کی کچھ بھی مانگ۔ یا اتنی بھی کھپت ہوگی کہ ناشر کو منافع اور مصنف کو معاوضہ تو درکنار چھاپنے کی اصل لاگت ہی وصول ہو جائے۔ نیز اس امر کا لحاظ پیش نظر رکھنا بھی لازمی ہے کہ سنجیدہ موضوعوں پر لکھی ہوئی علمی کتابیں پڑھنے والے کتنے ہیں۔ خاص کر ہندستان میں اور خاص الخاص اردو دانوں میں۔ اسی لئے میں نے جہاں تک ممکن ہوا اس کتاب کو بڑھانے اور پھیلانے کے بجائے مختصر بنانے کی کوشش کی تاکہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں اس سے استفادہ کا امکان ہو۔

اگرچہ انگریزی میں بچوں کی نشوونما اور ان کی تعلیم و تربیت پر ایک سے ایک بہتر کتاب موجود ہے، مگر ایسی کتاب خود اس زبان میں بھی نہیں جس میں بچہ کی ہمہ جہتی ترقی اور نشوونما پر روشنی ڈالی گئی ہو۔ میں نے یہ محسوس کیا کہ ہماری زبان میں خصوصی کتابیں لکھنے کے بجائے ہمہ نوعیتی کتاب اتنی آسان سلیس اور رواں زبان میں لکھی جائے کہ معلمات کے علاوہ لکھنا پڑھنا جاننے والی مائیں بھی اپنے نونہالوں کی دیکھ بھال اور پرورش میں اس سے فائدہ اٹھا سکیں اور جو پرورش اولاد کے سلسلہ میں ان کی رہبری اور رہنمائی کر سکے۔

تعجب ہوتا ہے کہ ایسے اہم موضوع پر جس کا تعلق ہر فرد بشر کی ذات

اور اُس کی اولاد سے ہے ہماری ہندستانی زبانوں میں معیاری کتابیں بہت کم لکھی گئیں ہیں۔ اس پر بھی حیرت ہوتی ہے کہ نہ صرف حکومت بلکہ سماج، خاندان اور گھرانوں کے ذمہ دار افراد اس اہم موضوع سے غفلت برتتے ہیں

اگر یہ کتاب چند افراد ہی کے کام آئے اور اس سے چند بچّوں کی سیرت سازی اور کردار سازی میں مدد ملے تو میں سمجھوں گا کہ میری محنت ٹھکانے لگی۔ اگر کوئی مجھے اس کتاب کی خامیوں، غلطیوں اور فرد گذاشتوں سے (بجز اختصار) واقف کرائے تو میں نہ صرف ممنون بلکہ اُن سے مستفید بھی ہوں گا۔ میری دلی تمنا ہے کہ اس کتاب کا ترجمہ ہندستان کی دوسری زبانوں میں کیا جا سکے اگر کوئی صاحب یا کوئی ادارہ اس خصوص میں ہمّت کرے تو مجھے مطلع کرے۔

احقر

نورالحسن

پہلا باب

بچہ کی پیدائش

پہلا سال :-

یہ بحث اب بہت پرانی ہو گئی کہ انسان آدم کی اولاد ہے یا بندر کی۔ آدم کی اولاد ہو یا بندر کی ترقی یافتہ شکل! اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس گوشت کے لوتھڑے نے ترقی حیرت انگیز کی ہے۔ فطرت کی طاقتوں پر قابو پاتا جاتا ہے۔ زمین کے پوشیدہ خزانوں کو کھود کھود کر نکال رہا ہے۔ اُن سے بنی نوع انسان کو مستفید کر رہا ہے۔ اور اب تو آسمان پر اُڑ رہا ہے۔ خلا میں پرواز کر رہا ہے، اور چاند کو اپنا مسکن بنانا چاہتا ہے۔

بچہ پیدا ہوتا بڑھتا اور رفتہ رفتہ پورا آدمی بن جاتا ہے
پیدائش کے وقت وہ قطعی دوسروں کے رحم وکرم پر ہوتا ہے۔ ہلنے
جلنے، چلنے پھرنے، بولنے چالنے کی بھی سکت نہیں ہوتی۔ قدرت کا
کرشمہ دیکھئے کہ یہی بچہ آہستہ آہستہ بڑا ہوتا ہے۔ اُس میں خود اعتمادی
اور خود مختاری پیدا ہو جاتی ہے اور وہ کارہائے نمایاں انجام
دیتا ہے کہ دنیا محو حیرت رہ جاتی ہے۔

بچپن میں اُس کو اپنے حرکات وسکنات پر قابو نہیں ہوتا،
لیکن تھوڑے ہی دنوں میں وہ اپنے حرکات وسکنات پر قابو
پا جاتا ہے۔ وہ اُس کے ارادے اور عادات کے غلام ہو جاتے ہیں
زبان کی قوت سے بچہ نا آشنا ہوتا ہے اور صرف رو کر یا مسکرا کر
اپنے جذبات کا اظہار کر سکتا ہے۔ لیکن یہی زبان اُس کو روانی
سلاست اور فصاحت سے اپنے خیالات کا اظہار سکھاتی ہے
اس توسط سے وہ اپنے خیالات کا اظہار دوسروں پر کرتا ہے.
اور دوسروں کے خیالات سے مستفید ہوتا ہے۔ غرضکہ اس بے کس،
بے بس، نحیف و ناتواں بچہ میں زمین وآسمان کے قلابے ملا دینے والی
قوتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور وہ قدرت اور فطرت کی قوتوں
کو اپنے تابع فرمان بنا کر اُن کی تسخیر کر لیتا ہے، اور مخلوقات پر
حکمرانی کرتا ہے۔

بچہ آہستہ آہستہ نشو ونما پاتا ہے۔ اُس کی کچھ قوتیں جلد ترقی
کر جاتی ہیں اور کچھ دیر میں۔ کچھ پہلے ظہور پذیر ہوتی ہیں اور کچھ بعد
میں، کچھ سادہ ہوتی ہیں اور کچھ پیچیدہ الجھی ہوئی۔

قوتیں جسمانی ہوں، جذباتی ہوں، ذہنی ہوں، سماجی ہوں، جمالیاتی ہوں، تعمیری ہوں یا تخریبی سب ایک دوسرے سے وابستہ ہوتی ہیں، اور ایک کو دوسرے سے علاحدہ کرکے ترقی دینا خطرے سے خالی نہیں، بچہ کی شخصیت کی ترقی کے معنی ہی یہی ہیں کہ ہر جبلتی ترقی ہو۔

بلاشبہہ اس کی طفولیت کا دوران دوسرے جانوروں کے بچوں سے زیادہ ہوتا ہے۔ بعض جانوروں کے بچے پیدا ہوتے ہی یا تھوڑے عرصہ کے بعد خود اپنا پیٹ بھرنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ ماں باپ کی محبت میں نقل کرنے کی جبلت کے طفیل دانہ کیڑے کوڑے چگنے لگتے ہیں، اور شکار کرنے کے طور طریقے سیکھ لیتے ہیں۔ دشمن پر حملہ کرنے اور قوی تر دشمن سے بچنے کے گر معلوم کر لیتے ہیں۔ خطرے سے بچنے، بھاگنے اور چھپنے کی راہوں سے واقف ہو جاتے ہیں

قدرت کا انتظام

بلّی پیدا ہوتے ہی اپنے بچوں کو ایسے کونے میں چھپاتی ہے کہ کسی کی نظر نہ پڑے۔ پھر تھوڑے عرصہ کے بعد وہ ان کو باہر نکالتی ہے جانور ریوڑ میں رہتے ہیں لیکن بچہ جننے کے وقت مادہ ریوڑ سے علیٰحدہ ہو جاتی ہے، اور کچھ عرصہ علیٰحدہ رہتی ہے۔ وہ خود نرس کا کام دیتی ہے اور بچہ کی دیکھ بھال کرتی ہے، وہ اس خاموش

محفوظ جگہ میں بچہ کی نگرانی کرتی رہتی ہے۔ جب بچہ میں کچھ طاقت پیدا ہو جاتی ہے تو وہ اس کو ریوڑ میں شامل کر دیتی ہے۔

گلٹے کو دیکھئے کہ وہ بچھڑے کی کئی ہفتہ نگہداشت اور نگرانی کرتی ہے۔ اکیلی نہایت محبت اور پیار سے وہ اُس کی نگرانی کرتی رہتی ہے۔

اگر جاڑا ہو تو وہ بچہ کو اگلی ٹانگوں کے بیچ میں لے لیتی ہے۔

اگر وہ گندا ہو جائے تو زبان سے چاٹ کر صاف کرتی ہے دودھ پلاتے وقت اُس کی سہولت کی خاطر تین ٹانگوں پر کھڑی ہو جاتی ہے تاکہ وہ آسانی سے دودھ پی سکے۔

مادہ کوئی گزند اپنے بچوں کو نہیں پہنچنے دیتی۔ اگر دشمن حملہ کرے تو وہ بچہ کو بچانے کے لئے سینہ سپر ہو جاتی ہے۔ پالتو جانوروں میں یہ جبلت کمزور پڑ جاتی ہے اور بعض وقت مفقود بھی ہو جاتی ہے

فطرت نے دودھ اور ماں کے بدن کی گرمی سے بچہ کی بہت سی مشکلوں کو حل کر دیا ہے۔ وہ ماحول کی بہت سی دشواریوں پر اس ذریعہ سے قابو پا جاتا ہے۔ گھوڑی اُس وقت اپنے بچہ کو ریوڑ میں لاتی ہے جب وہ ماں کے پیچھے بھاگنے لگتا ہے اُس وقت تک گھوڑے کی جبلتیں اُس میں پیدا ہو جاتی ہیں۔

انسان کے بچے کو ان تمام باتوں کے سیکھنے میں نسبتاً دیر لگتی ہے۔ جتنا مہذب خاندان کا لڑکا اور لڑکی ہوتی ہے اتنی ہی طفولیت کا زمانہ طویل ہوتا ہے۔ اُس طویل عرصہ میں اُس کی تعلیم و تربیت دیجاتی ہے اور کامیاب زندگی بسر کرنے کے فن کے رموز

سکھائے جاتے ہیں۔

اصل میں بچّہ کی تعلیم و تربیت تو ماں کے پیٹ ہی سے شروع ہونی چاہیئے۔ عورت کے حاملہ ہوتے ہی اُس کے جذبات اور احساسات کا خیال رکھا جانا چاہیئے۔ خصوصاً شوہر کو چاہیئے کہ وہ ہر وقت اپنی حاملہ بیوی کا ہاتھ بٹائے۔ حتی الامکان اُس کے دل کو ٹھیس نہ لگنے دے۔ جہاں تک ممکن ہو کوئی پریشانی کی بات اُس سے نہ کہی جائے مالی پریشانیوں کا تذکرہ اُس کے سامنے نہ کیا جائے۔ محبت پیار سے اُس کا دل بڑھایا جائے۔ مسکرا کر بات کی جائے، اور سخت محنت سے روکا جائے۔ دوران حمل میں ورزش ضروری ہے لیکن ہلکی پھلکی ورزش، گھر کا کام کاج، پکانا ریندھنا، جھاڑو بہارو۔ آہستہ آہستہ چہل قدمی ہر روز کی جائے۔ جہاں تک ممکن ہو تھکاوٹ اور رنج و غم سے بچایا جائے۔ اس زمانے میں زندگی انتہائی پرسکون ہونی چاہیئے۔ جذبات کا مشتعل ہونا، غصہ کا آنا، رونا پیٹنا واویلا مچانا خطرہ سے خالی نہیں۔

شوہر اور باپ کو چند ہدایتیں

شوہر کو حمل کے زمانے میں اپنی بیوی پر خاص طور پر مہربان ہونا چاہیئے۔ یہی وہ نازک زمانہ ہے جب اُس کو اپنے شوہر کی محبت اور توجہ کی از حد ضرورت ہوتی ہے۔ ۹ مہینہ بچّہ کو

پیٹ میں رکھنا کوئی معمولی کام نہیں - بڑا سخت مرحلہ ہے۔ وہ اکثر چڑچڑی ہو جاتی ہے۔ کبھی مسرت اور کبھی غم کے دورے پڑتے رہتے ہیں۔ مزاج میں اُتار چڑھاؤ ہوتا ہے۔ میاں کو بیوی کا مزاج داں ہونا چاہیئے - اُس کی دلجوئی کرتے رہنا چاہیئے اور مل بیٹھ کر بچے کی آئندہ زندگی کے پروگرام بنانا چاہیئے۔ بیوی کو ضرورت سے زیادہ تھکا دینے والا کام نہیں کرنے دینا چاہیئے۔

وہ اس زمانے میں انتہائی پسندیدگی اور ناپسندیدگی کا شکار رہوتی ہے۔ کبھی ہنستی ہے کبھی روتی ہے - وہ اکثر جذباتی ہو کر ناسمجھی کی باتیں کرنے لگتی ہے۔ طرح طرح کے خوف اُس کو گھیرے رہتے ہیں - اِس موقع پر بحث و مباحثہ بیکار ہے۔ معمولی سا تحفہ، پھولوں کا ہار، سینما، ایس کریم سے تواضع، کسی اچھے ہوٹل میں کھانا، تفریح، غرض یہ کہ معمولی معمولی باتوں سے اُس کے دل کو موہ لیا جا سکتا ہے۔

حمل کے آخری تین مہینے سخت ترین ہوتے ہیں۔ وقت کاٹے نہیں کٹتا۔

وہ تھکی تھکی بے جان سی نظر آتی ہے۔ رونے کو دل چاہتا ہے۔

عورت کو اپنے سانچے میں ڈھلے ہوئے بدن کو بے ڈول دیکھ کر دکھ ہوتا ہے جسطرح ایک مرد اپنی بے عزتی گوارا نہیں کر سکتا - اسی طرح ایک عورت اپنی بدصورتی گوارا نہیں کر سکتی - لہذا حمل کے زمانہ میں شوہر کو ہوشیاری محبت

اور ہمدردی سے کام لینا چاہیئے۔ شوہر کا فرض ہے کہ وہ یہ نگرانی رکھے کہ اُس کی شریک حیات کو حمل کے زمانے میں اچھی، تازہ اور صحت بخش غذا ملتی رہے۔ وہ کھلی ہوا میں ہلکی پھلکی ورزش کر سکے۔ اور اس زمانہ میں ضرورت سے زیادہ موٹی نہ ہو جائے

جاہل عورتوں کو بچّہ کی پیدائش کے متعلق تشویشناک واقعات سنانے کی اجازت نہ دینی چاہیئے۔

حمل کے دوران میں وقفہ وقفہ سے اپنے ڈاکٹر سے بیوی کا معائنہ کراتا رہے اور ڈاکٹر جو کچھ ہدایتیں دے اُس پر عمل کراتا رہے۔

ہر شریف اور مہذب آدمی اس زمانہ میں اپنی بیوی کے جذبات کا احترام کرے گا۔ بعض کو حمل کے زمانہ میں شوہر کے ساتھ سونا زہر معلوم ہوتا ہے۔ اور اس پر جبر کیا جائے تو اس کو شوہر سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ بعض اپنا فرض سمجھ کر بھگتتی ہیں لیکن اُن کو خود کوئی لطف نہیں آتا اور بعض ایسی بھی ہوتی ہیں جن کا واقعی دل چاہتا ہے اور خود رغبت ہوتی ہے۔ بہرصورت اس کا لحاظ رہے کہ رغبت دوطرفہ ہو۔

اور شوہر نہایت آہستگی، نرمی اور مہربانی سے پیش آئے۔

حمل کے تین مہینے میں اسقاط کا زیادہ ڈر ہوتا ہے۔ آخری تین مہینے میں شاذ ہی کوئی عورت ہم بستری کو پسند کرے۔ مناسب یہ ہے کہ ۲۸ ہفتہ کے بعد ہم بستری قطعی بند کر دینا چاہیئے۔

بچہ پیدا ہونے کے بعد بہت سی عورتیں کئی مہینے تک اپنے شوہر کو پاس نہیں پھٹکنے دیتیں۔ خصوصاً جب وہ خود بچہ کو دودھ پلاتی ہیں۔

شوہر کو چاہیئے کہ وہ صبر سے کام لے اور چند مہینے اپنے پر قابو رکھے۔

حمل کے تین چار مہینے بعد نارمل حالت میں ہم بستری کی جا سکتی ہے۔ لیکن مناسب یہ ہے کہ کم از کم ایک سال بیوی سے جنسی تعلقات پیدا نہ کرے۔

بیوی کے درد لگیں تو میاں کو بدحواس نہ ہونا چاہیئے۔ بعض وقت درد زیادہ دیر تک ہوتے ہیں۔ اس میں گھبراہٹ اور پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ کچھ گڑبڑ ہے۔ جلدی کرنے یا اوزاروں کو حتی الامکان استعمال کرنے کی ضرورت نہیں۔ جہاں تک ممکن ہو زچگی فطری ہونے دینا چاہیئے۔ بیوی کا وقتاً فوقتاً دل بڑھاتے رہو کہ سب کچھ ٹھیک ہے۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ ایسے عزیزوں اور دوستوں کو پاس نہ پھٹکنے دو جو گڑبڑ مچاتے اور خواہ مخواہ ہائے واویلا کرتے ہیں۔

بچہ ہونے کے بعد دوستوں اور عزیزوں کو بچہ اور زچہ کی خیریت سے آگاہ کر دو اور میونسپلٹی میں بچہ کے پیدا ہونے کا وقت تاریخ اور سنہ درج کرا دو۔

بچہ پیدا ہونے کے بعد پہلے، دوسرے اور تیسرے ہفتہ بیوی

کو کامل آرام ملنا چاہیئے۔ زیادہ لوگوں کو زچہ بچہ کے پاس نہ آنے دو۔ وہ ضرورت سے زیادہ باتیں کرتے ہیں۔ گھنٹوں مفت بہ وقت ضائع کرتے ہیں اور فضول بکواس کرتے رہتے ہیں۔

باپ خود بچے میں دلچسپی لے
اُس کو مصیبت اور جنجال نہ سمجھے

اپنے بچہ کو سمجھنے کی کوشش کرے۔ اُس کی پسند اور ناپسند کو معلوم کرے۔ اُس کی ضرورتوں کو پورا کرے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر خفا نہو۔ رفتہ رفتہ بچہ سے آہستگی سے کام لے وقت خود اُس کا ساتھ دے گا۔ بچے کے ساتھ جیسے کھیلے۔ صبر سے کام لے۔ وہ خود بہت سی باتیں سیکھ جاوے گا۔

اگر باپ خفا ہوگا، جھڑکے گا تو بچہ بھی اُس سے محبت نہیں کریگا بچہ کو فطری طور پر بڑھنے دو۔ وقت سے پہلے وہ سمجھدار نہیں بن سکتا۔

تمہاری بیوی پہلے بچے کی پرورش کے دوران یقیناً غلطیاں کرے گی۔ کون غلطیاں نہیں کرتا؟ اُس کو اپنی ہی غلطیوں سے بہت کچھ سیکھنا ہے۔ تم اُس کا دل بڑھاؤ۔ اُس کا ہر مشکل میں ساتھ دو۔ اگر تم سمجھتے ہو کہ پرورش اولاد کے کچھ دوسرے

طریقے بھی ہیں تو نہایت ملائمت اور ہوشیاری سے اس کو بتاؤ۔
بچہ کی پرورش میں سب سے زیادہ مشکل یہ ہوتی ہے کہ گھر کے بڑے بوڑھے دخل در معقولات کیا کرتے ہیں۔ ہر ایک اپنی اپنی رائے دیتا ہے۔ ماں بیچاری بوکھلا جاتی ہے۔ اور کچھ سدھارے نہیں سدھرتا۔ بچہ کی پرورش کے معاملہ میں کسی لغویات کو گوارا نہ کرو۔ اپنی بیوی کا ہر صورت میں ساتھ دو۔ چاہے وہ غلطی ہی پر کیوں نہ ہو۔ اور اپنے عزیزوں سے صاف کہدو کہ بچہ اُس کا ہے اور اُس کو قطعی حق حاصل ہے جس طرح چاہے اُس کی پرورش کرے۔
تمہیں اُس کی عقل اور سمجھ پر بھروسہ ہے۔ اور تمہیں یہ گوارا نہیں کہ اولاد کی پرورش کے معاملہ میں دوسرے دخل دیں۔
جب کبھی بچہ بیمار ہو فوراً ڈاکٹر سے مشورہ کرو۔
بعض سمجھتے ہیں کہ بچے پالنا عورت کا کام ہے۔ ہمیں کیا مطلب غرض۔ یہ غلط رویہ ہے۔ بچے دونوں کا ہے اور پرورش اولاد میں دونوں برابر کے ذمہ دار ہیں۔ بعض بچوں کو گود میں لینا۔ اُن کو کھلانا اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں۔ ذاتی وجاہت کا کس قدر مضحکہ خیز تصور ہے۔ بچہ کو خود بھی کبھی کبھی نہلاؤ دھلاؤ۔ کپڑے پہناؤ، اُس کو گھٹنوں پر بٹھا کر جھولا جھلاؤ۔ اُس کے ساتھ ہنسو کھیلو۔ دودھ بنانا اور پلانا سیکھو اور ضرورت پڑے تو بوتل میں دودھ بنا کر پلاؤ۔ ان باتوں سے بچہ تم سے مانوس ہوگا اور بیوی کا دل بھی خوش ہوگا کہ میاں صحیح معنے میں ہمارا شریک حیات ہے۔ اکثر ماں بچہ کے

ساتھ زیادہ وقت خرچ کرتی ہے تو شوہر کو حسد ہوتا ہے اور اگر بچی باپ کو زیادہ چاہتی ہے تو ماں کو رشک و حسد پیدا ہو جاتا ہے۔

بچہ پیدا ہونے کے بعد فطرتی امر یہ ہے کہ گھر کا نقشہ بدل جاتا ہے۔ وہ فضا نہیں رہتی جو بچہ پیدا ہونے سے پہلے تھی۔ اس پر ٹھنڈی سانسیں کھینچتے رہنا کہ اب تمہاری بیوی دن رات تمہاری حضوری میں نہیں لاتی حماقت ہے۔ کیوں کہ بچہ ہونے کے بعد وہ صرف بیوی نہیں رہتی بلکہ ماں بھی ہو جاتی ہے۔ کبھی کبھار بیوی کو باہر لے جاؤ۔ اس کو محسوس ہونے دو کہ ماں کے علاوہ وہ بیوی بھی ہے۔ اُس کو بحیثیت بیوی کے اپنا فرض لاشعوری طور پر محسوس کراؤ۔ بچہ سے اگر ضرورت سے زیادہ لاڈ پیار کیا گیا تو وہ خراب ہو جائیگا اس کو کبھی کبھی اکیلا بھی چھوڑ دینا چاہیئے۔

بچہ کی آیندہ زندگی کے لئے کچھ نہ کچھ پس انداز کرتے جاؤ۔ مناسب یہ ہے کہ اُس کی تعلیم و تربیت کے لئے زندگی کا بیمہ کرا لو۔

بچہ کی نگہداشت ہمہ وقتی کام ہے۔ ماں ہر وقت کام میں لگی رہتی ہے۔ اُس کو کبھی فرصت نہیں خصوصاً اگر دو تین بچے ہوں۔ سودا پتا دینا۔ کھانا پکانا، کپڑے دھونا، بچوں کو کھانا کھلانا، نہلانا دھلانا، سینا پرونا، غرض یہ کہ ایک نہیں چھوٹے موٹے ہزاروں کام ہوتے ہیں،

اُس بیچاری پر خواب خور حرام رہتی ہے۔ اُس کی محنت کی داد دی جانی چاہئیے۔ اُس سے ہمدردی کی جانی چاہئیے۔ اُس کے آرام اور کھانے پینے کا خیال رکھا جانا چاہئیے۔

ہونے والی ماں کی بہت سی تمنائیں، بہت سی آرزوئیں ہوتی ہیں اُس کے ساتھ وہ بہت سے وسواس اور بہت سی اُلجھنوں میں گرفتار ہوتی ہے۔ اُس کے کان میں پڑتا رہا ہے کہ خدا اُس کی خیر سے وہ دن دکھائے۔ کہ جیتا جاگتا پوت کھلانا نصیب ہو۔ زچگی میں موت کا سامنا ہوتا ہے۔ دوبارہ زندگی ملتی ہے۔ اُس کے علم میں بہت سی عزیز بہنیں اور سہیلیاں بچّہ ہونے سے پہلے یا بچّہ ہونے وقت انتقال کر گئیں۔ مختصر یہ کہ ایک نہیں ہزار وسوسے اُس کو ستاتے ہیں، اور وہ اندر ہی اندر گھلتی رہتی ہے۔

حمل کے زمانہ میں اُس کا بدن بھر جاتا ہے۔ وہ کچھ موٹی ہو جاتی ہے اور پیٹ نکل آتا ہے۔ وہ کہیں آنے جانے سے جھینپتی ہے۔ اپنوں اور غیروں سے ملنے جلنے سے پرہیز کرتی ہے۔ اُسے کچھ شرم سی محسوس ہوتی ہے کہ مٹکا سا پیٹ لئے کہاں پھرے اور پھر ہندستان کے جاہل عوام بھی اس کو اچھّا نہیں سمجھتے۔ اُنگلیاں اٹھتی ہیں غیر مہذب گھُسر پھُسر ہوتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حاملہ عورت دن رات پلنگ پر لدی بیٹھی رہتی ہے۔ اور پڑے پڑے کراہتی رہتی ہے۔ پھر اُس پر طرہ جنتر منتر، ٹونے ٹوٹکے اور بڑی بوڑھی

عورتوں کے توہمات۔ عذاب میں جان ہو جاتی ہے۔

بڑی منت مرادوں کے بعد بچہ پیدا ہوتا ہے۔ قدامت پرست اور جاہل گھروں میں یہ احتیاط کہ کسی کا سایہ زچہ بچہ پر نہ پڑنے پائے۔ ہوا یا روشنی نہ آنے پائے۔ پردے پڑے ہوئے۔ اور وہیں کوئلہ کی انگیٹھی۔ پسینہ سے زچہ کا سارا بدن شرابور۔ اور دھوئیں سے زچہ بچہ کا دم گھٹنے کے قریب

بچہ ماں کے پیٹ کے اندھیرے میں عافیت سے پرورش پا رہا تھا۔ وہاں نہ روشنی کا گزر تھا اور نہ ہوا کا، نہ کھردرے اور سخت ہاتھ اُس کو چھوتے تھے۔ اب یکایک بچہ کا ماحول بدلا۔ وہ روشنی سے اور ہوا سے دوچار ہوا۔ دایا کے ہاتھوں اور ماں کی گود سے روشناس ہوا۔

شروع میں مجبور محض۔ نہ کھا سکتا ہے، نہ پی سکتا ہے، نہ اٹھ سکتا ہے، نہ بیٹھ سکتا ہے۔ نہ کروٹ بدل سکتا ہے اور نہ بول سکتا ہے۔ صرف غوں غاں کرتا ہے۔ بھوک لگتی ہے یا کچھ تکلیف ہوتی ہے تو صرف روتا ہے، ہاتھ پیر جھٹکتا ہے۔ بولنے کی جگہ صرف غوں غاں کرتا ہے وہ ماں کی گود کو پہچانتا ہے۔ اُس کی گود میں جاتے ہی سکون محسوس کرتا ہے۔ سو جاتا ہے۔ وہ ماں کے بدن سے اپنے بدن کو مس کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ماں اُس کے پاس نہیں ہوتی تو وہ روتا ہے۔ ماں اپنے کام دھندے میں لگی ہوی۔ بچہ کے رونے اور ضد کو نہیں سمجھتی اور اُس کو جھنجھوڑ ڈالتی ہے۔ اُس کو برا بھلا کہتی ہے

اُس کو کوسنے دیتی ہے۔ بچہ ڈر کر اور سہم کر رہ جاتا ہے۔ لاشعوری طور پر ایک نفسیاتی الجھن اُس میں پیدا ہو جاتی ہے کہ آخر اُس نے کیا ہی کیا تھا۔ اُس کا قصور ہی کیا تھا کہ سزا دی گئی یہ ناانصافی اور زیادتی کے نقوش اُس کے قلب و ذہن پر مرتسم ہو جاتے ہیں۔

بچہ ایک سال کی عمر تک اپنے آپ کچھ نہیں کر سکتا۔ اِس کے بعد رفتہ رفتہ اُس کو اپنے اعضا پر قابو حاصل ہوتا جاتا ہے یہ شیر خواری کا زمانہ ہے لہٰذا ماں کو کھانے پینے میں ضرورت سے زیادہ احتیاط برتنا چاہیئے۔ اُس کو بہت گرم، بہت کھٹی اور بہت تیز چیزیں نہیں کھانی چاہیئے۔ گلی سڑی چیزیں تو بھول کر بھی نہ چکھنا چاہیئے۔ بازار کی بکتی ہوئی چیزیں خصوصًا وہ اشیاء جن پر مکھی بیٹھی ہو یا جو کھلی ہوئی رکھی ہوئی چھونا نہیں چاہیئے۔ زود ہضم غذا کھائی جائے خصوصًا تازہ پھل، دودھ، ترکاری وغیرہ۔

ایسی ویسی غذا استعمال کرنے سے ماں کا دودھ متاثر ہوتا ہے اور دودھ کی تاثیر سے بچہ بیمار پڑتا ہے۔ اکثر بچے کو ماں کی بیماریاں لگ جاتی ہیں۔

بچے کو دودھ اور غذا وقت پر دی جانی چاہیئے۔ ہر وقت کھلاتے رہنے سے ہاضمہ خراب ہو جاتا ہے۔ دودھ ڈالنا، دست آنا، ڈکاریں لینا اسی غذا کی بے احتیاطی کا نتیجہ ہے بچے کو زبردستی نہ کھلائیے اور اُس کو ہمیشہ اُس کی پسند کی غذا دی جائے

۱ موسمی تبدیلیوں کو مدنظر رکھ کر بچے کے کپڑے اور لباس میں تبدیلیاں کرتے رہنا چاہیئے۔ سردی میں اون اور روئی کے کپڑے پہنائے جائیں اور گرمی میں ململ تنزیب کے کرتے۔ لو لپیٹ اور دھوپ سے بچایا جائے۔ بارش میں بھیگنے نہ دیا جائے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ اُس کو مرزا پھویا یا تانا شاہ بنا دیا جائے۔

شروع سے بچّہ کو صاف ستھرا رکھا جائے۔ ذرا بڑے ہوں تو گھر کے موٹے جھوٹے کام میں لگائے رکھنا چاہیئے۔ اس سے ایک تو اوائل عمری ہی سے اپنا کام خود اپنے ہاتھ سے کرنے کی عادت ہوتی ہے۔ وہ کسی کام کو کرنا معیوب نہیں سمجھتا دوسرے اس سے اُن کو ضروری ورزش ملتی ہے اور تندرستی اچھی رہتی ہے۔

جسمانی نشوونما

بچہ کا وزن :-

بچّہ کو بچپن میں ہمیشہ وقتاً فوقتاً وزن کرتے رہنا چاہیئے۔ یہ نوٹ کرتے رہنا چاہیئے کہ اُس کا قد کس رفتار سے

بڑھ رہا ہے۔

شروع میں اُس کو ہر ہفتہ وزن کرنا چاہیئے۔ پھر ہر پندرہ روز میں۔ ہر ہفتہ وزن بڑھنا چاہیئے۔ اگر وزن نہ بڑھے یا وزن کم ہو جائے تو فوراً ڈاکٹر کو رجوع کیا جائے۔ بچّے کے وزن کے قوس کا اطمینان کرتے رہنا چاہیئے۔ کیونکہ اگر وزن کا قوس ٹھیک ہو تو بچہ بھی خوش، مطمئن اور توانا ہو گا۔ زندگی سے بھرپور اور اگر ایسا نہ ہو تو بچّے پژمردہ سا نظر آئے گا۔ سست پڑا رہے گا یا روتا رہے گا۔

وزن لیتے وقت اس کا دھیان رہے کہ تمام بچے یکساں نہیں ہوتے اور نہ یکساں طور پر بڑھتے ہیں۔ ہر ایک بچے کے بڑھنے کی رفتار علیحدہ علیحدہ ہوتی ہے۔

بچہ ۵ پونڈ کا بھی پیدا ہو سکتا ہے اور دس پونڈ کا بھی اصل بات غور طلب یہ ہے کہ بچّہ پیدا ہونے کے بعد روز بروز وزن اور قد میں بڑھتا رہے۔ اُس کی نمو میں دن بدن ترقی ہوتی رہے۔ کسی طرح تنزل نہ پیدا ہونے پائے۔

شیر خوار بچے کے سر کی جھلی دار خلاء جو پیدائش کے وقت ½ ہر رخ پر ہوتا ہے اور بعض میں ½ ۲ ا انچ۔ اگر بچہ فطری طور پر نشو و نما پا رہا ہے تو سر کی جھلی آہستہ آہستہ گھٹتی جاتی ہے اور تقریباً گیارہ سے اٹھارہ مہینے میں بالکل غائب ہو جاتی ہے اگر سر کی جھلی جلد غائب ہو جائے تو وہ ہڈیوں کے جلد بڑھنے کی نشانی ہے اور عموماً زیادہ غذا کھلانے کا نتیجہ ہے۔

اگر ۱۸ مہینے کے بعد بھی سر کی جھلی غائب نہ ہو تو سوکھے کی بیماری کی علامت ہے۔

سر کی جھلی کے اوپر کی کھال کو دھونا اور صاف کرتے رہنا چاہیئے۔

دانت

دودھ کے دانت پیدا ہوتے ہی مسوڑوں کے اندر موجود رہتے ہیں، دانتوں کی شکل، بڑے چھوٹے، ٹیڑھے میڑھے ہونا نہ ہونا حمل کے زمانہ میں ماں کی صحت اور غذا پر منحصر ہے۔ اگر ماں کی صحت اور غذا اچھی رہی ہے۔ تو بچے کے دانت بھی اچھے ہوں گے۔ اگر پہلے دو سال میں جب دانت اپنی رفتار سے بڑھتے ہیں بچّہ کی صحت اور غذا اچھی ہے تو دانتوں میں بھی کوئی خرابی پیدا نہیں ہوگی۔ کچھ مائیں دودھ کے دانتوں کی پرواہ نہیں کرتیں اور اُن کی طرف توجہ نہیں دیتیں، لیکن یہ ایک خطرناک غلطی ہے۔ کیونکہ اگر بچہ کی صحت اور غذا کا خاطر خواہ خیال نہ کیا گیا تو بچے کے آئندہ نکلنے والے دانت بھی خراب ہو جائینگے۔

مندرجہ ذیل نقشہ کے مطابق عموماً بچّہ کے دانت نکلتے ہیں۔

(۱) پانچویں یا چھٹے مہینے۔ نیچے کے بیچ کے اگلے دانت

(۲) ساتویں، آٹھویں مہینے۔ اوپر کے بیچ کے اگلے دانت

(۳) دسویں بارہویں مہینے۔ بیچ کے بعد کے اگلے دانت۔

(۴) چودھویں، سولھویں مہینے - پہلے پچھلے دانت،

(۵) سترویں اٹھارویں مہینے - بھری دانت

(۶) چوبیسویں اور تیسویں مہینے - بقیہ پچھلے دانت

دانت جلدی اور بدیر بھی نکل سکتے ہیں - دانتوں کا نکلنا فطری وظیفہ ہے - اس میں گھبرانے اور پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں -

بچہ کو اس زمانہ میں اور اس سے بیشتر غذا بہترین دی جانی چاہیئے -

دودھ، انڈے، پھل، ترکاری، مچھلی، گوشت، مچھلی کا تیل، کھانے کو کچھ سخت چیز بھی دینی چاہیئے تاکہ اس کے مسوڑوں کو ورزش ہوتی رہے - روٹی کے سوکھے ٹکڑے بہت مفید ہیں اس کو زیادہ شکر یا نشاستہ کی چیزیں نہیں دینی چاہیئے - بسکٹ، بنس، کیک، میٹھائی - چاکلیٹ - دانتوں کے لئے بہت مضر ہیں - چسنی کی بھی عادت نہیں ڈالنا چاہیئے کیونکہ اس کے زیادہ استعمال سے اوپر کے بیچ کے چار دانت، عموماً خراب ہو جاتے ہیں اور منہ کی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں

بصارت

دیکھنا ایک قدرتی عمل ہے - بچہ ایک چیز کے صاف دیکھنے سے پہلے اس پر اپنی نظر جمانا سیکھتا ہے - آنکھ کی جنبش نہایت نازک ریشوں کے تحت ہوتی ہے - وقت درکار ہے

کر یہ ریشے آپس میں ایک توازن اور یکسانیت کے ساتھ کام کر سکیں۔ دماغ کے بڑھنے اور بصری خلاؤں کے تنظیم پانے میں ایک عرصہ لگتا ہے۔ بچہ پیدا ہونے کے بعد اُس کی آنکھیں شروع شروع میں بغیر کسی مقصد کے اِدھر اُدھر گردش کرتی رہتی ہیں۔ وہ کبھی ایک طرف کبھی دوسری طرف دیکھتا ہے۔ اکثر ایک طرف زیادہ دیر تک دیکھتے رہنے سے آنکھیں ترچھی ہو جاتی ہیں۔ لیکن پریشانی کی بات نہیں۔ کیونکہ ابتدا میں اکثر ایسا ہوتا ہے۔ تھوڑے دن کے بعد ترچھا پنا خود دور ہو جاتا ہے۔ ماں کو چاہیئے کہ زیادہ دیر تک بچہ کی گردن کو ایک رخ پر نہ رہنے دے۔

ہفتہ دو ہفتہ کے بعد بچہ اپنی آنکھوں کو کچھ دیر کے لئے ساکت رکھنا سیکھ جاتا ہے۔ حالانکہ ابھی وہ صاف طور پر فوکس نہیں کر سکتا تاہم وہ اندھیرے اور اُجالے میں امتیاز کر سکتا ہے۔ ایک مہینہ کی عمر تک اُس کی آنکھوں کا عمل ایک حد تک قائم ہو جاتا ہے۔

اگر ایک گہرے رنگ کا کھلونا اُس کے سامنے لٹکایا جائے تو وہ اُس کو نہایت غور سے دیکھے گا۔ اور اگر اُس کھلونے کو اُس کی نگاہ کے سامنے اِدھر اُدھر ہلایا جائے تو وہ بھی حرکت کے کے ساتھ ساتھ اپنی آنکھ کو گردش دے گا۔

تین مہینے کی عمر میں وہ اپنی ماں کی شکل کو پہچاننے لگتا ہے

چار مہینے کی عمر میں اُس کی گردن ٹھہر جاتی ہے۔ جب وہ اپنی ماں کی گود میں سیدھا بیٹھ سکتا ہے۔ اب وہ بیٹھ کر

بہت کچھ دیکھ سکتا ہے۔ وہ ہر چیز کو گھورتا ہے۔ زندگی میں دلچسپی بڑھ جاتی ہے۔

آنکھ کے رگ۔ عضلہ پٹھے

چھ مہینے کی عمر میں اُس کے عضلہ پٹھے اور بھی مضبوط ہو جاتے ہیں۔ فاصلہ کو زیادہ اچھی طرح جانچ سکتا ہے۔ وہ کھلونا اٹھانے کو بڑھتا ہے اور کھلونا اٹھانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ شروع میں اُس کو کوشش پر کوشش کرنی پڑتی ہے، لیکن رفتہ رفتہ فاصلہ کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ وہ چیزوں کو کھلے ہاتھ سے اٹھاتا ہے پھر رفتہ رفتہ انگوٹھے اور انگلیوں کا استعمال سیکھ جاتا ہے۔ نو، دس مہینے کی عمر میں وہ انگلیوں کے استعمال پر تھوڑی بہت قدرت حاصل کر لیتا ہے۔ اور یہیں سے زبان و مکان، وقفہ حرارت اور فاصلہ کے پہلے سبق شروع ہو جاتے ہیں۔ اب وہ کھلونے کو اٹھانے کے لئے بار بار کوشش نہیں کرتا ہے۔ اُس کو دور اور نزدیک کا ایک اندازہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اب وہ رینگنے لگتا ہے اور اب وہ ہر چیز میں اپنی انگلیاں ڈالتا ہے اُن کو چھوتا ہے، دیکھتا ہے، بجا بجا کر آوازیں سنتا ہے منہ میں رکھ کر مزا چکھتا ہے

آنکھ کی مشین بہت نازک ہوتی ہے۔ ذرا سی بیماری اور چوٹ سے اُس کو صدمہ پہنچ سکتا ہے۔ بعض وقت بعض

بیماریوں سے بیٹرس آنکھ میں پیدا ہوجاتا ہے۔

یہ والدین کا فرض ہے کہ آنکھ کی معمولی بیماری یا نقص کو اہمیت دیں اور فوراً آنکھ کے ڈاکٹر کو رجوع کریں۔

بچپن میں اگر علاج کرلیا جائے تو یہ خرابیاں جلد رفع ہوجاسکتی ہیں' ورنہ آگے چل کر بصارت پر مضر اثرات مترتب ہوتے ہیں۔

سماعت

آواز کے سننے کا احساس پیدائش ہی سے بہت تیز ہوتا ہے۔ کرخت اور تیز آواز سے بچہ ماں کی گود اور جھولے میں چونک اور اچھل پڑتا ہے اور رونے لگتا ہے یہ عمل فطرتی اور نارمل ہے۔ اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ بچہ اعصابی مزاج کا ہے۔

ایک مہینہ کا بچہ آواز اور شور میں فرق پہچاننے لگتا ہے اور آواز کی طرف اپنی گردن موڑنے لگتا ہے۔ نارمل آواز سے زیادہ تیز آواز اور دھماکہ پر بچہ کا ردعمل ضروری ہے۔

چار مہینے کی عمر میں بچہ آواز اور گھنٹی پر اپنی آنکھیں سر اور ہاتھ اس سمت کی طرف موڑ لیتا ہے جس طرف سے آواز آتی ہے۔ اب بچہ آواز سے خوشگواری اور ناگواری کے متعلق اپنے ردِعمل کا اظہار بھی کرنے لگتا ہے۔ بچہ شیر خواری

AGE 7 MONTHS 25 DAYS
رینگنے کی منزلیں
AGE 10 MONTHS 12 DAYS
AGE 12 MONTHS
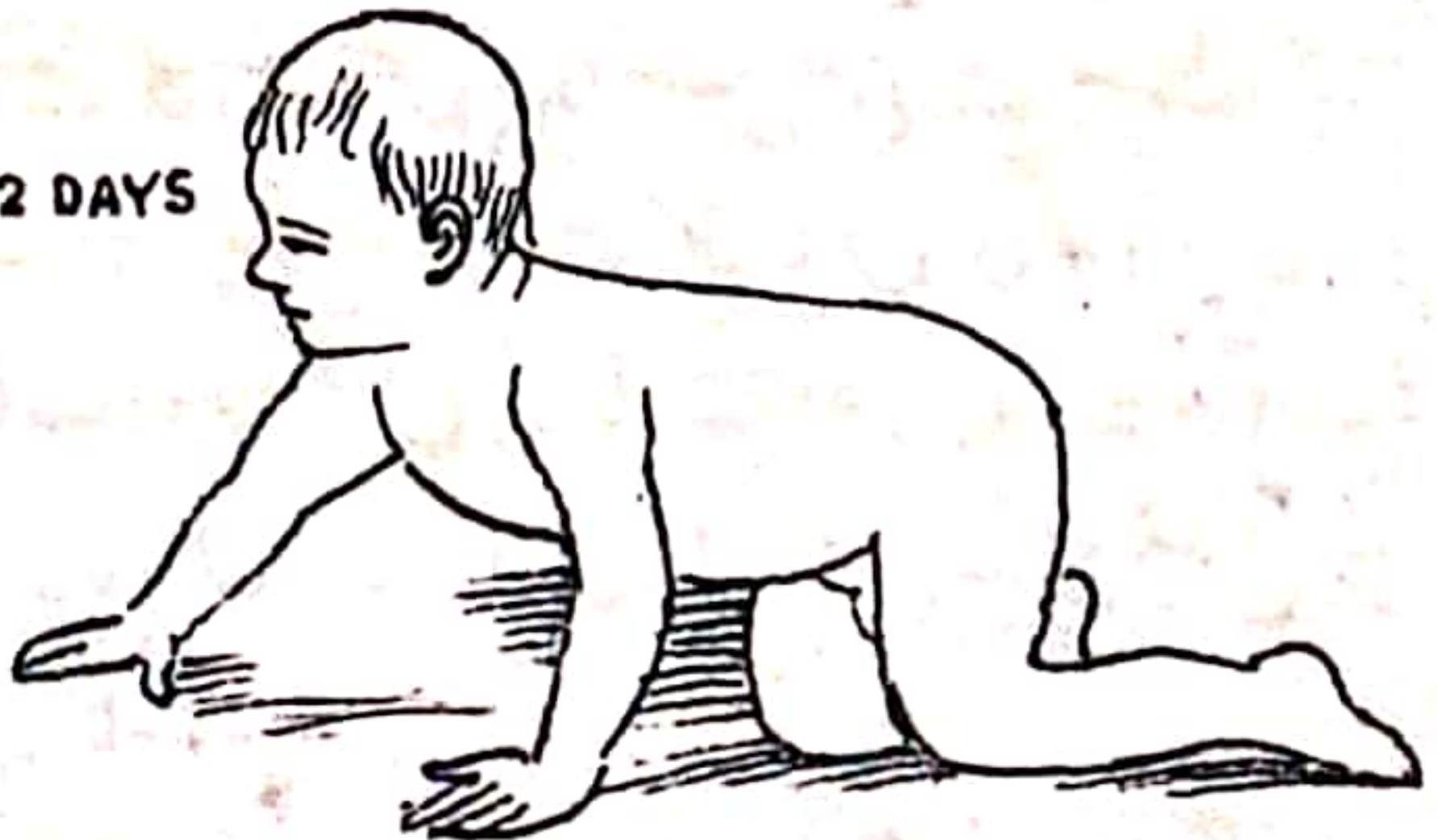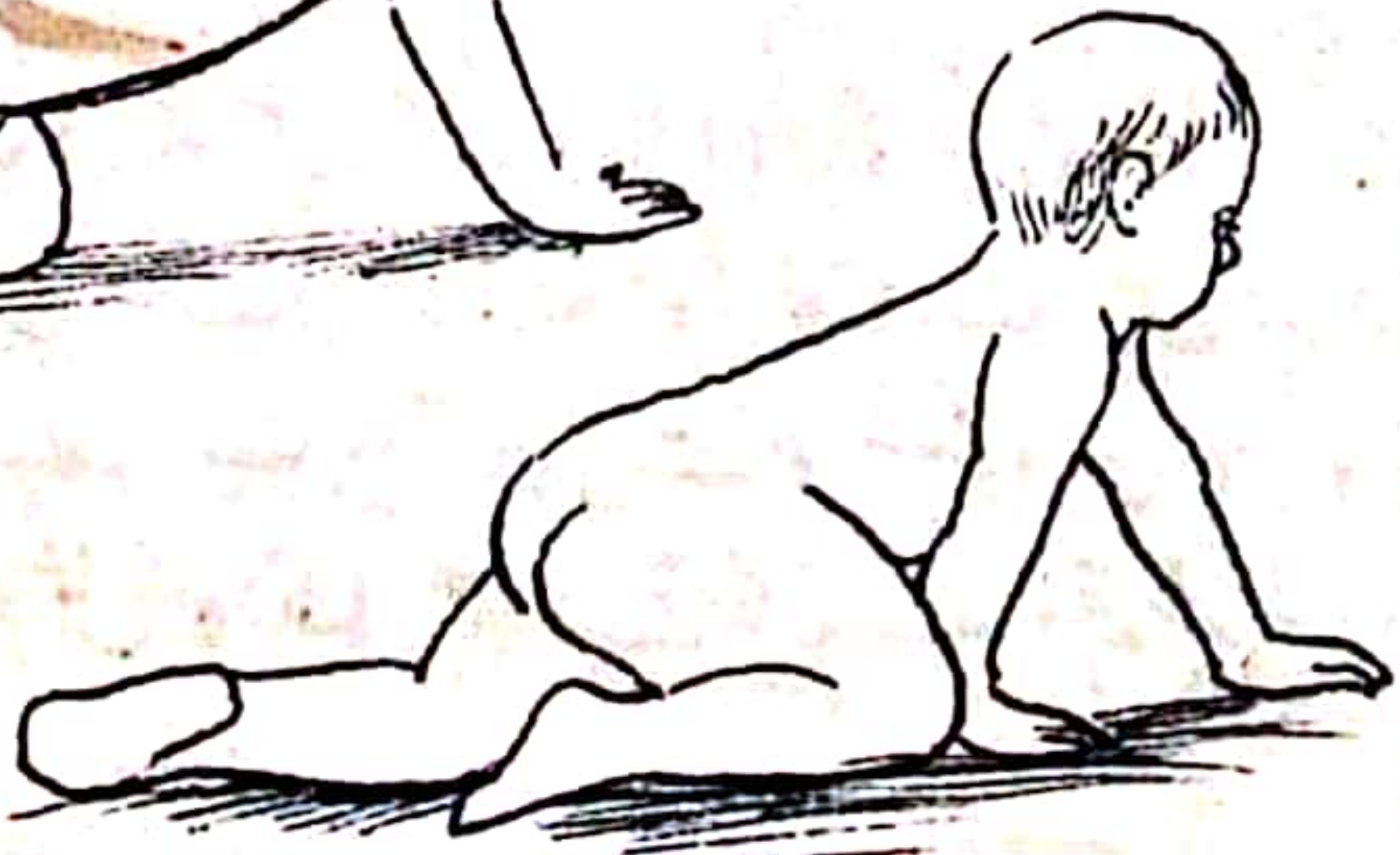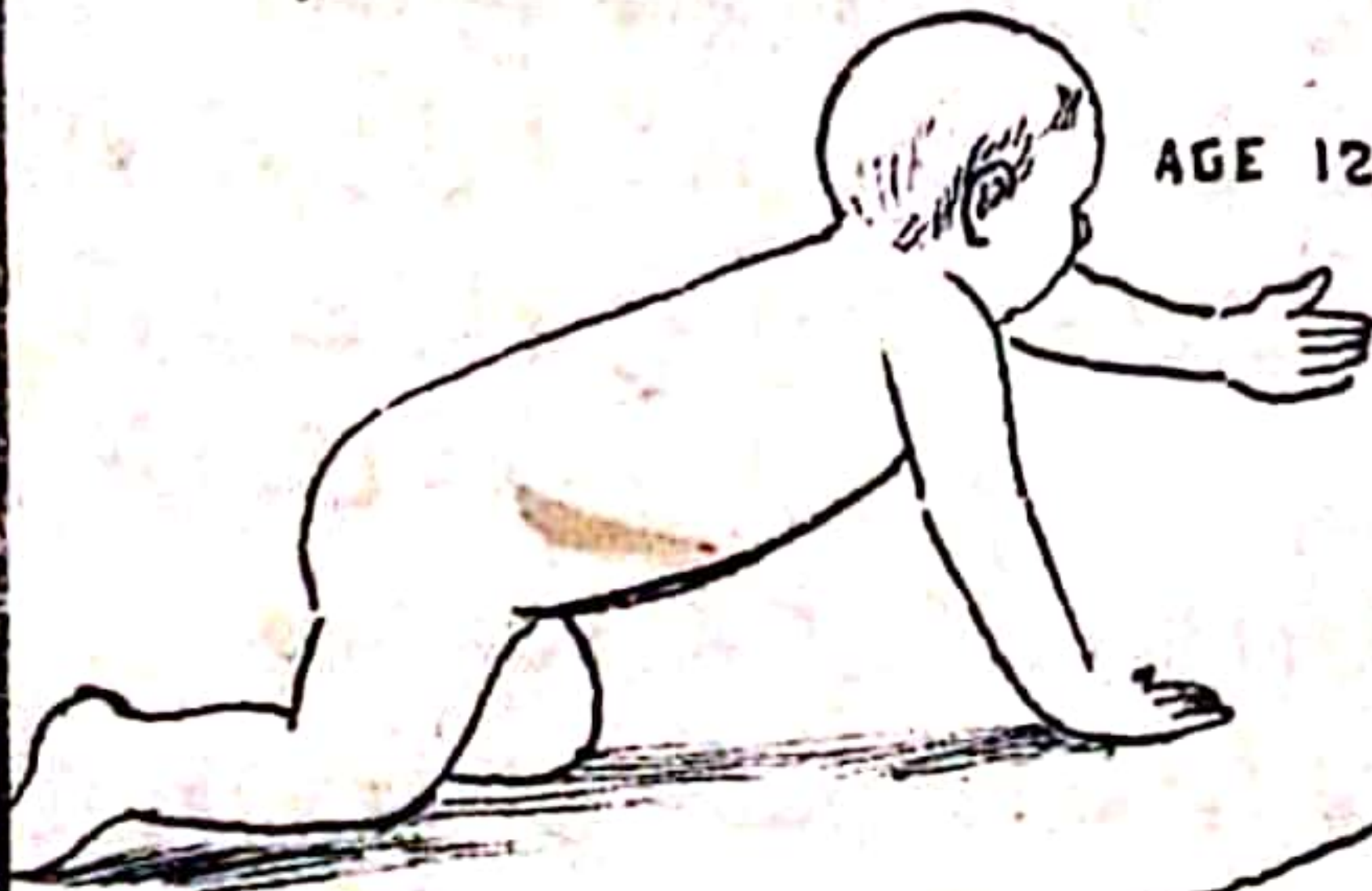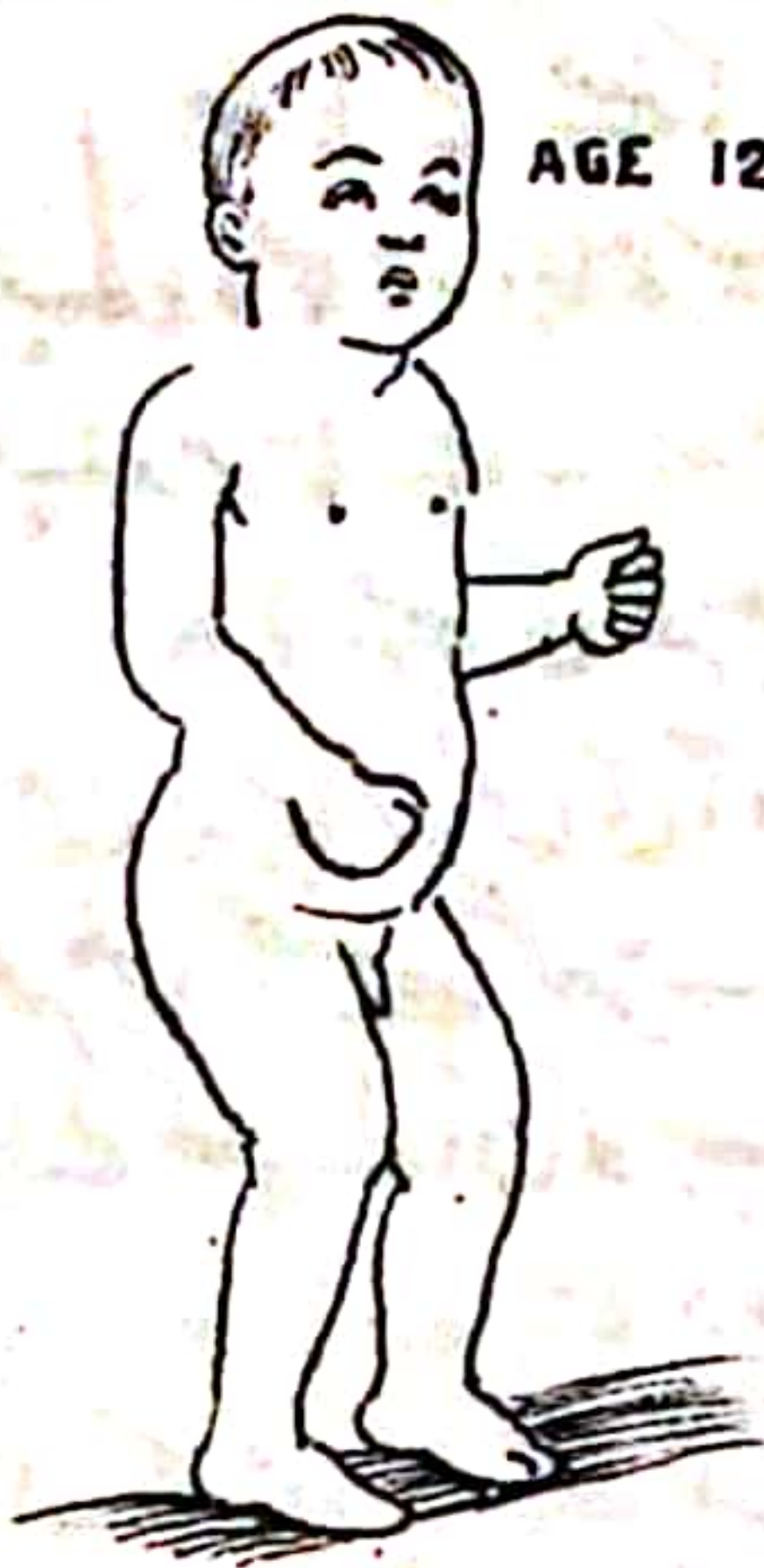
AGE
13 MONTHS
9 DAYS

کھڑا ہونا اور چلنا

لوریاں پسند کرتا ہے۔ خصوصاً سوتے وقت لوریاں نیند میں سہولت پیدا کرتی ہیں۔

چار پانچ مہینے کی عمر میں وہ خوشی سے ہنستے ہیں، خصوصاً جب وہ گانا، بجانا سنتے ہیں۔ ساز اور گانا اُن کو بہت پسند ہوتا ہے۔

۸ نو مہینے کی عمر میں بچے کھلونے کو پھینک کر زمین پر بجا کر اُس کی آواز سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اس عمر میں جھنجھنے گھنگرو، دف، اور اسی قسم کے آواز دینے والے کھلونے اُن کو بہت پسند آتے ہیں۔

بولنے سے پہلے وہ سمجھنے لگتے ہیں۔ وہ اس عمر میں اپنی ماں کے لہجہ کو سمجھنے لگتا ہے۔ محبت اور غصہ کی آواز میں امتیاز کرنے لگتا ہے۔

چھ مہینے کے بعد وہ آوازوں کی نقل اُتارنا شروع کرتا ہے۔ اور ایک سال کی عمر میں چند لفظ بولنے لگتا ہے۔ اور چیزوں کے متعلق اُن کی طرف اشارہ کر کے پوچھتا ہے۔

لمس

انسان کو دنیا میں اس لئے امتیاز حاصل ہے کہ وہ اپنے ہاتھوں کو کام میں لا سکتا ہے اور اُن سے طرح طرح کی چیزیں بنا سکتا ہے۔ پیدائش کے وقت ہاتھ بیکار محض ہوتے ہیں

اُن سے بچہ کوئی کام نہیں لے سکتا۔ بچہ اپنے ہاتھوں کو ہوا میں بے مقصد پھینکتا رہتا ہے۔ اور مٹھیوں کو کھولتا اور بند کرتا رہتا ہے۔ وہ انگلیوں کو بے مقصد طور پر چلاتا رہتا ہے پانچ چھ مہینے کی عمر میں وہ چھوٹے سے گہرے رنگ کے کھلونے کو پکڑنے کی کوشش کرتا ہے۔ سات مہینے کی عمر میں، اگر کھلونا اُس کی پہنچ سے باہر ہو تو وہ اپنے پورے بدن کو کھلونے کی طرف بڑھاتا ہے۔

آٹھ مہینہ کی عمر میں وہ کھلونے کو پکڑنے لگتا ہے۔

وہ پہلے دونوں ہاتھوں سے پکڑتا ہے۔ پھر ایک ہاتھ سے اور پھر رفتہ رفتہ انگوٹھے اور انگلیوں کی مدد سے۔

ہاتھ کے گرفت کی طاقت جتنی تیز ہوتی ہے اتنی ہی تیزی سے بچہ کا دماغ بڑھتا ہے کیونکہ وہ اپنے آس پاس کی چیزوں کی حقیقت اور ماہیت چھوکر اور اٹھاکر معلوم کرتا ہے

چھ مہینے کے بعد اُس کو زیادہ دیر تک بچوں کی گاڑی یا جھولے میں نہ لیٹائے رہنا چاہیئے۔ اُس کو اونچی کرسی پر تکیہ لگاکر بیٹھا دینا چاہیئے تاکہ وہ بخوبی دیکھ سکے کہ اُس پاس کیا ہو رہا ہے۔ اُس کے چاروں طرف مختلف قسم کے کھلونے اُس کی عمر کے مناسبت سے پھیلا دینا چاہیے تاکہ وہ اُن کو پکڑ سکے۔ اگر وہ اُن کو حاصل کرنے میں ناکام ہو تو اُس کا دل بڑھانا چاہیئے۔

کھلونے مختلف قسم، مختلف شکل صورت، مختلف بناوٹ

اور مختلف وضع کے اور مختلف رنگ کے بڑے اور چھوٹے ہونا چاہیئے۔ ربر کے کھلونے" گیندیں، جھنجھنے۔ ہر وہ کھلونہ جو سستا ہو اور آسانی سے صاف کیا جاسکے اور دھویا جاسکے۔ وہ ہر چیز کو اپنے منہ میں رکھ لے گا لہذا کوئی کھلونا مضر صحت اجزا سے بنا ہو خصوصًا پینٹ کی ہوئی چیزیں یا بہت چھوٹی چھوٹی چیزیں نہوں کیونکہ احتمال ہے کہ کہیں وہ اُن کو نگل نہ لے اور بیٹھے بٹھائے جان کے لالے نہ پڑ جائیں۔

کھلونے سخت بھی ہوں نرم بھی، کھردرے بھی ہوں چکنے بھی گرم بھی ہوں اور سرد بھی۔

بچّہ کو کھلونا حاصل کرنے کے لئے خود محنت اور کوشش کرنے دینا چاہیئے۔ بچّہ کے روتے ہی اُس کو کھلونا ہرگز نہ دو، ورنہ وہ محنت کا عادی ہی نہیں ہوگا اور بچپن سے یہی سمجھنے لگے گا کہ رونے اور منہ پھُلانے سے چیز مل جاتی ہے۔ اور اُس میں سوچنے اور کام کرنے کی صلاحیت پیدا نہیں ہوگی۔

ایک سال کی عمر میں وہ سیدھا ہاتھ استعمال کرنے لگتا ہے، اکثر وہ الٹا ہاتھ بھی استعمال کرتا ہے۔ زیادہ گڑبڑ مچانے کی ضرورت نہیں وہ خود کچھ دن میں سیدھا ہاتھ استعمال کرنے لگے گا۔

ہولے لے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بچے کو ضد آجاتی ہے، بال ہٹ مشہور رہی ہے۔ وہ ضد میں آکر الٹا ہاتھ ہی استعمال کرنے لگتا ہے سخت سست کہنا، پریشانی کا اظہار کرنا، گڑبڑ مچانا اور

چڑ چڑانا بہت مضر ہے۔ اِس سے بچہ بجائے سدھرنےکے اور بگڑ جاتا ہے۔
تین چار مہینے کی عمر میں بچہ کی گردن ٹھہر جاتی ہے اور وہ اب اپنے
سر کو سیدھا رکھ سکتا ہے۔ جب وہ بیٹھنے لگتا ہے تو اس کو
اپنے منہ کو بند رکھنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ وہ اپنے لعاب دہن
کو نگلنے لگتا ہے۔ جب تک وہ اس پر قابو پائے اس کی رال بہتی
رہتی ہے۔ اب اُس کو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے انگوٹھا اور انگلیاں
بھی ہیں۔ اب وہ اُن کو بھرنا اور خالی کرنے کا پرلطف کھیل کھیلتا
رہتا ہے اور ہر چیز کو جو اس کی گرفت میں آتی ہے منہ میں
رکھ لیتا ہے یہ عمل فطری اور نارمل ہیں۔ سب بچے ایسا ہی
کرتے ہیں۔

لب اور زبان میں حس لمس تیز ترین ہوتا ہے۔ بچہ، سختی،
نرمی، اور مختلف مزے میٹھا، سیٹھا، کڑوا، پھیکا، نمکین،
چیزوں کو منہ میں رکھ کر معلوم کرتا ہے۔

چیزوں کو اٹھا کر منہ میں رکھ لینے کی جبلت چھ مہینے
کی عمر میں تیز ترین ہوتی ہے۔ اور ۹ مہینے کی عمر میں کم ہونے
لگتی ہے۔ اور ایک سال کی عمر کو پہنچتے پہنچتے۔ تقریباً غائب
ہو جاتی ہے۔ اگر اس کو کھلونے کھیلنے کو کافی تعداد میں نہیں
ملے اور بچپن میں منہ میں چیز رکھنے کی جبلت تشنہ رہ گئی
تو وہ بڑا ہو کر انگوٹھا چوسنے لگتا ہے۔

چھ سات مہینے کی عمر میں بچہ سہولت سے بیٹھ سکتا ہے۔ اگر
زمین پر لٹا دیا جائے تو پیٹ کے بل پلٹ جاتا ہے۔

اگر وہ ٹھیک سے نہیں بیٹھ سکتا اور جھک جھک جاتا ہے تو یقیناً کچھ جسمانی خرابی ہے اور اب یہ والدین کا فرض ہے کہ فوراً کسی ڈاکٹر کو رجوع کریں اور اُس کی ہدایتوں پر عمل کریں۔

اکثر مٹاپے، زیادہ وزن، بعض وقت بیماری سے اٹھنے کے بعد اور بعض وقت کمزوری اور کم طاقتی کی وجہ سے یہ خرابی پیدا ہو جاتی ہے

۸ یا ½۸ مہینے میں سیدھے لٹے وہ پلٹنے لگتا ہے۔ اس کے بعد وہ اپنی کمر کمان بنا کر ہاتھوں اور پنجوں کے بل اٹھنے کی کوشش کرتا ہے۔ پھر وہ زمین پر پیچھے کی طرف گھسیٹتا ہے اور پھر ایک دن رینگنے لگتا ہے۔ جس طرح سے انجن پیچھے دھکا دے کر آگے کو بڑھتا ہے۔

کچھ جلد اور بآسانی رینگنے لگتے ہیں اور کچھ کو ذرا مشکل پیش آتی ہے۔ بعض کتوں کے پلوں کی طرح اپنے ہاتھ پیروں پر چلتے ہیں اور بعض زیادہ دن تک پورے بدن سے رینگتے ہیں جب بچے چلنا سیکھ جاتے ہیں اُس وقت بھی اکثر رینگتے ہیں کیوں کہ وہ فاصلہ کو جلد طے کرنا چاہتے ہیں بعض کا رینگنے کا دوران بہت کم ہوتا ہے بعض کا بہت زیادہ، جن کی صحت اچھی ہوتی ہے اور جن کے رگ پٹھے مضبوط ہوتے ہیں وہ بہت جلد چلنا سیکھ لیتے ہیں۔

۱۰ مہینے کی عمر میں بچہ کرسی کو پکڑ کر کھڑا ہونا شروع کر دیتا ہے

بہت سے بچے بڑوں کی مدد سے اس عمر میں چلنے لگتے ہیں۔
بچہ جتنا اپنے اطراف کی چیزوں اور زندگی میں زیادہ دلچسپی لیتا ہے اُتنا ہی جلدی وہ چلنا شروع کر دیتا ہے کیونکہ جبلت تجسس مہمیز کرتی اور تازیانہ کا کام دیتی ہے۔
تربیت کو بھی کھڑے ہونے میں بہت دخل ہے۔ بعض مائیں چار مہینے کی عمر سے بچہ کو پکڑ کر کھڑا کرنے لگتی ہیں ایسے بچوں کے پیروں کی رگ پٹھے جلد مضبوط اور تربیت یافتہ ہو جاتے ہیں۔ اور وہ جلد چلنا سیکھ جاتے ہیں۔
ذہین بچے جلد چلتے ہیں بہ نسبت کند ذہن بچوں کے ۔
چند ذہین خاندانوں میں تمام بچے بہت کم سنی میں چلنے لگتے ہیں۔
کم سنی میں لڑکیاں کیونکہ دماغی اعتبار سے جلد ترقی کرتی ہیں، لہٰذا وہ لڑکوں سے جلد چلنے بھی لگتی ہیں۔ گرم ممالک میں بچے زیادہ کم سنی میں چلنے لگتے ہیں۔ بہ نسبت سرد ممالک کے۔
شروع میں بچے عموماً پنجوں کے بل ناچتے ہیں۔ اُس کے بعد بچہ پورا تلوا استعمال کرنا سیکھتا ہے۔
شروع میں وہ ایڑھی پر زور دے کر چلتے ہیں۔ رفتہ رفتہ چار برس کی عمر میں وہ معمر آدمی کی طرح پورے تلوے کو استعمال کرتے ہیں۔ پہلے وہ ٹانگوں کو پھیلا کر اپنا توازن قائم کرتے ہوئے چلتے ہیں، پھر آہستہ آہستہ یہ پھیلاؤ کم ہوتا جاتا ہے۔
پہلے گوڈھا تھوڑا سا جھکا ہوتا ہے اور پھر عمر کے ساتھ

سیدھا ہوتا جاتا ہے۔ گھٹنے بھی شروع میں جھکے رہتے ہیں پھر سیدھے ہو جاتے ہیں۔

بچہ کا رینگنا اور چلنا

ایک سال کا بچہ

بچہ سیدھا ہاتھ۔ اُلٹا گھٹنا اور اُلٹا ہاتھ سیدھا گھٹنا۔ رینگتے میں اٹھاتا ہے۔ بچہ وقت واحد میں ایک عضو اٹھاتا اور رکھتا ہے۔ بچہ کسی چیز کے اٹھانے کی کوشش کرنے میں آگے کو گرتے وقت اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیتا ہے اس سے مطلوبہ چیز اور بھی قریب ہو جاتی ہے۔ اب وہ اس چیز کے پکڑنے کی کوشش میں ذرا سا کھسکتا ہے اور چیز مطلوبہ پکڑ لیتا ہے، اس سے اُس کو اپنی کامیابی اور فتح پر مسرت ہوتی ہے اور وہ کھسکنے اور چیزوں کو حاصل کرنے کا گر سیکھ جاتا ہے، کھسکنے میں ہاتھ جلدی چلتے ہیں، بہ نسبت پیر کے اور ہاتھ بہ نسبت پیر کے فرش سے بہت اوپر اٹھتے ہیں۔ پیٹ ہمیشہ زمین سے چپکا رہتا ہے انگوٹھا زمین پر لٹکا رہتا ہے جو توازن قائم رکھنے میں مدد دیتا ہے

بچہ دونوں پیروں کو پھیلا کر کھڑا ہوتا ہے۔ پہلا قدم وہ اُلٹا پیر اٹھا کر رکھتا ہے اور دوسرا سیدھا۔ پیر وہ فرش سے بہت اونچا اٹھاتا ہے۔ قدم رکھتے وقت پیر آہستہ آہستہ اوپر اٹھتا ہے۔ پہلے ایڑی اٹھتی ہے۔ پھر تلوا پھر انگوٹھا۔ وہ چلنے میں ہاتھوں کو آگے پھیلاتا ہے تاکہ توازن قائم رکھ سکے۔

۱۳ مہینے کا بچہ چلنے لگتا ہے۔ لیکن اب بھی وہ پیر کو فرش سے کافی اونچا اٹھاتا ہے اور پیروں کے بیچ میں کافی فاصلہ ہوتا ہے۔ کہنیوں سے ہاتھ آگے پھیلائے رہتا ہے تاکہ توازن قائم رہے لیکن کبھی کبھی ہاتھوں کو نیچے بھی ڈال دیتا ہے۔

اس عمر میں اگر بچہ کی دلپسند چیز فرش پر دکھائی دے تو بجائے چلنے کے چاروں ہاتھ پیر پر چل کر وہ چیز حاصل کرتا ہے۔

۱۵ مہینے میں اب وہ آسانی سے ہاتھوں کو چھوڑ کر اور دونوں طرف لٹکا کر جا سکتا ہے سیدھا ہاتھ آگے ہلتا ہے جب اُلٹا پیر آگے بڑھتا ہے اور اُلٹا ہاتھ سیدھے پیر کے ساتھ جنبش کرتا ہے۔
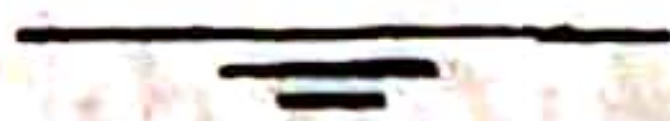
جسمانی نشو ونما

بچہ کا نشو ونما نہایت دلچسپ اور نہایت پیچیدہ موضوع ہے۔ بچہ کے بدن کا بھرنا، بڑھنا اور مضبوط ہونا، اُس کا چلنا، اُس کا بولنا، اس کے جذبات اور احساسات کا پیدا ہونا اور اُن کا اظہار یہ سب تعجب خیز چیزیں ہیں۔

بچّے کے نشو ونما کی منزلیں

ہاتھ پیر کی بے مقصد حرکتیں، رینگنا، گھٹنوں چلنا، پھر کھڑا ہونا اور ڈگمگا ڈگمگا کر چلنا۔ شروع میں بے معنی آوازیں نکالنا۔ سیٹیاں بجانا، کیکنا اور چیخنا، پھر تتلا کر بولنا، اُس کے ابتدائی جذبات، خوشی، رنج، غصہ ان تمام کا بچپن میں مظاہرہ ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے بچہ ہر اک کی دلچسپی کا مرکز بنا رہتا ہے۔

بچہ صرف چھوٹا، آدمی ہی نہیں بلکہ وہ ایک فرد ہے اور اپنی علیحدہ شخصیت رکھتا ہے۔ ادنیٰ جانور جلد بڑھ جاتے ہیں۔ بعض جانور کے بچے پیدا ہوتے ہی یا کچھ دن کے بعد اپنی حفاظت کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں اور خود کھا پی

سکتے ہیں لیکن انسان میں ادراک کی قوت ہے۔ وہ اچھے اور برے میں تمیز کر سکتا ہے۔ وہ اپنے ہاتھوں کو کام میں لا سکتا ہے۔ اُن کی مدد سے نئی نئی چیزیں بنا سکتا ہے۔ اُس میں سوجھ بوجھ ہے۔ وہ آیندہ کے لئے منصوبہ بنا سکتا ہے۔ وہ اپنے اور دوسروں کے تجربوں سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

بدن کے تمام حصے ایک ہی عرصہ میں ایک رفتار پر نہیں بڑھتے۔ کچھ دیر میں تکمیل کو پہنچتے ہیں کچھ جلد

سر کی ہڈیاں، دماغ، اور آنکھیں دوسرے اعضاء بدن سے جلدی بڑھ جاتی ہیں۔

اُن میں جلد ترقی پیدا ہو جاتی ہے۔ بچہ ابھی دو برس کا ہی ہوتا ہے کہ $\frac{2}{3}$ حصہ ان اعضاء کا مکمل ہو جاتا ہے۔

اس کے برعکس اعضاء تناسل ۲ سے دس برس تک بہت آہستہ آہستہ بڑھتے ہیں تقریباً جمودی کیفیت ہوتی ہے۔

ہر عضوء بدن کی ایک فطری نمو ہوتی ہے۔ ایک اپنی خاص موزونیت ہوتی ہے۔ فطری نمو کو اپنی قدرتی رفتار پر بلا مداخلت ترقی کرنے دینا چاہئیے اگر وقت سے پہلے اُس میں طاقت پیدا کرنے کی کوشش کی تو صحت میں خرابیاں پیدا ہو جانے کے خطرے ہیں۔

جب نمو کی رفتار تیز ترین ہوتی ہے اُس وقت ہم فہم

کی بیماریوں کے خطرے ہوتے ہیں۔ اسی لئے بچہ کو عمر کے پہلے سال بالکل تندرست رکھنے کی ضرورت ہے۔ سوکھے کی بیماری سے بچے کے اعضاء بدن ٹیڑھے پڑ سکتے ہیں۔ بچے کی ہڈیاں ایک حد تک بیماری کے اثرات کو آگے چل کر ضائع کر سکتی ہیں؛ اُن میں نسبتاً مقابلہ کرنے کی زیادہ طاقت ہوتی ہے۔ پانچ برس کی عمر کو پہنچنے سے پہلے خفیف خفیف سی پیروں یا گھٹنوں کی بیماریاں دور ہو سکتی ہیں۔ پیٹھ یا ریڑھ کی ہڈی بھی سیدھی ہو سکتی ہے کیونکہ فطرت خود بچہ کو متناسب طور پر بڑھاتی ہے۔ لیکن دماغ یا اعصاب کی بیماری یا کمزوری مشکل سے دور ہوتی ہے۔ نئے اعصابی خلیئے دیر میں پیدا ہوتے ہیں اور پھر ان نئے خلیوں کو اعصابی پیام حاصل کرنے اور بھیجنے میں دیر لگتی ہے۔ یہ بہت دیر میں تربیت یافتہ ہوتے ہیں۔ اسی واسطے بچہ کو پہلے سال میں ہر دماغی اور اعصابی ہیجان سے بچانا چاہیئے۔ اُس کو زندگی کی دوڑ میں حصہ لینے کے لئے بالکل چاق وچوبند بنا دینا چاہیئے

نشو ونما

صحیح آزادی کی فضا میں صحت بخش نشو ونما ہوتی ہے نشو ونما ہر کی ہے۔ شخصیت کی تعمیر انسان کے تجربوں سے ہوتی ہے۔ تجربہ کام سے حاصل ہوتا ہے لہذا کام کرنے کی

آزادی ہونی چاہیئے۔ ہر بچہ کو پختگی حاصل کرنے کے لئے یہ طویل راستہ طے کرنا ضروری ہے۔

کمزور کو فرمانبردار تو دباؤ اور جبر کے ذریعہ سے بنایا جاسکتا ہے، اُس پر تربیت حکومت کرسکتے ہیں لیکن کوئی دوسرا نشو و نما نہیں کرسکتا۔ نشو و نما تو خود فرد ہی کو کرنی پڑتی ہے۔ نشو و نما مسلط نہیں کی جاسکتی نشو و نما سکھائی نہیں جاسکتی۔

مقاصد افعال ایسے ہوں کہ بچہ میں گہری دلچسپی پیدا ہو جائے۔

بچہ ۲ - ۶ سے برس تک اپنے افعال سے اپنا کردار بناتا ہے۔ ہم صرف یہی کرسکتے ہیں کہ بچہ کے لئے صحیح ماحول فراہم کردیں، اور پھر بچہ کو بغیر کسی رکاوٹ کے آزادانہ کام کرنے دیں۔ آگے چل کر نصیحت وعظ و پند اور سمجھانے سے بچہ کے دماغ کو متاثر کیا جاسکتا ہے کیونکہ ۱۲ - ۶ برس کے دوران میں ضمیر جاگ جاتا ہے اور اپنا کام کرنا شروع کردیتا ہے اور بچہ اچھے اور بُرے مسلوں کو مرئی شکل میں لانا شروع کرتا ہے۔ اس سے بھی زیادہ ۱۲ - ۱۸ کے زمانہ میں ممکن ہے جب بچہ اپنا نصب العین بنانا شروع کرتا ہے۔ وہ نصب العین سیاسی ہوں یا سماجی، ہوں یا مذہبی۔

اگر معیار گر گیا ہے تو یہ ہماری ہی خطا ہے کیوں کہ

۳-۶ اور ۶-۱۲ کی عمر میں ہم نے بچے کی تعلیم و تربیت کا خاطر خواہ انتظام نہیں کیا۔ صحیح وقت پر بچے کو خود تعمیری کے موقع ملنا چاہیئے تاکہ انسانیت آگے بڑھ سکے اور بچہ بڑا ہو کر کارہائے نمایاں انجام دے سکے۔

بچہ کی ذہنی نشوونما

بچہ کو خود بخود تجربہ کرنے کے موقعے دینا چاہیئے۔ جس بچے کو خود تجربہ کرنے کے موقعے نہیں ملتے اُس کی ذہنی تربیت نہیں ہوتی۔ وہ چیزوں کی بناوٹ اور اُن کے استعمال سے ناواقف رہتے ہیں۔ وہ نئے تجربے کرتے ہوئے گھبراتے ہیں۔ اُن کو ہر وقت ڈر لگا رہتا ہے کہ کہیں کام خراب نہ ہو جائے۔ قدم قدم پر ہچکچاتے ہیں۔ وہ بزدل، کمزور اور ڈرپوک ہو جاتے ہیں اور احساسِ کمتری اُن میں پیدا ہو جاتا ہے۔ بچہ کے ذہن کی ترقی کے لئے اچھی اچھی مفید کہانیاں سنائی جائیں۔ پہیلیاں بوجھنے اور حل کرنے کا موقع دیا جائے۔ اگر کوئی بات اُس کے سمجھ میں نہ آئے تو بے وقوف گدھا نہ کہا جائے، کیونکہ وہ آپ کے کہنے سے سوچنے سمجھنے لگتے ہیں۔ مدرسہ میں اگر بچہ کا دل نہ بڑھایا جائے اور اس کو پھٹکی اور نالائق سمجھا جائے تو تمام عمر کے لئے

وہ ناکارہ ہو جاتا ہے اور پھر ہاتھ پیر مارنا اور کوشش کرنا
ہی چھوڑ دیتا ہے کیونکہ ناکامی کا بھوت اُس کے سر پر ہر وقت
سوار رہتا ہے۔ اور ہر لمحہ مایوسی کے آئینہ میں اُس کو اپنا مکروہ
چہرہ نظر آتا ہے۔ وہ عملی دنیا کی بجائے خوابی دنیا میں مگن رہتا
ہے۔ خیالی محل بناتا ہے اور اچھا خاصہ شیخ چلی بن جاتا ہے
ایک وجہ بچوں کی فطرتی ذہنی نمو کے ٹھٹھر جانے کی یہ بھی
ہے کہ والدین جوش و محبت میں بچوں کو اُن کی استعداد سے زیادہ
قابل و لایق بنانے کی آرزو کرتے ہیں۔ وہ جلد اُن کو سب کچھ بتلا
دینا چاہتے ہیں۔ بچوں کی صلاحیتوں کا خیال کرنا چاہیئے۔ تربیں
اور یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ فطرت نے تعلیم کے حصول کے ادوار مقرر کر دیئے
اور ہر دور میں بچہ اپنی اہلیت اور صلاحیت کے موافق علم اور
تجربہ حاصل کرتا ہے۔ فطرت سے جنگ اور وقت سے پہلے سکھانے
کی کوشش کرنا نقصان دہ اور مضرت رساں ہے

دوسرا باب

بچّہ کے جذبات کی نشو ونما

جیسے جیسے بچّہ جسمانی اور ذہنی طور پر بڑھتا اور ترقی کرتا ہے ویسے ویسے اُس کے جذبات کی بھی تربیت ہوتی جاتی ہے۔ اصل میں جسمانی، ذہنی اور جذباتی ترقی ایک دوسرے میں ایسی گھتی ہوتی ہیں کہ علحدہ نہیں کیجا سکیتں۔ ایک کی ترقی کے ساتھ ساتھ دوسرے کی ترقی وابستہ ہے۔ یہ عام مشاہدہ ہے کہ بیماریاں انسان کو زود رنج اور چڑچڑا بنا دیتی ہیں۔

اگر ہم بچّہ کے جذبات کو ٹھیس نہ لگائیں اور اُن کی صحیح تربیت کریں تو وہ سماج کے گلدستہ کا ایک شگفتہ مہکتا پھول بن سکتا ہے جس کی خوشبو سے صحن چمن معطر ہو جاتے ہیں۔ بعض ماہر نفسیات کا یہ کہنا ہے کہ بچّہ کے پیدا ہونے کے چند گھنٹوں کے اندر جو حادثات ہوتے ہیں۔ اُن کا نہ مٹنے والا اثر بچّہ کے دل و دماغ پر پڑتا ہے، اور

اُس کے جذبات کی دنیا میں ہل چل پیدا کر دیتا ہے۔ اسی واسطے یہ یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ زندگی کے ابتدائی چند سال بچہ کے کردار کو ایک خاص نہج پر ڈھالنے اور ایک خاص رُخ پیدا کرنے میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ اس زمانے جو نقوش اُس کے دل و دماغ پر مرتسم ہو جاتے ہیں وہ زندگی کی آخری سانسوں تک نہیں مٹتے۔ قدرت اس کا نتیجہ چھ برس کی عمر تک ہی کر دیتی ہے کہ بچہ کس قماش کا نکلے گا۔ مدرسہ صرف ایک حد تک وہ بھی بہت معمولی حد تک بچوں کے عادات اور رجحانات میں فرق پیدا کر سکتا ہے۔ وہ اوپری جلا دے سکتا ہے، کیونکہ مدرسہ آنے سے پہلے ہی بچے اپنے کردار میں پختہ ہو چکے ہوتے ہیں لہذا اس کو ایک حد تک موڑا جا سکتا ہے۔

جذبات کا تعلق احساسات سے ہے۔ ہم اپنے اور دوسرے کے لئے کیا احساس رکھتے ہیں؟ دوسروں کا ردعمل ہمارے متعلق کیا ہے؟ جذبات کے متاثر ہونے سے دماغی اور جسمانی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ آج دنیا کے پاگل خانے بھرے ہوئے ہیں۔ اعصابی بیماریاں عام ہیں۔ ہاضمہ کا فتور، خون کے دباؤ کا بڑھ جانا، دل کی بیماریاں مختصر یہ کہ نفسانی امراض کی بہتات ہے جو جذبات کے عارضی یا مستقل ہیجان کا نتیجہ ہیں۔ موقتی طور پر بھی اگر جذبات میں تلاطم پیدا ہو جائے تو بھی انسان سکونتی طور پر کام نہیں

کر سکتا اور یقیناً اُس کی کارکردگی متاثر ہوتی ہے۔ جذبات کے متاثر ہونے سے دانائی اور دولت دونوں ضائع ہو جاتے ہیں، پستی، تفکر، خوف، اور شک و شبہ جیسی مذموم علامتیں پیدا ہو جاتی ہیں جس کی وجہ سے غیر سماجی افعال سرزد ہوتے ہیں۔ انسان متعصب بن جاتا ہے۔ انسان، انسان میں امتیاز اور فرق کرنے لگتا ہے اور مجرمانہ حرکات کا مرتکب ہوتا ہے

جرم ایک نفسیاتی بیماری ہے جو سماج کی لاپرواہی یا زیادتی سے پیدا ہوتی ہے اور اس کا علاج بھی نفسیاتی ہی ہو سکتا ہے۔ جرائم کی روک تھام دارالتوبہ اور جیل خانوں میں نہیں کی جا سکتی۔ پولیس کی مار دھاڑ اُس کا جبر و تشدد مجرمانہ رویہ کو روکنے میں ممد و معاون نہیں ہو سکے۔ بلکہ مجرموں کو اور بھی ڈھیٹ بناتے ہیں اور رہا سہا ڈر نکل جاتا ہے، اس لئے دولت اور توانائی مفت میں برباد کرنا جمہوریت کے شایانِ شان نہیں۔ ہم کو عقل کے ناخن لینا چاہیئے۔ اور سماج میں ایسا ماحول پیدا کرنا چاہیئے کہ جذبات کی صحیح تربیت ہو، اور صحت بخش کردار سازی ممکن ہو سکے۔

جذبہ عناد

بچے کی فطرت بے چین ہوتی ہے۔ اس میں روح جیانی کارفرما ہے۔ اس کے مزاج میں تلون ہے۔ آن آن میں وہ بدلتا رہتا ہے۔ نمائش و نمود کے لئے وہ بیقرار ہے۔ بچے میں جذبۂ عناد نکاس کا صحیح راستہ نہیں پاتا تو غلط راستوں پر لگ جاتا ہے جس سے انسان کے کردار کی چولیں ہل جاتی ہیں اور مالیخولیا جیسے امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ اختلاج قلب کے دورے پڑتے ہیں۔ ہسٹریا کا شکار ہو جاتا ہے۔ ہاتھ پاؤں اکڑنے لگتے ہیں ہکلانے لگتا ہے۔

جذبۂ عناد کی صحیح رہنمائی اور رہبری نہ کرنے اور جا و بیجا پابندیاں عاید کرنے کی وجہ سے بچہ سرکشی پر مائل ہو جاتا ہے وہ قلعہ کو مسمار کرنا چاہتا ہے اور اس ذات سے جو اس کے آڑے آتی ہے بیزار ہو جاتا ہے چاہے وہ ذات والدین کی ہو یا کسی اور کی۔

استاد سے وہ بدلہ لیتا ہے اور ہر چیز کو تہس نہس کر دینا چاہتا ہے۔ توڑ پھوڑ میں اس کو ایک قسم کی آسودگی ملتی ہے بربادی دیکھ کر اس کا دل ٹھنڈا ہوتا ہے۔ جتنی اس پر سختی کی جائے اتنا ہی وہ اور باغی اور سرکش بن جاتا ہے

ان خرابیوں کو دور کرنے کا صرف ایک علاج ہے اور وہ یہ کہ اُس کے رجحانات کے مطابق اُس کی اصلاح و فلاح کی تدبیریں سوچی جائیں اور ایسی راہیں نکالی جائیں جن کے ذریعہ اِس سرکشی جذبہ کی نفی ممکن ہو سکے۔

جذبۂ عناد مختلف بچے مختلف مقداروں میں وراثتاً پاتے ہیں۔ جذبہ عناد تخریبی جذبہ ہے لیکن اس کی اگر صحیح طور پر تربیت کی جائے تو مفید نتائج اخذ کئے جا سکتے ہیں۔ غم و غصہ جذبہ عناد کا ایک طریق اظہار ہے۔ برائیوں اور ظلم کے خلاف غم و غصہ اُبھارا جائے۔

بچہ کے جذبات کی نشو ونما

شروع میں بچہ حس کا بندہ ہوتا ہے اس کا ردِ عمل فوری ہوتا ہے۔ اگر گھر میں مسرت ہی مسرت ہے اور بچہ سے ہر ایک محبت کرتا ہے تو بچہ جلد صحت مند طریقہ پر بڑھتا ہے۔ اگر گھر میں ہر وقت جھگڑا فساد ہوتا رہتا ہے تو بچہ اُس کو بھی خوب سمجھتا ہے اور وہ ٹھٹھر جاتا ہے شروع سے اُس کا اٹھان نہایت ہوشیاری اور دانشمندی سے ہونا چاہیے کیونکہ بچہ اپنی انفرادی پسند اور ناپسند کا مالک ہے۔ وہ اپنی خود کی شخصیت رکھتا ہے۔ وہ بول نہیں سکتا۔

اپنی ضرورتوں کو بیان نہیں کرتا۔ اگر اس کی ضروریات زندگی میں رکاوٹیں پیدا ہوئیں تو وہ اپنی ناراضگی کا اظہار رو دھو کر چیخ چلا کر ہی کر سکتا ہے۔

شروع میں وہ تمام دن سوتا رہتا ہے۔ لیکن چھ مہینے کی عمر تک پہنچتے پہنچتے وہ بہت کچھ کرنے لگتا ہے۔ یقیناً اس کی بہت کچھ بدمزاجی کا سبب اُس کی اکتاہٹ ہے۔

اگر اُس کو صحت مند غذا دی جائے۔ لباس موسم کے لحاظ سے پہنایا جائے۔ کھلی اور تازہ ہوا میں رکھا جائے اور اُس کے کھلونوں اور مصروفیات کا خیال رکھا جائے تو وہ خوش مزاج اور ہنس مکھ بچہ نکلے گا۔

مختصر یہ کہ جیتی ماں، ہنس مکھ باپ اور خوش و خرم گھر بچہ کی زندگی کو انتہائی خوشگوار بنا سکتے ہیں۔

مشہور مقولہ ہے کہ "حفظ ما تقدم علاج سے بہتر ہے" امراض کے جراثیم کو بے تکیل اونٹ کی طرح چھوڑ دینا، اُن کو بڑھنے دینا اور علاج کے لئے کروڑوں روپیہ صرف کرنا کہاں کی عقلمندی ہے۔

ہمیں یہ سمجھے رہنا چاہیئے کہ بچپن میں ذرا سی غفلت کا خمیازہ صرف بچہ نہیں بلکہ اس کا خاندان، اُس کا سماج اور ساری قوم بھگتتی ہے۔ مثل مشہور ہے کہ "ایک مچھلی سارے تالاب کو گندا کرتی ہے" بھلا اُس تالاب کی کیا کیفیت ہوگی، جو گندی مچھلیوں سے بھرا ہو اور پھر کوئی اس

صاف کرنے کی زحمت گوارا نہ کرے۔ نہ صرف والدین اور مدرسین بلکہ جمہوریت میں یہ ہر عاقل اور بالغ کا فرض ہے کہ بچپن ہی میں بچوں کے جذبات کی صحیح تربیت کریں، اور اس مرض کو چھپا نا نہ ہونے دیں ورنہ مرض لا علاج ہو جائے گا اور پھر لاکھ دوڑ دھوپ کر دیا جان کھپا ڈ کچھ کرتے دھرتے نہ بنے گا اور دیگر وبائی امراض کی طرح دوسروں کو اثر کرے گا جس سے قوم کی قوم متاثر اور مفلوج ہو جائے گی۔

زبان کی ترقی

سماج کے کاروبار میں حصّہ لینے کے لئے زبان کا بتدریج سیکھنا ضروری ہے۔ زندگی کی ہر منزل پر اس کی ضرورت پڑتی ہے۔ زبان کا تعلق براہ راست ذہن سے ہوتا ہے۔ پہلی جماعت کو پہنچتے پہنچتے بچّہ دو ہزار پانچو لفظ سیکھ لیتا ہے پانچ لفظوں کا جملہ بولنے لگتا ہے۔ حروف پہچانتا ہے اور کچھ لفظ لکھ پڑھ بھی لیتا ہے۔ بچّہ کا خزانہ الفاظ آہستہ آہستہ تمام عمر بڑھتا رہتا ہے۔

بچّہ کی زبان

بچّہ کی زبان موجودہ اور حال تک محدود ہوتی ہے۔ وہ عام مجرد نہیں ہوتی۔ اُس کے تجربوں میں ابھی امتیازی قوت پیدا نہیں ہوتی۔ زبان اُس کے لئے ایک آلہ اور کھلونا ہے۔ لفظوں اور جملوں سے کھیلنا اُس کا ایک دلچسپ مشغلہ ہے۔ انسان کے بچے پہلے روتے ہیں پھر غوں غاں کرتے ہیں۔ اور پھر توتلا کر ٹوٹے پھوٹے لفظ بولتے ہیں اور پھر لفظوں کو جوڑ کر چھوٹے چھوٹے جملے بناتے ہیں۔ رفتہ رفتہ یہ جملے بڑے اور پیچیدہ ہو جاتے ہیں اور ان میں معنی اور زبان کی چاشنی پیدا ہو جاتی ہے۔ زبان کے معاملہ میں انسان کے سب بچے ملتے جلتے ہیں۔ شخصی فرق وراثت کی وجہ سے پیدا ہو جاتا ہے۔ ماحول کی وجہ سے بھی اختلاف پیدا ہو جاتے ہیں لیکن بنیادی آساسی اعتبار سے سب یکساں ہوتے ہیں۔

بچّہ ۱۴ مہینے کی عمر تک طرح طرح کی آوازیں نکالتا ہے۔ یہ آوازیں وہ اپنے لئے مخصوص کر لیتا ہے تاکہ اناّ اور دوسرے لوگ جو بچّے سے قریب

تعلق رکھتے ہیں اِن آوازوں کا مطلب سمجھنے لگتے ہیں۔ پھر آہستہ آہستہ وہ الفاظ بولتا ہے۔

شروع میں بچہ۔ مم، لوتی، پو، چچی، ابو، امی وغیرہ جیسے لفظ بولتا ہے اِس کے بعد بچہ ۱۸ ماہ کی عمر تک ایک ایک دو، دو لفظوں کو ملا کر چھوٹے چھوٹے جملے بنانے لگتا ہے اور چیزوں وغیرہ کے نام سیکھنے لگتا ہے

بچہ اِس عمر میں توتلاتا ہے، لیکن آپ اِس سے توتلا کر بات نہ کریں بلکہ چیزوں کے نام صاف زبان میں بتائیں جہاں تک ممکن ہو گالی یا مخش لفظ اُس کے کان میں نہ پڑنے دیں۔

دو سال سے ڈھائی سال کی عمر میں وہ پہلے سے صاف بولنے لگتا ہے۔ اِس عمر میں وہ کیوں؟ کس لئے؟ کہاں؟ جیسے سوالات کرتا ہے۔ آپ اُس کے سوالات کو فضول اور بیکار سمجھ کر ٹال نہ دیں۔ جھنجھلا کر اُس کو جھڑک نہ دیں۔ بلکہ سہولت سے اُس کے سوالوں کا آسان زبان میں جواب دیں۔ اس زمانہ میں بچہ کہانیوں قصوں اور واقعات میں دلچسپی لیتا ہے۔

چار سال کی عمر کے بعد اُس کی قوت گویائی بڑھ سی جاتی ہے۔ تین سے چھ برس کی عمر میں سائنٹفک لفظ نہایت آسانی سے سکھائے جا سکتے ہیں، لیکن یہ الفاظ رٹائے نہیں جائیں بلکہ چیزوں کے ساتھ بتائے جائیں۔ تاکہ اُن کا خزانہ الفاظ اُن کے تجربوں کے ساتھ ساتھ ترقی کرے مثلاً پھول کے مختلف اجزا بچے کو دکھا کر اُن کے نام بتائے

جائیں۔ ٹھوس ماڈل، تصویروں، خاکوں اور نقشوں کے ذریعے معلومات مہیا کی جاسکتی ہیں۔

بچہ۔ زبان اور سماج

نہ صرف یہ کہ زبان آدمیوں کو گروہوں اور قوموں میں تقسیم کرتی ہے بلکہ یہ تفریق کا مرکزی نقطہ ہے جس سے بنی نوع انسان حیوانوں سے علیحدہ ہوتا ہے۔ زبان ہی ماحول کو تمدن کے درجہ تک پہنچاتی ہے:۔

انسانی زندگی جانوروں کی طرح بالکل جبلتی نہیں ہے۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ نومولود بچہ آگے بڑھ کر کیا کرے گا۔ لیکن یہ امر صاف ہے کہ بغیر دوسروں کو سمجھے ہوئے وہ ترقی کی منزلیں طے نہیں کرسکتا۔ صرف سوچنے کی قوت کافی نہیں ہے۔ انسان کتنا بھی ذہین ہو۔ لیکن اُس کو کارہائے نمایاں انجام دینے کے لئے زبان کی ضرورت ہوتی ہے۔ زبان اجتماعی خیال کے سمجھنے کا ایک ذریعہ ہے۔

انسان کے وجود سے پہلے زبان کا وجود نہیں تھا۔ زبان ہے کیا؟ صرف چند بے ہنگم آوازیں یا شور وشغب جو آپس میں ملادی گئی ہوں۔
اور یہ آوازیں خود بے معنی ہیں — انسان نے تفیفہ کرلیا ہے

کہ وہ چند آوازوں کو خاص معنی دیں گے، جیسے لوٹا، لفظ بولتے ہی ایک تصویر ہماری نظر سے سامنے آجاتا ہے۔ اِسی طرح اور تمام لفظیں ہیں پھر یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ وہی اِن لفظوں کو سمجھ سکتے ہیں جو اِن کے مفہوم کو جانتے ہیں۔ دوسرے لوگ اِسی مفہوم کو کسی دوسرے لفظ سے ادا کرتے اور سمجھتے ہیں۔

اِس کے یہ معنی ہوئے کہ زبان بنی نوع انسان کو گروہوں میں تقسیم کرتی ہے زبان انسان کو قومیت سے زیادہ مضبوط بندھن میں باندھتی ہے۔ ایک ہی زبان بولنے والے جذباتی لحاظ سے زیادہ قریب ہو جاتے ہیں — زبان ایک قسم کا رشتہ ہے، جو خون کے رشتہ کی طرح ایک کو دوسرے سے منسلک کر دیتا ہے۔ ایک ہی زبان بولنے والوں میں یگانگت، یکجہتی، رواداری اور اپنائیت پیدا ہو جاتی ہے۔
زبان انسان کے تخیلات اور خیالات کے ساتھ بڑھتی ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ چند آوازیں ملانے سے لاتعداد لفظ بن جاتے ہیں، یہ آوازیں لاتنا ہی طریقوں سے ملائی جا سکتی ہیں۔ اور اِن کی مدد سے لامحدود لفظ بن سکتے ہیں۔ یہ آواز پہلے نکالی جائے، اور یہ بعد میں۔ چند آوازیں واضح طور پر نکالی جائیں اور چند دبا دی جائیں۔ چند ہونٹوں کو کھول کر نکالی جائیں اور چند لبوں کو بند کر کے۔ اِس سے زیادہ متحیر کن بات یہ ہے کہ یہ سب آوازیں جو بے شمار ہوتی ہیں ہمارے حافظہ میں محفوظ رہتی ہیں

اور پھر لطف یہ کہ نہ صرف آوازیں بلکہ اُس کے معنی بھی ہم کو ازسرِ نو سنتے ہیں۔ پھر سوال خیال کا ہے جس کے اظہار کے لئے ان لفظوں کو ایک دوسرے سے جوڑا جاتا ہے۔ اور جملے بنائے جاتے ہیں۔ جملوں میں لفظوں کو ایک خاص ترتیب سے جمایا جاتا ہے۔ وہ صرف بے ڈھنگے اور بے ترتیب طور پر نہیں رکھ دیئے جاتے۔ اگر وہ قاعدے کے موافق نہوں تو سننے والا بولنے والے کی بات نہ سمجھ سکیگا۔ صرف و نحو کا خیال رکھا جاتا ہے۔ اسم صفت فعل، فاعل۔ اور مفہوم کی جگہ متعین ہوتی ہے۔ صحیح لفظ استعمال کرنا ہی کافی نہیں ہے بلکہ اُن کی ترتیب بھی صحیح ہونی چاہیئے۔

بچہ زبان کو جذب کرتا ہے۔ بچہ اپنے ماحول میں زبان کو بولتے سنتا ہے لہذا وہ بھی وہی زبان بولنے لگتا ہے۔

زبان کتنی بھی مشکل کیوں نہو شروع میں ان پڑھ لوگوں نے بولنا شروع کی۔

مثلاً لیٹن پہلے پہل شاہی غلاموں نے بولنا شروع کی۔

ماں بچہ کو زبان نہیں سکھاتی۔ بچہ ماں کی گود میں فطرتی اور قدرتی طور پر زبان سیکھتا ہے۔ اُس کا زبان سیکھنا اپنے آپ بلا جبر و اکراہ فطرتی تخلیق ہے۔ بچہ کی زبان میں ترقی خاص قوانین کے تحت ہوتی ہے اور دنیا کے تمام بچے اُن ہی قوانین کے پابند ہوتے ہیں۔ بچہ اپنی نمو کے مختلف منزلوں میں زبان پر مقررہ عبور حاصل کرتا جاتا ہے۔ زبان مشکل ہو یا آسان۔ بچہ پہلے لفظ کا ٹکڑا بولتا ہے۔ پھر پورا لفظ اور پھر صرف و نحو کے مطابق جملے

مذکر، مونث، واحد، جمع، فعل کی گردانیں، سابقہ، اور لاحقہ

سب ہی بچّے کی بول چال کے جزو ہوتے ہیں۔ زبان کتنی ہی پیچیدا رہو لیکن بچّہ زبان کی اِن تمام پیچیدگیوں کو جذب کر لیتا ہے۔

بعض وقت ناک اور حلق کے ساتھ مل کر آواز نکلتی ہے۔

بعض اوقات زبان کے عضلہ اور رخسار میں تعاون ہوتا ہے

بچّہ اپنی زبان کی منشری خود بناتا ہے اور جتنی زبانیں بولتے ہوئے سنتا ہے فراٹے سے بولنے لگتا ہے۔ یہ تمام شعوری طور پر نہیں ہوتا۔ بچّہ زبان غیر شعوری طور پر سیکھتا ہے۔

تعجب خیز امر یہ ہے کہ لفظوں کا تلفظ ایک نسل کے بعد دوسری نسل میں ویسا ہی بغیر کسی فرق کے قائم رہتا ہے۔

دوسرے یہ کہ زبان کتنی بھی مشکل اور پیچیدہ ہو بچّہ اُس کو اُتنی ہی آسانی سے سیکھتا ہے جتنی غیر ترقی یافتہ زبان۔

کسی بچّہ کو اپنی مادری زبان سیکھنے میں زحمت نہیں ہوتی اس کا میکانیزم اُس کے عمل کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔

مشاہدہ شاہد ہے کہ

(۱) بچہ داخلی طور پر بہت کچھ حاصل کر لیتا ہے۔ لیکن اُس کا اظہار محدود ہوتا ہے

(۲) زبان کے میدان میں ظاہراً ترقی بتدریج نہیں ہوتی بلکہ چھلانگ مارتا ہے۔

جیسے ایک مقررہ وقت پر بچہ لفظ کے ٹکڑے بولنا شروع کرتا ہے اور ایک کافی عرصہ تک صرف لفظ کے ٹکڑے بولتا رہتا ہے۔ ظاہر میں وہ کوئی ترقی نہیں کر رہا ہے لیکن یکایک وہ ایک یا دو لفظ بولنا شروع کر دیتا ہے اور پھر ایک عرصہ تک وہی دو چار لفظ بولتا رہتا ہے اور آگے نہیں بڑھتا، لیکن اُس کی دوسری مصروفیتں بتاتی ہیں کہ اُس میں کافی تیزی سے داخلی نمایاں تبدیلیاں پیدا ہو رہی ہیں۔

ہموار اور آہستہ آہستہ ترقی نمایاں طور پر ہوتی ہے۔ وہ لفظ لفظ آگے نہیں بڑھتا بلکہ دھماکو یا بھک سے اڑ جانے والا، مظہر قدرت کا ظہور ہوتا ہے جس کی کوئی ظاہری وجہ نہیں بتائی جا سکتی ہے۔

ہر بچہ ایک مقررہ وقت پر چند الفاظ پورے تلفظ کے ساتھ ایکدم بولنے لگتا ہے۔ تین مہینے کے اندر جو بچہ گونگا تھا، اسم کے مختلف شکلوں کو سیکھ جاتا ہے۔ سابقہ لاحقہ اور فعل سا اور ہر بچہ میں دوسرے سال کے اختتام پر یہ سب کچھ ہوتا ہے۔ بچہ جس سماج سے واسطہ رکھتا ہے۔ اُسی سماج کی زبان

کو اختیار کر لیتا ہے اور وہ بغیر خاموش ہوئے برابر بولتا رہتا ہے ایک دفعہ بچہ بولنا شروع کر دے تو پھر وہ خاموش نہیں بیٹھ سکتا۔

۲½ برس کی عمر میں انسان کا دماغ بن جاتا ہے اور اب بچہ زبان کے معاملہ میں بتدریج اور مسلسل ترقی کرتا رہتا ہے۔ اب دھکے نہیں ہوتے وہ زبان کا صرف و نحو بلا جبر و اکراہ اور مسرت اور خوشی سے سیکھتا رہتا ہے۔

یہ دوران پانچ یا چھ برس کی عمر تک جاری رہتا ہے اس زمانہ میں بچہ بہت سے نئے نئے لفظ سیکھتا ہے اور جملوں کی ترکیب و ترتیب پر قابو پا لیتا ہے۔ اگر بچہ کو اپنے لفظوں کا ذخیرہ بڑھانے کا موقع نہیں ملا یا اگر وہ ان پڑھ لوگوں میں پرورش پایا، تو اُس کا تلفظ خراب، غلط اور زبان با محاورہ نہیں ہو گی لیکن اگر وہ متمدن گھرانے میں پلا اور بڑا ہوا تو اُس کا ذخیرہ الفاظ بہت زیادہ ہو گا اور اُس کی زبان شستہ اور با محاورہ ہو گی۔ حالات اسی لئے بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ بعض ماہرین نفسیات کا خیال ہے کہ ۲½ برس کا بچہ دو تین سو لفظ جانتا ہے اور چھ برس کی عمر میں اُس کے الفاظ کا ذخیرہ ہزار لفظ ہو جاتا ہے۔ اور یہ سب بغیر کسی استاد کے ہوتا ہے یہ سب اپنے آپ بلا جبر و اکراہ ہوتا ہے یہ سب اُس کی ذاتی محنت اور سعی کا نتیجہ ہے اور ہم چھ برس کی عمر میں بڑا تیر مارتے ہیں اور بچے کو حروف سیکھنے کے لئے مدرسے میں داخل کر دیتے ہیں۔

اگر قدرت بچہ کو یہ طاقت نہ عطا کرتی کہ وہ خود بخود

زبان پر قدرت حاصل کرلے تو دنیا کی کوئی طاقت اُس کو زبان نہیں سکھا سکتی تھی۔ اور جس کو ہم تہذیب و تمدن کہتے ہیں وہ وجود ہی میں نہ آتا۔

زبان بچے کو کیسے پکارتی ہے

کان آوازوں کو سنتا اور منہ حلق ناک اور زبان آوازوں کو نکالتی ہیں۔ یہ دونوں علیحدہ علیحدہ ترقی کرتے ہیں۔ کان کے کے ذریعے سے آواز کے ارتسامات دماغ پر نقش ہو جاتے ہیں اور اور بعد میں بچہ اِسی جمع شدہ ذخیرہ سے استفادہ کرتا ہے۔ پیدائش کے وقت بچہ نہ سن سکتا ہے نہ بول سکتا ہے۔ سننا اور بولنا وہ بعد میں شروع کرتا ہے۔ بچہ کی مصروفیت سننے کی حس پر موقوف ہے۔ سننے کی قوت بہت آہستہ آہستہ بڑھتی ہے۔ بچہ معمولی آوازوں کی تو پرواہ بھی نہیں کرتا جب تک آواز شدید نہ ہو وہ نوٹس نہیں لیتا۔ معمولی آواز پر کوئی رد عمل نہیں ہوتا۔ وہ دوسری آوازوں سے قطع نظر صرف لفظوں کے ارتسامات حاصل کرتا رہتا اور ذخیرہ کرتا رہتا ہے۔ بچہ فضا میں طرح طرح کی آوازیں سنتا ہے۔ لیکن صرف انسانی بولی اور اپنی مادری زبان کی نقالی کرتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قدرت نے کوئی نہ کوئی خفیہ میکانک آلہ ایسا رکھا ہے، جو

دوسری زبانوں کو رد کرنا اور مادری زبان کو جذب کرتا ہے
بچہ پہلے چیزوں کے نام سیکھتا ہے۔ اسم۔ اس کے بعد صفت
فعل، مصدر، (صرف) فعل کی گردان، (نحو) اسم کی گردان،
اور ابجد سابقہ اور لاحقہ۔

دو برس میں یہ ننھی سی جان سب کچھ سیکھ لیتا ہے۔ اِس
زمانہ میں اُس کا شعور آہستہ آہستہ بیدار ہونے لگتا ہے۔

دو مہینے تک وہ بڑوں کے لبوں اور منہ کو تاکتا رہا۔ اُن
کی طرح طرح کی بناوٹ کا بغور مطالعہ کرتا رہا اور پھر لفظ کے
ٹکڑے بولنا شروع کیے۔

پہلے سال ختم ہونے تک دو چیزیں ظہور پذیر ہوتی ہیں، اول
یہ کہ وہ آوازوں کو ملانے لگتا ہے اور بڑبڑانا شروع کر دیتا ہے

پہلے سال ختم پر وہ اپنا پہلا مقصدی لفظ کہتا ہے۔ وہ پہلے
کی طرح اب بھی بڑبڑاتا رہتا ہے لیکن اب اُس کے بڑبڑانے کا کچھ
مقصد ہوتا ہے۔ وہ سمجھنے لگتا ہے کہ زبان کا اُس سے اور اُس
کے ماحول سے تعلق ہے۔ اب وہ زبان شعوری طور پر بھی
حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اب اُس میں اور مشین میں جنگ
شروع ہو جاتی ہے۔

بچہ اپنے جذبات کا اظہار کرنا چاہتا ہے، لیکن اُس کو
الفاظ نہیں ملتے، لہذا ایک کشمکش شروع ہو جاتی ہے۔ اُس
کو پہلی مایوسی ہوتی ہے۔ تحت الشعوری طور پر اور بغیر کسی
مدد کے وہ زبان سیکھنے کی کوشش کرتا ہے اور اُس کو حیرت

انگیز طور پر کامیابی ہوتی ہے۔

جب بچہ ہم سے کچھ کہنا چاہتا ہے اہم اُس کی زبان نہیں سمجھتے تو وہ جھلا جھنجلا جاتا ہے اور غصہ ہوتا ہے۔

۲ ½ برس کا بچہ سمجھنے لگتا ہے کہ ہر چیز کا ایک نام ہوتا ہے اور وہ اُس نام سے پکاری جاتی ہے۔ اب تمام لفظوں میں سے جو اُس نے سُنے ہیں وہ اسموں کو چن لیتا ہے۔

پہلے وہ ایک اسم سے اپنے پورے خیال کا اظہار کر دیتا ہے۔ بچوں کے یہ یک لفظی جملے بڑے معنی خیز ہوتے ہیں۔

سب سے زیادہ مزے کی بات ان ایک لفظی جملوں کی یہ ہے کہ لفظ کا تلفظ بدل دیا جاتا ہے مثلاً ادٹی' روٹی کی جگہ' مم' پانی کی جگہ، بھوں بھوں۔ بھوں بھوں کتے کے لئے

بچّہ اور حرکت!

صرف انسان ورزش سے جسم کو خوبصورت بناتا ہے۔ روحانیت کی معراج بھی عمل میں ہے۔

ہم ورزش کرتے ہیں تاکہ صحت کو قائم رکھ سکیں اچھی طرح کھا سکیں، ہضم کر سکیں، سو سکیں،

ذہن اور جسم دونوں کو ہم آہنگ طور پر ترقی کرنا چاہیئے۔ اگر صرف ایک نے ترقی کی اور دوسرا پچھڑ گیا تو

نارمل ترقی نہیں ہوگی۔

اب تک مصروفیت کا تعلق تنفس اور خون کے دوران سے تھا۔ بچہ جس کو جسمی مصروفیت کے کم موقع ملتے ہیں ذہنی طور پر کمزور ہوتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ حرکت ذہن کے نشو و نما میں ممد و معاون ہوتی ہے۔ انسان کے حرکات جانور کی طرح قائم نہیں ہیں۔ اور نہ محدود ہیں۔ اُس کے حرکات اُس کی مرضی پر منحصر ہیں ــــ وہ جو حرکات سیکھنا چاہتا ہے سیکھتا ہے۔ بہت سے جانور ایسے ہوتے ہیں جن کو درختوں پر چڑھنا، تیرنا، یا دوڑنا قدرت کا خاص عطیہ ہوتا ہے۔ لیکن قدرت انسان کو کوئی ایسا خاص ملکہ نہیں دیتی بلکہ وہ ان سب کو خود اگر چاہتا ہے تو سیکھ لیتا ہے اور جانوروں سے بہتر طریقہ پر اُن پر قابو پا جاتا ہے۔ قدرت ایک ہی عطیہ اُس کو مرحمت فرماتی ہے اور وہ سیکھنے کی قابلیت ہے۔

ان مہارتوں کو حاصل کرنے کے لئے محنت اور کام درکار ہوتا ہے۔ تکرارِ فعل اور مشق سے عضلوں میں ہم آہنگی پیدا ہو جاتی ہے، انسان چاہے تو جمناسٹ ہو سکتا ہے۔ اُس میں جمناسٹ ہونے کی قابلیت پیدائشی نہیں تھی نہ وہ کوئی خاص قسم کے اعضاء بدن اور عضلے کر پیدا ہوا تھا۔ انسان جو ہونا چاہے ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ اُس کے لئے محنت شاقہ کرے اور ارادہ محکم رکھتا ہو۔ کوئی چیز پہلے سے مختص نہیں لیکن ہر چیز ممکن ہے۔

انسان کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ اُن میں سے ہر ایک ایک ہی راستہ اختیار نہیں کرتا۔ اور اگر بہت سے ایک کام کرتے ہیں تو اُن میں سے ہر ایک کا طریق کار علحٰدہ ہوتا ہے۔ تحریر ہی کی مثال لے لو۔ ہر ایک لکھتا ہے لیکن ہر ایک کا خط مختلف ہوتا ہے۔ ہر آدمی کے کام کرنے کا طریقہ علحٰدہ ہے۔ حرکت ہی سے زندہ اور مردہ میں امتیاز ہوتا ہے۔ زندہ چیزیں بغیر مقصد؛ الل ٹپّو حرکت نہیں کرتیں۔ وہ ایک مقصد کی طرف جاتی ہیں اور فطرتی قانون کی پابندی کرتی ہیں۔

اگر تمام حرکت بند ہو جائے تو درختوں کے پتے جھڑ جائیں گے؛ پھول کھلنا بند ہو جائیں گے، پھل مفقود ہو جائیں گے۔ کھیت میں غلہ پیدا نہیں ہو گا۔ جانوروں کو گھانس اور چارا میسر نہیں آئے گا۔ اُن کا دودھ خشک ہو جائے گا اور وہ بھوکوں مر جائینگے اگر چڑیاں درختوں پر بیٹھی رہ جائیں۔ اور کیڑے پودوں پر سے زمین پر گر پڑیں۔ اگر خونخوار جانور شکار کے لئے جنگل میں نہ گھومتے پھریں، اگر مچھلیاں دریا میں نہ تیریں، اگر دریا اپنی روانی بند کر دے۔ ہوا ساکت ہو جائے۔ غور کیجیے کہ کس قدر ہولناک دنیا ہو گی اور بھلا کوئی ذی روح ایسی دنیا میں زندہ رہ سکے گا۔ یہ تصور ہی پریشان کن اور خوفناک ہے دنیا میں ہر حرکت کا ایک مقصد ہے اور اگر یہ حرکت بے مقصد ہو تو چیزیں ایک دوسرے سے ٹکرا جائیں اور چاروں طرف تباہی و بربادی پھیل جائے۔

کام اور حرکت کا قریبی تعلق ہے۔ حرکت کو کام سے جدا نہیں کیا جا سکتا ہے۔ بغیر حرکت کے کام ہو ہی نہیں سکتا۔ انسان اور انسانی سماج حرکت سے تعبیر ہے۔ اگر انسان ایک مہینہ بھی کام کرنا بند کر دے تو نسل انسانی مٹ جائے۔ صفحہ ہستی سے نابود ہو جائے۔ لہٰذا حرکت کا سماجی پہلو بھی ہے۔ وہ صرف تندرستی کے نقطہ نظر ہی سے ضروری نہیں۔ سماج کا انحصار اُن حرکات پر ہے جو تعمیری نتائج رکھتے ہیں۔ کردار سے مراد ہی مقصدی حرکتیں ہیں۔ حرکتیں صرف نجی نہیں ہوتیں بلکہ دوسروں کی ضرورتوں کو بھی پورا کرتی ہیں۔ دوسروں کے فائدے کے لئے کام کئے جاتے ہیں۔

حرکت میں برکت ہے

بچوں کو بڑے مصروفیت سے منع کرتے ہیں۔ اُن کو کیا معلوم کہ مصروفیت بچوں کی نشو و نما کے لئے کس قدر ضروری ہے۔ بچہ آئندہ کا انسان اِسی مصروفیت کے توسط سے بنتا ہے نباتات اور حیوانات میں نمایاں فرق یہی ہے کہ نباتات اپنی جگہ پر قائم ہیں اور حیوانات حرکت کرتے ہیں چلتے پھرتے، بھاگتے، دوڑتے اچھلتے کودتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ انتہائی حماقت ہے کہ بچہ سے۔ خاموش ایک ہی جگہ پر بیٹھا رہنے کو کہا جائے اور اُسے حرکت کرنے سے منع کیا جائے۔

سب کو اس امر پر اتفاق ہے کہ حواس خمسہ دماغ اور ذہن کے بنانے کا واحد ذریعہ ہیں اور اندھے آدمی کے دماغ کی نشوونما کامل طریقہ سے نہیں ہو سکتی کیوں کہ دماغ کے پھاٹک آنکھ اور کان ہیں اور انہیں کے ذریعہ سے معلومات فراہم کی جاتی ہیں۔

بہرہ اور گونگا بھی نارمل آدمی کی طرح ذہین نہیں ہو سکتا پیدائشی بہرہ گونگا بھی ہوتا ہے۔

اناّ اصل اجنبٹ ہے

بچہ کی اندرونی محرک اُس کو مجبور کرتی ہے کہ وہ اپنے اطراف واکناف کا بغور مطالعہ کرے اور اُس سے لطف اندوز ہو۔ بچہ وہ دیکھتا ہے جو بڑے نہیں دیکھ سکتے۔ وہ جزیات کا مطالعہ کرتا ہے، وہ چھپی ہوئی قدروں کو معلوم کر لیتا ہے وہ نہ دیکھائی دینے والی چیز کو بھی دیکھ لیتا ہے۔

بچہ کے دماغ پر بڑوں کے الفاظ اِس طرح جم جاتے ہیں جس طرح پتھر پر نقوش۔ لہٰذا بڑوں کو بچوں کے سامنے نہایت احتیاط سے گفتگو کرنی چاہیئے۔ وہ بڑا ذخیرہ کرنے والا ہے اور جو کچھ بھی اُسے ماحول سے ملتا ہے اُس کو ثبت کر رکھ لیتا ہے۔

بچہ کی فطرت اور ضمیر میں بڑوں کی اطاعت ہے۔ بچے جب ہی نافرمانی کرتے ہیں جب اُن کو اُن کی فطرت کے خلاف

عمل کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔

۔ ماں کی محبت کا ذکر کیا جاتا ہے لیکن بچے کی محبت کا کوئی تذکرہ بھی نہیں کرتا۔ بچہ ماں سے چمٹا رہنا چاہتا ہے وہ اُس کو ایک لمحہ کے لئے بھی نہیں چھوڑنا چاہتا۔ وہ اُس کو دیکھ کر مسکراتا ہے۔ ہمکتا ہے، ہم کھلاتے ہیں وہ دیکھتا ہے کہ خود کھانے کے قابل نہیں۔ اُس کا بچپن گزر جائے گا اور پھر یہ محبت ہمیں کسی قیمت واپس نہیں مل سکے گی۔

ہم اپنی سہولتوں کی قربانی نہیں دینا چاہتے۔ ہم ہزار بہانے تراشتے ہیں کہ کام بہت ہے۔ فرصت کم ہے۔ بچوں کے ساتھ وقت ضائع نہیں کیا جا سکتا وغیرہ وغیرہ۔ بچے کو تربیت دی جانی چاہیئے کہ فضول بکواس نہ کرے۔ گڑبڑ نہ پھیلائے، ہلڑ نہ کرے اصل میں ہم بچے سے جہاں تک ممکن ہے دور رہنا چاہتے ہیں نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

اگر ماں باپ دن چڑھے تک سوتے ہوں اور بچہ انکو آ کر اٹھا دے تو اُس کی اس حرکت کو شرارت سمجھا جاتا ہے۔ اُس پر خفا ہوتے ہیں، مارتے ہیں، اُس کی محبت کو کوئی نہیں دیکھتا کہ صبح اٹھتے ہی وہ سب سے پہلے ماں اور باپ کو دیکھنا چاہتا ہے۔

ہاتھ

بچہ پیدا ہوتا ہے تو یہ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ

وہ اپنے پیروں سے کام لے گا اور چلے پھرے گا لیکن ہاتھوں کی بابت نہیں کہا جا سکتا کہ وہ اُن سے کیا کام لے گا۔

انسان ہی ایسا جانور ہے جو دو ٹانگوں پر چلتا ہے۔ باقی سب چار ٹانگوں پر چلتے ہیں، انسان کے ہاتھ کی مہارت دماغ سے تعلق رکھتی ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ خود تہذیب کے نشوونما سے تعلق رکھتی ہے۔

انسان کے ہاتھ اُس کے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ شروع سے انسان نے اپنے ہاتھ کے کرتب کا کمال چھوڑا ہے اور تاریخ نے ہر زمانہ میں اُس کو محفوظ کر لیا ہے۔

دستکاری اور دماغ دونوں نے ساتھ ساتھ ترقی کی ہے جتنی دستکاری نازک اور دلفریب ہوگی اتنا ہی دماغ اور توجہ کی زیادہ ضرورت ہوگی۔

انسان کے ماحول میں تمام تبدیلیاں ہاتھ ہی کی لائی ہوئی ہیں۔ تمدن ہاتھ کی ممنونِ احسان ہے، اُس نے اسلاف کے کارناموں کو زندہ رکھا۔ مصوری، نقاشی، مجسمہ سازی خطاطی، کتابیں، عمارتیں غرض یہ کہ تمدن کا سارا سرمایہ ہاتھ کا عطیہ ہے

بچہ کا دماغ اُس وقت تک پوری طور پر ترقی نہیں کرتا جب تک کہ وہ اپنے ہاتھوں کو استعمال نہیں کرتا۔ اس کا کریکٹر بھی کمزور رہتا ہے، فرمانبرداری اور پہل "آغاز" ابتدا کی کمی رہتی ہے اور وہ سست اور مغموم رہتا ہے اگر اُس کو کام کرنے کے خاطر خواہ مواقع نہیں ملتے۔

عمل کا تعلق دیکھنے سے ہے۔ چلنے میں بھی دیکھنا پڑتا ہے اور کام کرنے میں بھی۔

بچہ کی پہلی حرکت کسی چیز کو پکڑنا ہے، بچہ پہلے اپنے ہاتھوں پر توجہ مبذول کرتا ہے پیروں پر نہیں۔ پہلے پہل پکڑنا جبلّی فعل ہوتا ہے۔ اور اس کے بعد بالقصد اور بالارادہ ۱۰ مہینے کی عمر میں بچہ اپنے اطراف کی چیزوں کو سمجھنے لگتا ہے اور اب وہ ان پر قابو حاصل کرنا چاہتا ہے۔ وہ چیزوں کو اٹھا کر ادھر ادھر رکھنے لگتا ہے۔ ایک سال کی عمر تک وہ صندوقوں کو کھولنے بند کرنے لگتا ہے، خانوں، کو نکالنا، بند کرنا، دروازوں اور کھڑکیوں کو کھولنا بند کرنا۔ بوتلوں میں سے کاگ نکالنا پھر لگانا، ٹوکری میں سے چیزیں نکال کر باہر رکھ دینا اور پھر ٹوکری میں رکھنا۔ اسی طرح کے بیسیوں کاموں سے وہ اپنے ہاتھ کے استعمال پر قابو پاتا ہے بچہ مسلسل اور انتھک کوشش سے خود مختار ہوتا ہے۔ بغیر دوسروں کی مدد کے خود کام کرنے کے قابل بنتا ہے۔ اگر وہ خود مختار ہو گیا ہے تو وہ جلد جلد ترقی کرتا جاتا ہے اور اگر بڑے ہونے پر بھی وہ خود مختار نہیں ہوا ہے اور اپنے روزانہ کے کام میں دوسروں کی مدد کا محتاج ہے تو اس کا نمو ٹھٹھر جاتا ہے فطری نشوونما کے لئے یہ ضروری ہے کہ بچہ کو صرف اتنی ہی مدد دینی چاہیئے جتنی اُس کے بقا کے لئے لازمی ہے۔

بچّہ کو ہر وقت گود میں لادے نہیں پھرنا چاہیئے۔ خصوصاً ۴، ۵ برس کے بچّہ کو کھیلنے کودنے اور اپنا کام کاج کرنے کو چھوڑ دیا جانا چاہیئے

اگر اب نہیں کیا تو نشو نما میں خلل پڑ جائے گا۔
ہم کو بچہ کے لئے طرح طرح کی چیزیں فراہم کرنی چاہئیں تاکہ وہ اپنے میلان طبیعت کے موافق کام کر سکے۔ اس لئے کہ اس کا کام ہی اس کو خود مختار بنا سکتا ہے۔ ۱½ برس کی عمر میں بچہ اپنے آپ کو مضبوط محسوس کرتا ہے۔ وہ صرف مشق ہی نہیں کرتا بلکہ زیادہ سے زیادہ کوشش کرتا ہے۔

بچہ اب صرف چلنا ہی نہیں چاہتا بلکہ دور تک اور بہت دیر تک چلنا چاہتا ہے اور اب وہ صرف چیزوں کو اٹھانا ہی نہیں چاہتا بلکہ بہت بھاری چیزوں کو اٹھانا چاہتا ہے۔
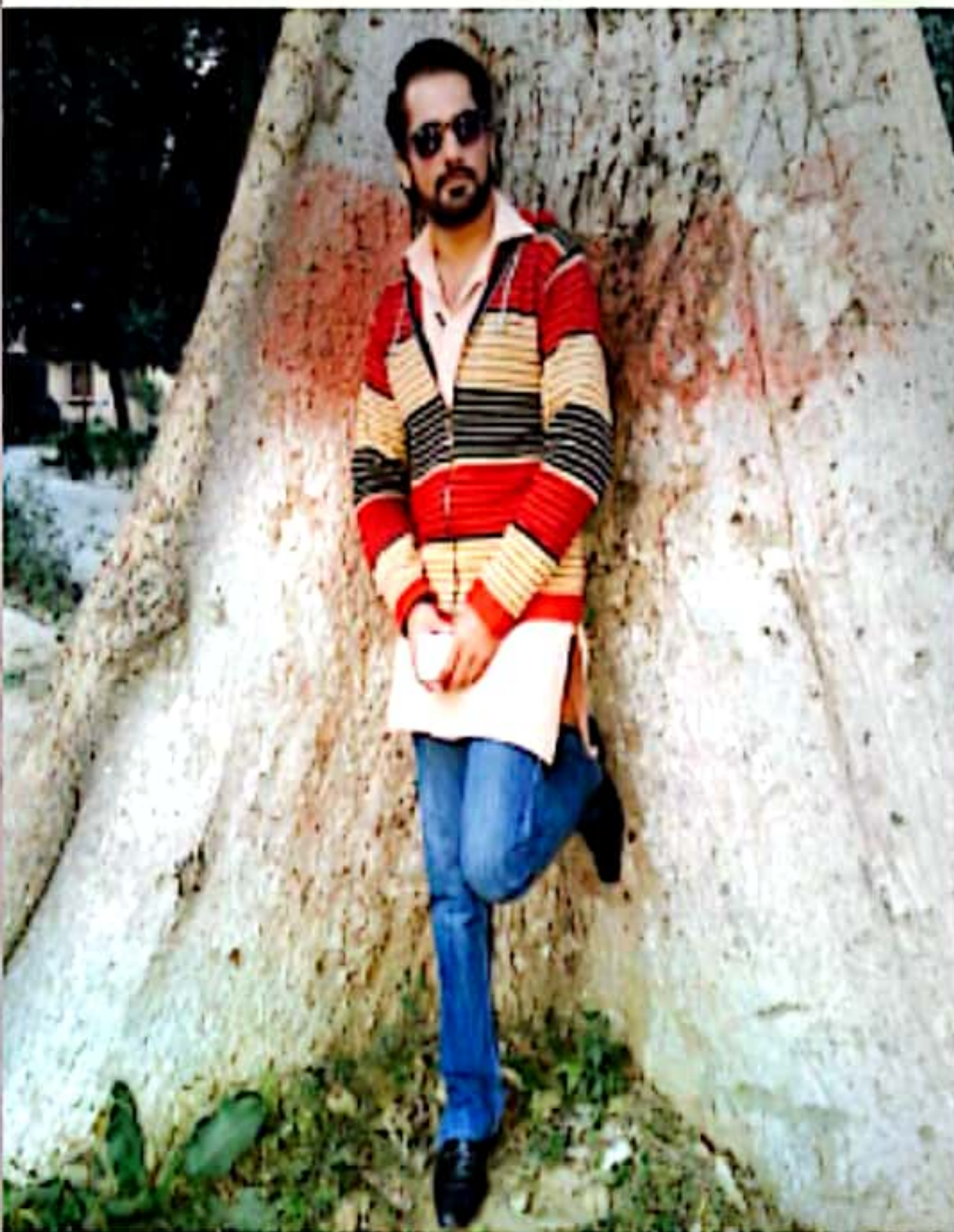
بچّہ کی زندگی کے تین دور

بچہ قدرت کا ایک رازِ سربستہ ہے اور جیسے جیسے وہ بڑھتا جاتا ہے اُس کے راز فاش ہوتے جاتے ہیں۔

بچہ قدرتی ماحول میں پیدا نہیں ہوتا بلکہ انسان کے مہذب ماحول میں پیدا ہوتا ہے۔ یہ والدین اور مدرسین کا فرض ہے کہ وہ اِس نومولود کو ماحول سے مطابقت پیدا کرنے کے قابل بنائیں۔

پہلا دور پیدائش سے چھ سال تک

یہ پہلا دور پیدائش سے چھ سال تک تخلیق کا ہے۔ یہ زندگی کا اہم ترین زمانہ ہے۔ اور اسی زمانہ میں کیریکٹر بنتا یا بگڑتا ہے۔ بچہ میں صحیح اور غلط کا احساس ہوتا ہے، لہٰذا قدرت خود کیریکٹر کے بننے کی بنیاد رکھتی ہے

بچہ پیدائش کے وقت
بچہ تین برس میں
بچہ نو برس میں

دوسرا دور ۱۲ - ۶ برس کے زمانے میں بچہ صحیح اور غلط میں امتیاز کرنے لگتا ہے۔ اخلاقی ضمیر اس عمر میں بیدار ہوتا ہے اور اسی سے سماجی احساس پیدا ہوتا ہے۔

تیسرا دور۔ بارہ سے اٹھارہ سال کے زمانے میں ملک سے محبت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور قومیت کا احساس پیدا ہوتا ہے۔

ہر زمانہ کی ضرورتیں علیحدہ ہیں۔ لیکن ایک زمانہ میں جتنی اچھی طرح کریکٹر بنے گا اُس کا اتنا ہی اثر دوسرے زمانے میں پڑے گا۔ جھانجھا ہی سے تتلی بنتی ہے۔

کچھ بچہ کے بڑھنے کا طریق کار حمل پر موقوف ہے۔ پھر اُس کے بعد دوران حمل میں ماں کے حالات اور اُس کے جذبات پر بچہ کے نشو و نما کا اثر پڑتا ہے۔ اگر حالات سازگار رہوں تو بچہ تندرست پیدا ہوتا ہے۔

پہلے تین سال میں بچہ ایسے اثرات قبول کرتا ہے کہ اُس کی زندگی ہی بدل جاتی ہے۔ اگر وہ زخمی ہو جائے یا کوئی صدمہ پہنچے یا سخت رکاوٹیں ہوں تو اُس کی شخصیت میں کج روی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کے یہ معنی ہوئے کہ بچے کے کریکٹر کی نشو و نما رکاوٹوں اور آزادی کی مناسبت سے ہوتی ہے۔

پیدائش سے تین سال کی عمر تک اگر کوئی غلطیاں ہوئی ہیں اور خامیاں پیدا ہو گئی ہیں تو تین سے چھ برس کی عمر تک اُن کی ایک حد تک تلافی ہو سکتی ہے کیونکہ ابھی عادتیں پختہ نہیں ہوتیں۔

ان تمام خامیوں کا مضر اثر ذہنی زندگی پر پڑتا ہے۔
اگر بچپن کے حالات موافق مرام نہوں تو بچوں کو سیکھنے میں دقت ہوتی ہے۔ بچہ کا کریکٹر اگر بگڑ گیا ہے تو وہ تعلیم نہیں حاصل کر سکتا۔ اس نقص سے اور دوسری خرابیاں ہو جائنگی اور اُس کی تمام عمر تباہ و برباد ہو جائے گی۔ مزا یہ کہ یہ بچہ کا قصور نہیں بلکہ بڑوں کا قصور ہے اور بھگتنا پڑتا ہے معصوم بے گناہ بچے کو۔ نزلہ بر اعضائے ضعیف اسی کو کہتے ہیں۔

پیدائش کے وقت بچہ

پیدائش کے وقت بچہ فقط ایک گوشت کا لوتھڑا ہوتا ہے۔ بے بس اور بے کس ایک لرزتی ہوئی آواز جو کبھی کسی نے نہیں سنی ایک ایسے حلق سے نکلتی ہے جس سے پہلے کبھی کسی قسم کی آواز نہیں نکلی تھی۔ آنکھ جس نے کبھی روشنی نہیں دیکھی تھی، کان جس نے کبھی آواز نہیں سنی۔ پھیپھڑے جنھوں نے کبھی سانس نہیں لی۔ جو خود کچھ نہیں کھاتا تھا بلکہ دوسرے اس کو نشو و نما اور بقا کے لئے کھاتے تھے۔ بچہ اندھیرے اور خاموشی سے دنیا میں آتا ہے، لہذا ضرورت ہے کہ اندھیرا اور خاموشی اس کے سکون کے لئے مہیا کی جائیں۔ ایک خاموش کونا اور فانوسی روشنی فراہم کی جائے۔ جہاں تک ممکن ہو

بچّہ کو چھوا نہ جائے۔ خصوصاً ننگے ہاتھ نہ لگائے جائیں۔ جس طرح بیمار کو بغل میں ہاتھ دے کر اٹھاتے بٹھاتے ہیں اسی طرح بچّہ کو بھی اٹھایا جائے۔ بعض وقت پیدائش کے وقت بچّہ کی سانس رُک سی جاتی ہے۔ ہوشیار نرس یا ڈاکٹر عارضی تنفس سے اُس میں سانس واپس لاتے ہیں۔ بچّہ کا سر بہت نرم اور نازک ہوتا ہے۔ وہ ایک ہی کروٹ پڑے پڑے اکثر بگڑ جاتا ہے لہذا بچّہ کو تھوڑی تھوڑی دیر میں کروٹ بدلواتے رہنا چاہیئے۔

بچّہ ماں کے پیٹ میں آرام لیتا رہا اور اب اُس کو تمام فرائض منصبی پورے کرنے ہیں۔ وہ یقیناً تکان محسوس کرے گا۔ وہ ابھی ابھی اپنی کوشش اور محنت سے پیدا ہوا ہے وہ ایک جاتری کی طرح ہے جو دور دراز سفر کا ماندہ اور زخمی آتا ہے ہم اُس کا سواگت کیسے کرتے ہیں، اُس کی زندگی کی ضرورتوں کو فراہم کرنے کی کیا تدبیریں کرتے ہیں؟

پیدا ہونے سے پیشتر اُس کو کسی نے ہاتھ نہیں لگایا تھا لیکن اب سخت اور کھردرے ہاتھ اُس کو چھوتے ہیں۔ کپڑے پہنائے جاتے ہیں۔ بستر پر لیٹایا جاتا ہے۔ ہونا تو یہ چاہیئے کہ پہلے مہینہ میں بچّہ کو کپڑے ہی نہ پہنائے جائیں۔ بچّہ کے سینے کے مقام کو ایک خاص ٹمپریچر پر گرم رکھا جاوے۔ کپڑے بدن کی گرمی کو رطوبت خارج کرنے سے روکتے ہیں۔ کپڑوں کو خراب ہونے سے بچانے کے لئے واٹر پروف بچّے کے نیچے

بچھا دیتے ہیں۔ واٹر پروف سے بدن رگڑتے رہنے سے جو بیماریاں پیدا ہوتی ہیں اُن کے ذمہ دار والدین خود ہوتے ہیں

بچے بچہ میں پہلا عضو جو پیدا ہوتا ہے دل ہے اور زندگی کی آخری سانس تک دل برابر اپنا کام کرتا رہتا ہے۔ جبلتیں پیدا ہونے کے بعد ظہور میں آتی ہیں وہ پہلے سے بچے میں موجود نہیں ہوتیں۔

حواس خمسہ پیدائش ہی سے اپنا کام کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ ان پر ضرورت سے زیادہ بار پڑتا ہے۔ ان ہی کے ذریعہ بچہ سیکھتا ہے۔

۱/۲ ابرس کا بچہ

۱/۲ ابرس کی عمر بچہ کے لئے بڑے جدو جہد اور تعمیری کام کی ہوتی ہے۔ اس عمر میں بچہ نقل شروع کرتا ہے۔ نقل کرنے سے پہلے بچہ حرکات کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ روح کو بیدار کئے جانے کی ضرورت ہے پہلے سے تیاری کی ضرورت ہے زمین تیار کرنے اور ہموار کرنے کی ضرورت ہے۔ صرف بہادروں کی کہانیاں سن کر بچہ بہادر نہیں بن جاتا۔ بچہ فلاسفر حکما کے قصّے سن کر نہیں بن جاتا۔ ولیوں اور اللہ والوں کی باتیں اُس کو پاکباز، زاہد نہیں بنا دیتیں۔ کوئی آج تک

صرف نقل سے بڑا آدمی نہیں بن گیا۔ دیرپا تربیت کی ضرورت ہے

۱½ برس کی عمر کا بچہ کچھ کرنا چاہتا ہے۔ گو ہمارے سمجھ میں نہ آئے کہ وہ کیا کرنا چاہتا ہے اور گو اُس کے کام ہمیں فضول اور احمقانہ نظر آئیں۔

اگر ہم اُس کی مصروفیت کے عرصہ تکمیل میں مخل ہوئے تو اُس کی شخصیت اور انفرادیت متاثر ہوگی۔ اُس میں انحراف اور کج روی پیدا ہو جائے گی۔ اُس کی زندگی بے مقصد ہو جائے گی۔ اور اُس کو پیش و پس کی چیزوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہوگی۔ اس واسطے یہ ضروری ہے کہ اس مصروفیت کے عرصہ تکمیل کو اپنے مقررہ راستہ پر چلنے دیا جائے۔

دو برس سے کم عمر کے بچے اپنی استطاعت سے زیادہ وزنی چیزیں لے کر چلنا چاہتے ہیں۔ وہ چیزوں کو اٹھاتے رکھتے رہتے ہیں یہاں تک کہ بالکل تھک جاتے ہیں۔ بچوں کی مدد بڑے کرنا چاہتے ہیں لیکن یہ مدد اُن کے حق میں نفسیاتی طور پر بہت مضر ثابت ہوتی ہے بہت سے بچوں کی اعصابی بیماریاں اس دخل اندازی کا نتیجہ ہوتی ہیں۔

بچہ سیڑھیوں پر مسلسل چڑھتا اُترتا رہتا ہے۔ وہ بھیل بنڈے پر پھسلنے میں اتنی مسرت محسوس نہیں کرتا جتنی بھیل بنڈے کے اوپر چڑھنے میں۔ بھیل بنڈے پر چڑھنے میں جو مشقت اور محنت اُس کو اٹھانی پڑتی ہے اُس مشکل میں سے گزرنے میں اُس کو لطف آتا ہے۔

اس قسم کی مشق سے بچّہ کو اپنے حرکات کو ہم آہنگ کرنے میں سہولت ہوتی ہے۔ بچّہ جو کچھ کرتا ہے داخلی تحریک اور تشویش کی طاقت سے کرتا ہے۔ جب اس کا ماحول اس میں تخلیقی تحریک پیدا کرتا ہے تو وہ بڑوں کی نقل کرتا ہے۔ وہ گھر میں بڑوں کو جھاڑو دیتے دیکھتا ہے تو خود بھی جھاڑو دینے لگتا ہے۔ ماں باپ کو پڑھتے لکھتے دیکھتا ہے تو خود بھی کتاب لے کر پڑھنے لگتا ہے۔ ۱½ برس کی عمر کا بچّہ وزنی چیز اٹھا کر لے جانا چاہتا ہے۔ اب ہاتھ اور پیر کے درمیان تعلق شروع ہوتا ہے

بچّہ دو برس کی عمر میں

دو برس کے بچّہ کا قد ۳۰ اور ۳۷ انچ تک لمبا ہوتا ہے اور ۲۱ اور ۳۱ پاونڈ تک وزن ہوتا ہے۔

اس عمر میں بنیادی لغادی توازن چلنے، پکڑنے اور چڑھنے اترنے میں قائم ہو چکتا ہے اور دو برس کا بچّہ آسانی سے ادھر ادھر پھرتا ہے۔ وہ بدھا چلتا ہے اکثر ڈگمگا جاتا ہے اور گر پڑتا ہے۔ وہ ایک پیر پر مشکل سے کھڑا ہو سکتا ہے۔ وہ سیڑھیاں چڑھتے وقت ہر سیڑھی پر دونوں پیر رکھتا ہے۔ پھر دوسری سیڑھی پر پیر رکھنے کے لئے اٹھاتا ہے۔ وہ جھولتے وقت اپنے توازن کو قائم رکھ سکتا ہے۔ اور لڑھکتی ہوئی

خاصی بڑی گیند کو پکڑ سکتا ہے۔

دو برس کا بچہ چاق و چوبند ہوتا ہے لیکن اُس کے حرکات میں ہڑبڑاہٹ اور گڑبڑ نہیں ہوتی ــ ایک سکونی کیفیت ہوتی ہے۔

ہاتھوں کی مہارت جلد جلد بڑھتی ہے۔ دو برس کا بچہ چاک اور پنسل لے کر لکیریں بنا سکتا ہے۔ چار پانچ بلاکس ایک کے اوپر ایک چن سکتا ہے۔ بورڈ میں پیگیں بٹھا سکتا ہے اور بڑے بڑے دانوں کو دھاگے میں پرو سکتا ہے۔

وہ کپڑوں کے بٹن کھول اور لگا سکتا ہے۔ اگر جوتے کے بند کھول دئیے جائیں تو وہ جوتا اُتار سکتا ہے۔

وہ اپنے ہاتھوں کو خود دھو سکتا ہے۔ پونچھ سکتا ہے

دو برس کے بچہ کا ذہن بیدار ہوتا ہے وہ چوکس رہتا ہے تجسس اُس کی فطرت ہے اور ہر چیز میں اُس کا دخل ہوتا ہے معمولی معمولی باتیں جو اُس سے کہی جاتی ہیں وہ سمجھتا ہے اور معمولی سوالوں کا جواب دے سکتا ہے۔ اُس کا ذخیرہ الفاظ تقریباً دو سو بہتر لفظ ہوتے ہیں۔ جملے چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں۔

اُس کی گفتگو محدود ہوتی ہے۔ اکثر اشیاء کے نام پوچھتا ہے۔ یہ کیا ہے؟ اُس کا دلپسند سوال ہے۔ وہ ہاں اور ناہیں جواب دیتا ہے۔

وہ چیزوں کے نام یعنی۔ اسم بولتا ہے۔ صفت

تقریباً بولنا ہی نہیں۔

وہ چیزوں کے قدو قامت کا اندازہ غلط لگاتا ہے۔ جانی پہچانی تصویروں کو دیکھ کر خصوصاً جانوروں کی وہ نام بتا سکتا ہے۔

اس عمر کا بچہ چیزوں کا احساس کرنا چاہتا ہے۔ وہ سختی نرمی، چکناہٹ، کھودراپن، گرمی اور سردی میں امتیاز کرنے کی مشق کرتا رہتا ہے۔ اس تلاش میں وہ چیزوں کو چھوتا رخسار پر ملتا، منہ میں رکھتا اور زبان سے چاٹتا ہے

وہ اس عمر میں رنگوں سے دلچسپی لیتا ہے اور چند رنگوں کے نام بھی بتا سکتا ہے۔ دو برس کا بچہ قصہ کہانیوں اور لوریوں میں دلچسپی لیتا ہے۔ اُس کو تصویروں سے عشق ہوتا ہے۔ وہ ایک ہی کہانی کو بار بار سننا چاہتا ہے۔ وہ الفاظ کی تکرار کو پسند کرتا ہے۔ کہانی میں کچھ کمی بیشی ہو جائے تو وہ فوراً بھانپ جاتا ہے۔ وہ اکثر ٹوک بھی دیتا ہے۔

دو برس کا بچہ گھر میں ایک سماجی طاقت ہے۔ مدرسہ میں وہ دوسرے بچوں کے جھمگھٹے میں رہنا چاہتا ہے۔ وہ اُن سے گلے ملتا ہے۔ لپٹتا چمٹتا ہے۔ ڈھکیلتا ہے گویا وہ بھی اُس کے کھلونے ہیں۔ اُن کی باتوں میں زیادہ دلچسپی نہیں لیتا۔ ریت کے ڈھیر میں ہر بچہ اپنے ہی کام میں مشغول رہتا ہے اُسے دوسرے کی پرواہ نہیں رہتی۔ وہ زیادہ ایک دوسرے سے بات چیت نہیں کرتے البتہ چھینا چھپٹی جاری رہتی ہے

جسمانی زیادتی چند ساعتوں میں ختم ہو جاتی ہے۔ دیرپا نہیں ہوتی۔ بعض وقت وہ لاتیں مارتے اور ایک دوسرے کے سر کے بال پکڑ کر گھسیٹتے ہیں۔

دو برس کا بچہ

وہ گڑیوں، دانوں، بلاکس اور کھلونوں میں زیادہ دلچسپی لیتے ہیں۔

اُس کا کھیل بہت سادہ ہوتا ہے۔ وہ انہیں چیزوں کی نقل کرتا ہے جن کو دیکھتا ہے۔

وہ اپنے کھلونوں کو ادھر سے اُدھر لئے پھرتا ہے۔ اُن پر ہاتھ پھیرتا ہے۔ اُن کو چمکارتا ہے۔ اُن کو گلے لگاتا ہے اور جب غصہ اور خفا ہوتا ہے تو پھینک دیتا ہے۔

اس عمر میں ہر لحظہ نہیں نہیں، سے اُس کو سامنا ہوتا ہے اُس کو روکا اور ٹوکا جاتا ہے۔ اُس کے کام میں بڑے مخل ہوتے ہیں جس سے وہ بھڑک جاتا ہے۔ وہ ناراض اور غصہ ہو کر مارتا ہے، کاٹتا ہے، زمین پر لوٹتا پھرتا ہے۔

بچہ دو سال کی عمر میں جب چلنے پھرنے لگتا ہے تو دوسروں کی نگرانی سے ایک حد تک گلو خلاصی حاصل کر لیتا ہے۔ اُس میں خود مختاری پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ اپنے پیروں پر کھڑا

ہونے لگتا ہے اور اپنا حق جتانے لگتا ہے۔ وہ پہلے پہل نہیں کہنا سیکھتا ہے۔ اور اس نہیں سے وہ اپنی شخصیت اور انفرادیت جتانا چاہتا ہے۔ اگر اُس پر جبر کیا جائے تو وہ عدم تشدد یستہ گرہ کرنا شروع کرتا ہے۔ خاموش بیٹھ جاتا ہے۔ نہ کھیلتا ہے نہ مُنہ بولتا ہے۔ زیادہ گڑ بڑ مچائی جائے تو رونا اور چیخنا شروع کر دیتا ہے۔

وہ اپنا ارادہ رکھتا ہے۔ اس موقع پر جبر و تشدد کی بجائے ہمدردی سے اُس کو سمجھانا چاہیے اور نہایت ہوشیاری سے اُس کی ہمت بڑھانا چاہیے۔ اُس کے ارادوں کو کچلنے سے بات اور بگڑ جائے گی۔

نہ ضرورت سے زیادہ للّو پتّو کی جائے اور نہ ضرورت سے زیادہ سختی۔ نہ ہر بات میں اُس کی مدد کی جائے اور نہ بات بات میں اُس کی مخالفت کی جائے۔

وہ چھوٹے چھوٹے کام خود کرنا چاہے گا۔ چیزوں کو اٹھائے گا رکھیگا۔ وہ اپنی اہمیت جتانے کی خاطر ماں کے کام کاج میں ہاتھ بٹانا چاہے گا۔

ماں کو صبر سے کام لینا چاہیئے اور بچہ جو کام کرنا چاہتا ہے کرنے دینا چاہیئے۔ وہ اپنے کام کی کامیابی اور ناکامی کے نتائج دیکھنے کو بیقرار رہے۔ اس سے وہ تجربہ حاصل کرے گا اور انہی تجربوں پر اُس کی آیندہ کی زندگی کی کامیابی اور ناکامی کا انحصار ہے۔

اِس عمر میں بچہ بجائے پڑے پڑے سونے کے تقریباً تمام دن جاگتا

رہتا ہے۔ وہ تمام گھر میں پھرتا ہے۔ چیزوں کو سر پہ اٹھاتا ہے سیڑھیوں پر گر گر جاتا ہے۔ اپنی انگلیوں کو جلاتا ہے۔ ایک نہیں ہزار مشکلات کا شکار ہوتا ہے۔ اُس کی ہر وقت دیکھ بھال کی ضرورت ہے۔ اگر بڑے بچے اور موجود ہیں تو وہ اُن کی نگرانی اور دیکھ بھال کریں گے۔

دوسرا سال شروع ہوتے ہی دوسرے بچّوں کے ساتھ کھیلنا اور اٹھنا بیٹھنا اُس کی صحت بخش نمو اور نشو و نما کے لئے بہت ضروری ہے۔

دو برس کا بچّہ چلنے لگتا ہے۔ وہ دو تین میل چل سکتا ہے۔ وہ چڑھنے اترنے لگتا ہے۔ اصل میں ہم یہ احمقانہ کوشش کرتے ہیں کہ بچّہ ہمارے قدم سے قدم ملا کر چلے۔ ظاہر ہے کہ اگر ہم گھوڑے کے قدم سے قدم ملا کر چلیں تو بہت جلد تھک جائینگے۔ ہمارا دم ٹوٹ جائے گا۔ اور پیچھے رہ جائینگے۔ لہٰذا چلنے میں ہمیں بچّہ کے قدم سے قدم ملا کر چلنا چاہیئے۔

بچّہ اپنے نشو و نما کے خاص قوانین رکھتا ہے۔ اگر ہم اُس کی واقعی مدد کرنی چاہتے ہیں تو ان قوانین قدرت کی پیروی کی جائے ورنہ ہم اُن کی مدد نہیں کر سکیں گے ہمیں اپنے ایجاد کردہ قوانین اُس پر کسی حال میں نہیں ٹھونسنا اور ٹھو پنا چاہیئے۔

اب بچّہ اطراف و اکناف کے لوگوں کو کام کرتے دیکھتا ہے اور اُن کی نقل کرنے لگتا ہے۔ وہ کسی کے کہنے سے نقل نہیں کرتا بلکہ نقل کرنے کی جبلّت اُس میں موجود ہے۔ یہ سکھانے کا حربہ

فطرت کا عطیہ ہے، اور جب وہ نقل میں مشاق ہو جاتا ہے تو خود کام کرنے لگتا ہے۔

تین برس کا بچّہ

تین سال کے بچے کا قد ۳۲ سے ۴۰ انچ تک ہوتا ہے۔ اور وزن ۲۵ پونڈ سے ۳۶ پونڈ تک۔ اب اُس کو اپنے اعضاء پر خاصا قابو حاصل ہو جاتا ہے۔ اور وہ سیڑھیوں پر بغیر سہارے کے چڑھ اتر سکتا ہے اور بڑوں کی طرح ایک کے بعد دوسرے زینہ پر قدم رکھتا ہے۔ وہ ایک پیر پر کھڑا ہو سکتا ہے۔ آسانی سے چڑھتا ہے، اور تھوڑا تھوڑا کود سکتا ہے، اور اب چاک اور پنسل کا آسانی سے استعمال کرتا ہے۔ اور کراس اور سرکل بنا سکتا ہے وہ بلاکس کو ایک کے اوپر ایک رکھ کر ایک اونچا مینارہ بنا سکتا ہے۔ ٹوٹنے والی چیزیں ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جا سکتا ہے اگر پانی، دودھ جیسی رقیق چیزوں کو گرا دے تو اُن کو پونچھ سکتا ہے۔

اب وہ اپنے کپڑوں کے پہننے اور اتارنے کے قابل ہوتا ہے۔ اور خود بٹن لگا اور کھول سکتا ہے۔ ذرا سی مدد سے جوتے کے بند باندھ سکتا اور کھول سکتا ہے۔ اگر سکھایا جائے تو وہ فوراً ہاتھ منہ دھو سکتا ہے۔ بال بنا سکتا ہے اور دانت مانجھ سکتا ہے اُس کا ذخیرہ الفاظ اب نو سو الفاظ پر ہو جاتا ہے۔

وہ اب بڑے جملے استعمال کرنے لگتا ہے۔ اب وہ صفت اور فعل کو بھی استعمال کرنے لگتا ہے۔ اُس کا تلفظ اب صاف ہو چلتا ہے۔ اُس کی معلومات کا ذخیرہ اب پہلے سے زیادہ ہو جاتا ہے، اب وہ اپنی جنس کو جان جاتا ہے۔ اپنے نام کو پہچانتا ہے اور اپنے گھر کا پتہ بتا سکتا ہے۔ وہ اپنے ہم عمروں میں دلچسپی لیتا ہے۔

اب وہ آپس میں باتیں کرتے ہیں۔ تبادلہ خیالات کرتے ہیں۔ اور باقاعدہ بحث و مباحثہ کرتے ہیں۔ تربیت کی جائے تو وہ اپنے فرائض اور حقوق کو تھوڑا تھوڑا سمجھنے لگتے ہیں اور اپنے نمبر آنے کا انتظار کرتے ہیں۔

اُن کے کھیلوں میں ڈرامائیت، اور تصوریت کا عنصر شامل ہو جاتا ہے۔ تین برس کے بچے گھر، اسٹور، ڈاکٹر اور پولیس مین کا کھیل کھیلتے ہیں۔ کچھ بچے کھیل سے جلد تھک جاتے ہیں اور کھیل چھوڑ کر چلتے پھرتے نظر آتے ہیں کچھ زیادہ دیر تک کھیلتے رہتے ہیں۔ ان کھیلوں سے لیڈر شپ جنم لیتی ہے۔

تین برس کے بچے کی جذباتی زندگی زیادہ، اچھی اچھی سی ہو جاتی ہے۔ وہ اکثر لڑتے رہتے ہیں۔ اس عمر میں وہ زیادہ ڈرتے ہیں خصوصاً کتوں، اندھیرے، طوفان اور اجنبی سے، لڑکیاں اجنبی سے زیادہ ڈرتی ہیں اور لڑکے طوفان سے۔ اس زمانہ سے وہ "نہیں" سیکھتا ہے اور بڑوں کے خلاف اپنی انفرادیت کا علم بلند کرتا ہے۔ کھانے اور نیند میں مشکلات پیدا ہوتی ہیں۔

تین برس کی عمر میں بچہ میں شعور بیدار ہونے لگتا ہے۔ اس سے پیشتر کی اُسے کوئی بات یاد نہیں رہتی۔ اب اُس میں اپنے بچاؤ کی قوتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ وہ اگر بڑوں کی کوئی بات پسند نہ کرے تو الفاظ میں اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کر سکتا ہے وہ بھاگ جا سکتا ہے۔ وہ مچلتا اور غصہ ہوتا ہے۔

تین سے چھ تک وہ اپنے ماحول کو خود بنٹ سکتا ہے۔ ارادتاً شعوری طور پر۔ اب تعمیری زمانہ شروع ہوتا ہے۔

اس نشوونما کے لئے اُس کو کام کرنا ہے۔ ذہن کی رہبری میں اب اس کے ہاتھ کام کرنے لگتے ہیں۔ اب تک وہ صرف چیزوں کو دیکھ رہا تھا۔ اُن پر غور کر رہا تھا لیکن اب وہ خود چیزیں بنانا شروع کرتا ہے۔ اب اس میں "میں" جاگ جاتا ہے۔

زبان پر اب وہ قابو پاتا جاتا ہے۔ گو زبان کا ارتقا پانچ چھ برس کی عمر تک ہوتا ہے۔ اب وہ الفاظ کا ذخیرہ جمع کرتا ہے جذب کرنے کا عمل اب بھی جاری ہے لیکن اب جذب کرنے کے عمل کو فعلی تجربہ کی مدد مل رہی ہے۔

پہلے وہ دیکھ کر تجربہ حاصل کرتا تھا اب وہ چھونے کی طاقت رکھتا ہے۔ پہلے آنکھیں معلومات حاصل کرنے کا ذریعہ تھیں اور اب ہاتھ بھی تجربے کر رہا ہے۔ اب وہ چیزوں کو علٰحدہ علٰحدہ کرتا ہے وہ ہر وقت کچھ نہ کچھ کرتا نظر آتا ہے۔ جب تک وہ کام میں مشغول رہتا ہے۔ مگن رہتا ہے محو رہتا ہے۔

بچہ صرف ٹانگوں سے نہیں چلتا بلکہ وہ اپنی آنکھوں سے بھی

چلتا ہے۔ وہ دلچسپ چیزیں دیکھتا ہے اور وہ اُس کو آگے بڑھنے اور چلنے پر اکساتی ہیں۔ ہر قدم پر اُس کو دلچسپ چیزیں نظر آتی ہیں۔ وہ بکری کو چرتے دیکھتا ہے۔ وہ اُس کے قریب بیٹھ کر اُس کو غور سے دیکھ رہا تھا کہ ایک چھوٹے سے پودے پر پھول ڈالیوں پر جھولتا نظر آیا۔ اب وہ اُس پھول کی طرف چل دیا۔ پھول کو توڑا سونگھا، اب ایک کیڑے رینگتا نظر آیا۔ وہ اُس کیڑے کے پیچھے چل دیا۔ اس طرح وہ میلوں پھرتا ہے۔ وہ چلتا ہے، ٹھہرتا ہے، ستاتا ہے۔ اس چلنے پھرنے کے دوران میں وہ نہایت دلچسپ نئی نئی معلومات حاصل کرتا ہے۔ اگر اس کے راستہ میں کچھ رکاوٹیں ہوتی ہیں مثلاً پتھر یا درخت کے ٹوٹے تنے وغیرہ تو اُن کو عبور کرنے میں اس کو مسرت ہوتی ہے۔ پانی سے اُسکو عشق ہوتا ہے۔ چشمہ کے کنارے بیٹھے ہوئے وہ تالیاں بجاتا اور گنگناتا ہے۔ پانی، پانی،

بچہ جو چلتا ہے کھوجی ہے۔ معلم کا کام فقط یہ ہے کہ چیزوں سے ذہنی دلچسپی پیدا کرائے۔

بچہ جو چہل قدمی کرتا ہے۔ سانس لیتا ہے۔ ہضم اچھی طرح کرسکتا ہے۔ صحت کی نعمتوں سے فیضیاب ہوتا ہے۔

چہل قدمی وہ ورزش ہے جو جسم کو حسن بخشتی ہے۔ اور اگر چہل قدمی کے دوران میں ہم دلچسپ چیزوں کو بھی جمع کرتے جائیں اگر ہمیں کوئی نالی کودنا پڑے، تو اور بھی اچھی جمناسٹک ہو جاتی ہے۔

اس طرح بچہ زیادہ سے زیادہ دائرہ میں چلتا پھرتا ہے۔ اُس کی معلومات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جاتا ہے

تیسرے سال سے بچہ قطعی کسی قسم کی مدد کو پسند نہیں کرتا۔ وہ ناکامی اور مذاق اڑائے جانے کو محسوس کرتا ہے۔ بچے کو جو کام دیئے جائیں وہ اُس کی عمر اور صلاحیتوں کے موافق ہوں، اُس پر ضرورت سے زیادہ بوجھ نہیں لادنا چاہیئے۔ اگر کام پیچیدہ ہوا اور اُس کی سمجھ میں نہیں آیا تو وہ بددل ہو جائے گا۔ اُس کو کام سے نفرت پیدا ہو جائے گی، بجائے تعمیری قوتوں کو کام میں لانے کے وہ تخریبی حرکتیں کرنے لگے گا۔ وہ جو گھروندے بناتا ہو گا توڑ ڈالے گا۔ جو کچھ لکھا ہو گا مٹا دے گا۔

اس عمر میں نازک کام کرنے کے وہ قابل نہیں ہوتا۔ انگلیوں کی بجائے پورے بازو سے وہ لکھتا ہے اور بورڈ پر تصویریں بناتا ہے اگر تم اُس کا کام کرنے لگو تو پھر وہ سب کام تم ہی پر چھوڑ دیتا ہے، اور دل میں کہتا ہے کہ اچھا اب تم ہی سب کام کرلو میں کام کرتا ہی نہیں۔ بڑے ہونے پر بھی پھر وہ خود کوئی کام نہیں کرتا اور ہر کام میں ماں باپ یا نوکر چاکر کی مدد درکار ہوتی ہے۔ اس رویہ سے نہ صرف ماں باپ اور گھر والوں کو تکلیف ہوتی ہے بلکہ بچہ عمر بھر کو برباد ہو جاتا ہے۔

تیسرے اور چوتھے سال میں زائد توانائی ہوتی ہے۔ جب نارمل طور پر بچہ جسمانی پھرتی کا اظہار کرتا ہے۔ وہ ہر لمحہ کچھ نہ کچھ کرتے رہنا چاہتا ہے۔ ایک ساعت بھی خاموش نہیں بیٹھ سکتا۔ خاموش بیٹھنا اُس کے لئے دوبھر ہے۔ وہ ایک کام میں دلچسپی سے توجہ بھی زیادہ دیر تک نہیں دے سکتا۔ وہ ہر وقت بے چین بے چین سا رہتا ہے

چار برس کا بچّہ

چار برس کے بچّہ کا قد ۳۵ سے ۴۳.۳ انچ تک ہوتا ہے۔ اور وزن ۲۹ پونڈ سے ۴۱ پونڈ تک۔

وہ نہایت آسانی سے دوڑتا، کودتا اور چڑھتا اُترتا ہے۔

وہ ذرا سی نگرانی اور تربیت سے خود پیخانہ پیشاب سے فارغ ہو سکتا ہے اور دھو کر صاف کر سکتا ہے

اگر قینچی اُس کے ہاتھ میں دیدی جائے تو وہ ایک سیدھی لکیر پر کاغذ کاٹ سکتا ہے۔ اب وہ بلاکس سے گھر اور دوسری چیزیں بناتا ہے۔ ڈرائینگ میں بھی جانی پہچانی چیزوں کی تصویریں بنانے لگتا ہے۔ اُس کا خزانہ الفاظ اب ۱۵۰۰ الفاظ ہو جاتا ہے۔ دو برس کی عمر میں صرف وہ دو لفظی و سہ لفظی جملے استعمال کرتا تھا لیکن اب وہ چھ سے دس لفظی جملے بول سکتا ہے۔ پانچ برس کی عمر تک بچہ گفتگو کے اُن تمام طریقوں کو سیکھ جاتا ہے جو معمر لوگ استعمال کرتے ہیں۔

اب وہ خود بخود گروپ بناتے ہیں اور گروپ میں کھیلتے ہیں۔ اکیلا کھیلنا اب وہ چھوڑ دیتا ہے۔ اب وہ نیم سماجی آدمی ہے۔ وہ کھیل کے قوانین کی قدر کرتا ہے لیکن اب بھی اُس پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔ وہ کھیل کے قاعدے قانون کو اپنے مفاد میں بعض وقت بالائے طاق رکھ دیتا ہے۔ اور دھاندلی کرنے لگتا ہے۔ اب آپس میں جھگڑے اور فساد نسبتاً بہت کم ہو جاتے ہیں اور عموماً وہ قضیوں کو آپس ہی میں طے کر لیتا ہے۔ وہ گروپ کی خوشنودی کی زیادہ پرواہ کرتے ہیں۔ گروپ میں بعض وقت داخل ہونے سے روک دیتے ہیں۔

کھیل میں دیکھے ہوئے اور سنے ہوئے قصوں اور واقعات کو ڈرا مایا جاتا ہے۔

اب وہ اپنے کپڑوں کو خود ٹانگنا سیکھتا ہے۔ تہہ کرتا ہے کھلونوں کو کھیلنے کے بعد الماری یا کونے میں جما دیتا ہے مہذب جملے بولنے لگتا ہے مثلاً شکریہ، خدا حافظ، وغیرہ اور دوسروں کے کام یا کھیل میں کم سے کم دخل دیتا ہے۔

دستر خوان پر اب وہ کھانا نہیں بکھیرتا۔ خود کھاتا ہے اب اُس کے اعضا کے عضلات زیادہ مضبوط ہو جاتے ہیں۔ وہ ان پر زیادہ قابو پا جاتا ہے۔ انگلیوں کی مدد سے نئے نئے کام کرتا ہے۔ یہ کام اُس کو آئندہ کا آدمی بناتے ہیں۔ وہ اپنے خاص نمونے میں ڈھلتا جاتا ہے۔ اُس کے جذباتی

نمونے زیادہ انفرادیت اختیار کر لیتے ہیں۔ اُس کو کاموں میں دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے۔ سماجی لین دین شروع ہو جاتا ہے، عمر کے ساتھ ساتھ تجربے بڑھتے ہیں، کردار بنتا یا بگڑتا ہے جذبات اپنے اظہار کا رُخ اختیار کرتے ہیں۔

بچہ زبانِ حال سے کہتا ہے کہ میں اپنا کام خود کرنا چاہتا ہوں، براہ کرم میری مدد مت کیجئے۔ آپ صرف دیکھئے اور لطف اٹھائیے۔ مجھے میرے حال پر اکیلا چھوڑ دیجئے بچے بغیر تھکے ہوئے زیادہ دیر تک کام کر سکتے ہیں، بشرطیکہ اُن پر جبر نہ کیا جائے، اور اُن کو اپنے ماحول میں اپنی مرضی کے مطابق کام کرنے کے لئے آزاد چھوڑ دیا جائے۔ وہ آزاد فضا میں خوش و خرم رہتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنی چاہتے ہیں۔

بچے خاموش آتش فشاں کی طرح ہوتے ہیں بظاہر کوئی علامت نظر نہیں آتی لیکن اندر ہی اندر لاوا کھولتا رہتا ہے، اور وقتِ مقررہ پر پھٹ نکلتا ہے۔ ہمہ قسم کے مشاغل کے ظہور کے بعد یہ کام والدین اور معلمانہ کا ہے کہ وہ بچے کے فطرتی رجحان کا تعین کریں، اور اُس کی مصروفیتوں اور مشغولیتوں کے لئے ساز و سامان اور آلات مہیا کریں تاکہ وہ اپنی فطرتی دلچسپی اور رجحان کے مطابق کام میں مشغول اور منہمک رہے، اور اُس کام کے ذریعہ اپنے معلومات اور علم میں اضافہ کرتا رہے، ہمارا کام یہ ہے کہ بچہ کے فطرتی

نشو و نما کے راستہ سے رکاوٹیں دور کر دی جائیں۔ اُس کو موافق مرام ماحول فراہم کیا جائے۔ بچوں کے مشغلوں اور مصروفیتوں کو اپنا رہنما اور رہبر بنایا جائے۔

اِس منزل میں بچہ صرف عمل سے سیکھ سکتا ہے۔ بچہ نہ صرف دلچسپ کام دیکھنا چاہتا ہے۔ بلکہ یہ بھی جاننا ہے کہ وہ کام کیسے کیا جاتا ہے۔ وہ کام کی درستی اور صحت پر توجہ کرتا ہے اور اُس میں اُس کے لئے کشش ہے اور وہ اُس کو کام میں مشغول رکھتی ہے۔

بچہ کی جبلت اُس کے حرکات میں ہم آہنگی پیدا کرتی ہے اور اُس کو قابو میں لاتی ہے۔ بچہ جب کسی چیز کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو وہ اُس کام کی تکرار پر تکرار کرتا ہے۔ تکرار سے وہ اپنے عضلہ کے درمیان تازہ ہم آہنگی پیدا کرتا ہے بچہ کلچر کو بہت چھوٹی سی عمر میں حاصل کرتا ہے، اُس کے کلچر اور علم حاصل کرنے کا طریقہ مشغلے ہیں، اور مشغلوں کے لئے آزاد حرکت کی ضرورت ہے۔ اُس کو اپنے آپ کو ظاہر کرنے کے لئے کسی نہ کسی کام کی ضرورت ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ یہ کام خود بخود بلا جبر و اکراہ ہو۔

بچے، جن چیزوں سے واقف ہوتے ہیں اُن سے زیادہ دلچسپی لیتے ہیں۔ اُن پر وہ آسانی سے توجہ مرکوز کر سکتے ہیں بچہ صرف مادی چیزیں نہیں دیکھتا، بلکہ جن چیزوں کا وجود نہیں ہوتا وہ بھی دیکھتا ہے۔ اُس کا تخیل بہت تیز ہوتا ہے

وہ تصور کی آنکھ سے دیکھتا ہے۔ اسی واسطے دنیا بھر کے بچوں کو اس عمر میں پریوں کی کہانیاں، سنائی جاتی ہیں، جن کو بچے بڑی دلچسپی اور توجہ سے سنتے ہیں۔ اس عمر کا بچہ زیادہ وضاحتیں نہیں سمجھ سکتا۔

چار برس کا بچہ اکثر ماں باپ کی مرضی اور احکامات کے خلاف کرتا ہے۔ وہ اپنے ارادوں کو دوسروں پر مسلط کرنا چاہتا ہے۔ بچہ اب بھی اپنے آپ کو کمزور اور بے بس تصور کرتا ہے، لیکن رفتہ رفتہ وہ طاقت حاصل کرنے کے ذریعے اور موقعے ڈھونڈتا ہے۔ وہ بہت جلد ہمت ہار بیٹھتا ہے تنقید کو برداشت نہیں کر سکتا، اپنی برائی نہیں سن سکتا۔ اس کو سخت ناگوار گزرتا ہے اگر اس کے سامنے کسی دوسرے بچے کی تعریف کی جائے۔ اگر ماں باپ مذاق اڑائیں تو اس کو بہت صدمہ ہوتا ہے۔

بچہ ۲ سال سے ۴ سال تک

دو سال سے چار سال تک بچہ کی جسمانی اور دماغی قوتیں تیزی سے ترقی کرتی رہتی ہیں۔ آئے دن وہ نت نئے تجربے کرتا رہتا ہے۔ بچہ ان سے اپنی ذہنی اور جسمانی استعداد کے مطابق اثر لیتا ہے۔ اس تار و پود سے بچہ اپنی شخصیت سے

لباس کو بنتا ہے۔ اس زمانہ میں اُس کی خبرگیری کرنے والی اور اُس کی ضرورتوں کو بہم پہنچانے والی ہستی ماں ہوتی ہے وہ اُس کو ہر وقت دیکھتا ہے۔ اُس کی لوریاں سنتا ہے۔ اُس کے پیار سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ وہ اُس کی حرکات و سکنات کو غور سے دیکھتا رہتا ہے۔

ماحول۔ خارجی اور داخلی عوامل بچے کی شخصیت کی تعمیر کرتے ہیں۔ سب سے پہلے بچہ اپنے گھریلو ماحول سے متعارف ہوتا ہے۔ پرسکون اور خوشگوار ماحول کا اثر یہ ہوتا ہے کہ بچہ سلیم الطبع، متحمل اور مہذب بنتا جاتا ہے، اور جو گھر جہنم کا نمونہ ہوتے ہیں، جہاں رات دن جوتیوں میں دال بٹتی ہے، اور لڑائی جھگڑے اور ٹنٹے بکھیڑے ہوتے رہتے ہیں، وہاں کے بچے ضدی، لاپرواہ اور بدتمیز نکلتے ہیں بچے والدین اور گھر والوں کی زندگی کا بغور مطالعہ کرتے ہیں۔ اگر بچے کو با اخلاق اور مہذب بنانا مقصود ہو تو خلوت و جلوت میں بڑے بھی مہذب اور شائستہ بنیں، ورنہ، خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑے گا اور جس رنگ میں سارا گھر رنگا ہوا ہے بچہ بھی اُسی رنگ میں رنگ جائے گا۔

صحبت کا اثر بھی بچہ پر بہت پڑتا ہے اور آگے چل کر وہ اپنے عزیزاپنے ہمسایہ اور اپنے ہم جماعت بچوں سے سیکھتا ہے

عادتیں :۔

بچہ کی عادتیں آگے چل کر اُس کی شخصیت کی اجزاے

ترکیبی بن جاتی ہیں۔

ضد۔ ایک قبیح اور مذموم عادت ہے۔

ضد سخت پابندیوں کی وجہ سے بھی پیدا ہوتی ہے۔ بچہ آزادی چاہتا ہے، اور جب حسب دلخواہ آزادی اُس کو نہیں ملتی تو وہ بغاوت کرتا ہے۔

بے جا لاڑ و پیار سے بھی ضد پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ خودسر بن جاتا ہے۔

حسد اور احساس کمتری

حسد تفریق کا نتیجہ ہوتا ہے۔ ایک بچّہ کے ساتھ زیادہ لاڑ و پیار کیا جائے اور دوسرے کو نسبتاً کم پوچھا جائے۔ اُس کا دل نہ رکھا جائے۔ اُس کی ضروریات سے لاپرواہی برتی جائے تو بچہ میں نہ صرف حسد پیدا ہو جاتا ہے بلکہ بسا اوقات اُس میں احساس کمتری بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ اُس کی خودداری خوداعتمادی کو دھچکا لگتا ہے۔ اُس کی قوت ارادی کی چولیں ڈھیلی پڑ جاتی ہیں اور اکثر جسمانی اور ذہنی اعتبار سے بالکل مفلوج ہو جاتے ہے۔

جستجو:۔

بچہ میں تجسس اور تحقیق کا بھی مادہ ہوتا ہے۔ وہ چیزوں کو دیکھتا، اُٹھاتا، سونگھتا، چکھتا ہے۔ اور اُن کی آوازیں سنکر

وہ اُن کو توڑ کر اُن کی بناوٹ کو سمجھنا چاہتا ہے۔ جاہل ماں اور جابر باپ اُس کی اِن معصوم حرکتوں پر سزا دیتے ہیں۔ وہ سہم کر رہ جاتا ہے۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ اُس کا قصور کیا تھا؟ کیوں سزا دی گئی؟ اُس نے علم حاصل کرنا چاہا۔ اُس نے اپنی معلومات بڑھانے کی سعی د کوشش کی۔ بجائے دل بڑھانے اور شاباشی دیئے جانے کے اُس کو زدوکوب کیا گیا۔ کمزور دل و دماغ کا بچہ خوف زدہ ہوکر اپنے خول میں بند ہو جاتا ہے اور اِس طرح کھوج اور جستجو کی شمع جھلملا کر ٹھنڈی پڑ جاتی ہے۔

خوف :۔

ڈر و خوف بچوں میں بزدلی پیدا کر دیتا ہے۔ وہ کم ہمت اور ڈرپوک بن جاتے ہیں۔ وہ بچپن سے اعصابی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

---

۵ سے ۸ سال کی عمر تک

پانچ سے آٹھ سال تک بچہ سوالات پوچھتا رہتا ہے یہ تخیلاتی زمانہ ہے۔ بچہ کے گرد و پیش میں جو ہوتا ہے اُس سے بچہ متعجب ہوتا ہے۔ تجسس کی جبلت اُس کو حقیقت معلوم کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ وہ کیوں اور کس لئے؟ جیسے سوالات کرتا ہے

اِس زمانہ میں اُس کی جبلت تجسس کو مطمئن کیا جانا چاہئے مناسب یہ ہے کہ اُس کو مدرسہ میں داخل کر دیا جائے" تاکہ وہ دوسرے بچوں کی صحبت میں اُٹھے بیٹھے اور تجربے حاصل کرے۔ اس طرح وہ ماحول سے مطابقت پیدا کر سکے گا۔

اس زمانہ کا جھوٹ تصور اور تخیل کی پیداوار ہوتا ہے۔ جو چیزیں وہ کہتا ہے اُس کو حقیقت میں نہ وہ دیکھتا ہے اور نہ وہ کرتا ہے بلکہ تصوری آنکھیں اُسے دیکھتی ہیں اور اپنے تخیل میں وہ اُن کاموں کو کرتا ہے۔ وہ پتھر کو انگور کہتا ہے گڑیوں کی چاء کی پارٹی کی جاتی ہے اور پریوں سے باتیں کرتا رہتا ہے یہ سب نارمل فعل ہیں۔ جو اُس کو زندگی میں حاصل نہیں ہوتا اور جس کی اُس کو انتہائی خواہش ہوتی ہے وہ چیز تصور میں حاصل کر لیتا ہے۔ جو بڑا ہو کر وہ کرنا چاہتا ہے وہ بچپن میں سوانگ بھر کر کرنے لگتا ہے۔

دولت کی فراوانی، بے پناہ طاقت، لا متناہی علم کا مالک وہ اپنے آپ کو تصور کرنے لگتا ہے اور پھر اُن سے جو چاہے کام لیتا ہے۔ وہ اپنے کارہائے نمایاں پر نازاں ہوتا ہے کرکٹ میں اسکور، کشتی میں پھرتی، دوڑنے میں تیزی، حساب میں صحت اور پڑھائی میں سبقت۔ مزا یہ ہے کہ یہ سب باتیں خیالی ہوتی ہیں۔

پانچ سے آٹھ برس کی عمر تک بچہ آہستہ آہستہ بڑوں پر سہارا لینے کی عادت چھوڑتا جاتا ہے، اور اپنے ہم عمروں اور ہم جلیسوں

کی صحبت اختیار کرتا جاتا ہے۔ وہ خود تجربے کرتا ہے اور اُس کا اُفق بڑھتا جاتا ہے۔ اُس کو واقعات اور حقائق سے دلچسپی ہوتی ہے۔ وہ اُن کاموں کو خود کرنا چاہتا ہے جو اُس سے بڑے کرتے ہیں۔ وہ بڑوں کی حرکات وسکنات، خیالات و توہمات سے متاثر ہوتا ہے۔ یہی وہ زمانہ ہے کہ جب کہ نہایت گہرا بے جا حسنِ ظن اُس میں پیدا ہو جاتا ہے۔ اُس میں مقابلہ، اور دوسروں سے بڑھ جانے کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ مقابلہ کی خواہش اور بازی لے جانے کی تمنا کو اگر زیادہ ہوا دی جائے تو وہ غیر صحت مند ذریعے اختیار کر لیتا ہے۔ دن رات کی دماغی محنت سے اُس کی صحت خراب ہو جاتی ہے اور وہ جسمانی اعتبار سے نحیف و زار بنتا جاتا ہے۔ یا نامور کھلاڑی یا سینما اسٹار بننے کا خبط اُس کی عقل پر پردے ڈال دیتا ہے اور پڑھائی لکھائی خیرباد کہہ کر دن رات اُسی دھن میں لگا رہتا ہے۔

ماں باپ اور اُستادوں کا یہ فرض ہے کہ اُس کی صحیح طور پر رہنمائی کریں اور درمیانی راستہ اختیار کرنے کی ترغیب دیں۔

ایک خرابی اور بھی ہے۔ وہ یہ کہ غبی طالب علم باوجود محنت اور کوشش کے وہ درجہ حاصل نہیں کر سکتے جو ذہین طالب علم ذرا سی زحمت میں حاصل کر لیتے ہیں۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کند ذہن بچے، ہمت ہار دیتے ہیں، اور مایوس ہو کر یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ وہ دنیا میں کچھ نہیں کر سکتے۔ احساس کمتری بُری طرح سے اُن کو دبوچ لیتا ہے۔ اِس کے

برخلاف ذہین بچوں کو بغیر زیادہ محنت کئے ہوئے انعامات حاصل کرنے کی عادت پڑجاتی ہے۔ اُن میں احساس برتری بڑھ جاتاہے، اور دوسروں کو نظر حقارت سے دیکھنے لگتے ہیں اور اپنے سے کم سمجھتے ہیں۔ اور دنیا کی ہر اچھی چیز کا اپنے ہی آپ کو جائز مستحق سمجھنے لگتے ہیں۔ خود غرضی اور نخوت و غرور اُن کے رگ و پے میں سرایت کرجاتا ہے۔ جمہوریت کے لئے ہر دو طبقے زہر ہلاہل ہیں، کیونکہ جمہوریت میں تعاون اور امداد باہمی کی سخت ضرورت ہے تاکہ سماج کا پست طبقہ ترقی کرکے ترقی یافتہ طبقہ کے ہم دوش ہو سکے۔ جسمانی، ذہنی، اخلاقی، سماجی، اور معاشی میدان میں ضرورت سے زیادہ امتیاز اور فرق بھی نوع انسان کی پیشانی پر بدنما داغ ہیں، جن کا مٹایا جانا ازبس ضروری ہے

لہذا بچوں کو ابتدا سے مل جل کر کام کرنے، ایک دوسرے کا ہاتھ بٹانے، اور ایک منصوبہ کو کامیاب بنانے کی عادت ڈالنی چاہیئے۔ فرد کی کامیابی کو اتنی اہمیت نہ دی جانی چاہیئے جیسی کہ آج کل مدرسوں میں دی جاتی ہے۔ انفرادی انعاموں کی زیادتی اور ریل پیل ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ نوجوان جائز یا ناجائز طور پر لوگوں کی نظروں میں سمانا چاہتے ہیں، اور جیسے بنے کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ذریعے اچھے ہوں یا بُرے اِس کی وہ پرواہ نہیں کرتے نتیجہ کو دیکھتے ہیں کیوں کہ یہی اُن کے بڑوں نے اُن کو سکھایا اور مدرسہ نے تبلایا ہے۔ نقل کرکے پرچے اوٹ کرکے، رٹ، رٹا کر، سفارش مہیا کرکے اگر وہ اول

درجے میں کامیاب ہو گئے تو ان کی زندگی سنور جاتی ہے، انٹرویو لینے والے، وظیفہ دینے والے، ملازمتوں کے لئے اعلان شائع کرانے والے یہ زحمت گوارا نہیں کرتے کہ امیدواروں کی شخصی قابلیت کی ابتدارانہ طور پر چھان بین یا جانچ پڑتال کریں۔

نتیجہ ظاہر ہے کہ ان حالات میں جمہوریت جسکی ترقی کے لئے بہترین دل و دماغ کی ضرورت ہے اہل اور معیاری نوجوان کے خدمات حاصل کرنے سے اکثر محروم رہ جاتی ہے، اور اوسط ادنیٰ قابلیت رکھنے والے اپنا الّو سیدھا کر لیتے ہیں۔

---

۸ تا ۱۲ برس کے بچّے۔

آٹھ سے بارہ برس کی عمر تک بچوں میں دوسری صنف سے زیادہ دلچسپی نہیں ہوتی۔ اُن کی دوستیاں اپنے ہی جنس سے ہوتی ہیں۔ اسی واسطے ہم جنسی تعلقات اکثر پیدا ہو جاتے ہیں ایسے واقعات کا زیادہ اثر نہیں لینا چاہیئے۔ آٹھ برس کی عمر سے بچہ ٹولی پسند ہو جاتا ہے۔ ٹولی میں دلچسپی لینے لگتا ہے اور اُن کے خیالات اور اثرات قبول کرتا ہے، وہ اپنے بزرگوں کی بجائے اپنے ساتھیوں کے نقش قدم پر چلتا ہے۔ لنگوٹیہ یاروں سے وہ گہری دلچسپی لیتا ہے۔ ان کے قول اور فعل کو معیاری خیال کرتا ہے۔ یہی زمانہ ہے کہ ایک دوسرے کی بہی خواہی کی ترغیب اور

تعلیم دی جائے اور ایسے موقع زیادہ سے زیادہ فراہم کئے جائیں کہ عملی طور پر مل جل کر کام کر سکیں، اور جماعت کی کامیابی اور نیک نامی کی خاطر اپنی صلاحیتوں کو روبکار لائیں۔ یہی وہ زمانہ ہوتا ہے جب ہر بچہ ہاتھ سے کام کرنا پسند کرتا ہے۔ کتابی تعلیم سے زیادہ اُس کا دل بیرونی دستکاری مشغلوں میں لگتا ہے۔ آلات اور اوزار کے استعمال اور تعمیری کاموں میں اس کو لطف آتا ہے۔ کام کرتے وقت وہ ہمہ تن توجہ بن جاتا ہے۔ محویت کا یہ عالم ہوتا ہے کہ کھانے پینے، ہنسنے بولنے، کھیلنے کودنے تک کا ہوش باقی نہیں رہتا۔ ایک ہی دُھن اُس کے سر پر سوار رہتی ہے، اور وہ اُس کا کام ہے، جس کی تکمیل کے لئے وہ بے چین اور مضطرب ہے۔ وہ اپنی کوششوں کا نتیجہ جلد از جلد دیکھنا چاہتا ہے۔ اور مادی طور پر جب وہ اپنی نظروں کے سامنے اپنے کارنامہ کو دیکھتا ہے تو پھولا نہیں سماتا۔ ہر ایک کو دکھاتا پھرتا ہے اور داد طلب کرتا ہے۔ اگر اُس کا دل بڑھایا جائے اور ضروری امداد اور مواقع دیئے جائیں تو اُس کی تعمیری صلاحیتیں اُجاگر ہوتی ہیں اور وہ نامور فن داں یا موجد نکلتا ہے۔ اور اگر ہمت پست کر دی گئی۔ اور بے وقوف نقادوں نے نے گہری ضربیں لگائیں تو یہ غنچہ کھلنے سے پہلے کمھلا جاتا ہے۔

یہ سمجھے رہئے کہ بچہ خود اپنا ایک معیار رکھتا ہے۔ اُس کے معیار کا پیمانہ اُس کے ہم عمر اور ہم جماعت ساتھی ہیں۔ اُن کی نظر میں اچھا اور بُرا دراصل اچھا اور بُرا ہے۔ آپ کے معیاروں سے

اُس کو دور کا واسطہ نہیں۔

اِس عمر میں خاص امتیازی خصوصی خصوصیتیں ہوتی ہیں بچوں کی لاابالی عادتیں ہوتی ہیں اور اکثر غیر مہذب طور طریقے ہوتے ہیں اور بزرگوں سے بے ادبی سے پیش آنے لگتے ہیں۔ وہ بڑوں کی نصیحتوں پر کان نہیں دھرتے۔ اُن کو ایک کان سے سنتے اور دوسرے کان سے نکال دیتے ہیں وہ ماں باپ کے حکموں کی زیادہ پرواہ نہیں کرتے۔ لہٰذا یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ عمر کا تقاضا یہی ہے۔ عمر کے ساتھ ساتھ عادتیں بدل جائینگی زیادہ سختی اور جبر سے کچھ فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا، بلکہ بچے کے اور بگڑ جانے، باغی ہو جانے اور ضدی اور گمراہ بن جانے کا خطرہ ہے

ٹولی کی اہمیت :-

بچہ ٹولی میں شامل ہوتا ہے ٹولی میں ہر بچہ ہم جنس، ہم عمر، ہم پیشہ اور ہم ذہن ہوتا ہے، ٹولی کا اپنا خود ایک معیار ہوتا ہے۔ ہر رکن ٹولی کو اپنے گروہ کے معیاروں اور قوانین کی پابندی لازمی ہوتی ہے۔ وہ اپنے راز اپنے بڑوں اور بزرگوں سے نہیں کہتے، بلکہ اپنے تک رکھتے یا اپنے ٹولی کے اراکین سے بیان کرتے ہیں، اور اُن کے مشورہ پر عمل کرتے ہیں وہ بڑوں کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

ٹولی ہی میں بچہ ایک دوسرے کی مدد کرنی سیکھتا ہے۔

"جیو اور جینے دو" کے اصول کو برتنے کے عملی موقعے ٹولی ہی میں

نصیب ہوتے ہیں۔ دوسروں کے جذبات کا سمجھنا اپنی بات سمجھانا بات بات پر مشتعل نہ ہونا، اپنی غلطی کو سمجھنا اور اُس پر بضد اور مصر نہ ہونا میٹھی زبان بولنا، خلق سے پیش آنا، مختصر یہ کہ سماجی اقدار کی نشو ونما کا ٹولی ہی ذریعہ ہے۔ بچوں کو زیادہ سے زیادہ اپنے ٹولی میں ملنے جلنے، آنے جانے کی اجازت دینی چاہئیے۔ ٹولی پر تجدید صرف اس وقت عائد کی جائے جب اُس کی مصروفیتں اور مشغلے جسمانی یا اخلاقی طور پر خطرناک ہو جائیں اور وہ سماج کے لئے ایک خطرہ بن جائے بچوں میں دوستی کی بنیاد ایک دوسرے کی طبیعت کا ملنا ہوتا ہے۔ دیوار سے دیوار ملی ہوئی ہو، یا ہم محلہ ہوں تو بھی دوستی ہو جاتی ہے۔ عادتیں، رجحان اور شوق ملتے جلتے ہوں۔ ابتدائی جماعتوں میں لڑکے اور لڑکیاں بغیر جنس کے احساس کے ساتھ ساتھ اُٹھتے بیٹھتے، ہنستے بولتے اور کھیلتے کودتے ہیں۔ اس کے بعد تیسری جماعت سے لڑکے لڑکوں کے ساتھ اور لڑکیاں لڑکیوں کے ساتھ رہنے لگتی ہیں اور سن بلوغ پر پہونچنے کے بعد پھر جنس کی کشش ایک دوسرے کو اپنی طرف کھینچنے لگتی ہے

اخلاقی فیصلے

بچوں کے حرکات اور افعال کے سمجھنے کے لئے اُن کے خود کے اخلاقی میعاروں کو سمجھ لینا ضروری ہے۔ سات برس کی عمر تک وہ اپنے ماں باپ اور استاد کے احکامات کو مبنی برانصاف سمجھتے ہیں۔ اُن کی پیروی کرتے ہیں۔ اٹھ سے گیارہ تک

وہ اُن کی ہدایتوں کو ایک حد تک درست جانتے ہیں، اور گیارہ سے وہ سماج کے معیاری مروجہ معیاروں کو سمجھنے لگتے ہیں۔ سات یا آٹھ برس کی عمر سے کیوں؟ اور کس نے؟ کے سوال پیدا ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔

چھ برس کی عمر تک بچہ ہمت، ایمانداری اور انصاف کا مظاہرہ کرتا ہے۔ ابھی سماج کی خرابیاں اور زمانہ کی زہریلی فضا کا اثر اُس پر اس حد تک نہیں ہوا کہ مکر و فریب جھوٹ اور ناانصافی اُس کی فطرت ثانیہ بن جائے، وہ سفید کو سیاہ اور سیاہ کو سفید ثابت کرنے کے فن سے ابھی واقف نہیں ہوا۔

اخلاقی معیار سکھانے کے ذرائع

اخلاقی معیار کے سکھانے کے چار ذریعے ہیں۔ اول فطرتی سزا۔ آگ جلاتی ہے۔ چھری کاٹتی ہے۔ پتھر سے چوٹ لگتی ہے۔ سوئی چبھتی ہے۔ دوسرے ماں باپ کس کام پر سزا دیتے اور کس کام پر شاباشی دیتے ہیں۔ تیسرے اُس کے سماج کا سزا و جزا کا طریقہ ٹولی کون سی حرکتوں کو نظر تحسین سے دیکھتی ہے اور کن حرکتوں پر ملامت کرتی ہے۔ آخر میں فی الحقیقت کون سے کام اچھے اور کون سے برے ہیں۔

اخلاقی ضابطے بچے اپنے گھر میں مدرسہ میں اور اپنی ٹولی

میں حاصل کرتے ہیں۔ عموماً اپنے بڑوں کے کردار کو وہ اپنا لیتے ہیں۔ بچوں کو سزا دینے سے پیشتر اُس کے خاندان اور ٹولی کے پس منظر کو بھی سمجھ لینا چاہیئے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کی نظر میں اُس کا کردار بُرا ہو۔ لیکن جن ماں باپ کی گود میں وہ پروان چڑھا جس صحبت میں لڑکپن سے اُٹھا بیٹھا اُس کی نظر میں یہ بُرائیاں نہیں تھیں بلکہ روزمرہ تھا۔ اور آپ ہی انصاف کیجیئے کہ ایسی صورت میں آپ کا اُس معصوم کو مورد الزام قرار دینا زیادتی اور ظلم نہیں تو اور کیا ہے۔ معلم کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ دیکھے کہ اُس کے اخلاق کا ضابطہ قانون بچے کے ماحول کے ضابطہ قانون سے علیحدہ تو نہیں ہے، یا وہ بھی اخلاقی ضابطہ قانون پر چلتا ہے یا نہیں۔ فرض کیجئے کہ وہ بچوں سے کہے کہ سگریٹ پینا مضر صحت ہے، اور خود سگریٹ پیئے، یا وہ بچوں کو بہت ہدایت کرے کہ صاف و ستھرا رہنا ایک اچھی عادت ہے اور خود غلیظ رہے، یا اُن کو تنبیہ کرے کہ کسی حالت میں جھوٹ نہ بولا جائے، اور اُنہیں کے سامنے معمولی معمولی باتوں پر صریح اور سفید جھوٹ بولے۔ وہ بچوں کو نصیحت کرے کہ تلخ کلامی عیب ہے، اور خود بچوں، ملازموں اور اپنے ساتھیوں سے بدکلامی کرے، اور بُرا بھلا کہتا رہے۔ چغلی کرنا عیب گردانے لیکن خود دن رات چغلی کھاتا رہے۔ بچوں کا راز فاش کر دے، اُن کی کمزوریوں کا مذاق اُڑائے۔ ظاہر ہے کہ ان حالات کی موجودگی میں بچوں کو انہیں کمزوریوں پر سزا دینا صریحاً ناانصافی ہوگی

۸ - ۱۲ برس کی عمر تک

اس دوران میں اُس کے دودھ کے دانت گرنے لگتے ہیں۔ چھ برس کی عمر سے لڑکا عموماً مدرسہ جانا شروع کر دیتا ہے سیکھنا اور کرنا اُس کے دلچسپ مشغلے ہوتے ہیں۔

یہ جھتہ بندی اور ٹولی بنانے کی عمر ہے۔ بچّہ اپنے ہم جولیوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا اور کھیلنا کودنا چاہتا ہے۔ اس زمانے میں وہ پڑھتا ضرور ہے لیکن بہت کم۔ جسمانی اعضاء میں نمو آہستہ آہستہ ہوتا ہے۔ وہ بڑوں میں زیادہ دلچسپی نہیں لیتے اور بڑے بھی ایک حد تک ان سے غفلت برتنے لگتے ہیں۔ بچے اپنے دل کا حال بڑوں پر ظاہر نہیں کرتے۔ وہ آپس میں تبادلہ خیالات کرتے ہیں۔ وہ اپنے ہم عمروں کی رائے کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ وہ خفیہ سوسائٹیاں قائم کرتے ہیں۔ اُن کی تنظیمیں مسلسل یادداشت ہوتی ہیں۔ وہ اپنی ٹولی میں انصاف، نا انصافی، کے اصل مفہوم کو سمجھتے ہیں۔

بتدریج وہ اپنے ٹولی کا ممبر یا رکن بن جاتا ہے اور اس کے طریقہ کار اور طور طریقوں کو اختیار کر لیتا ہے۔ بارہ برس کی عمر تک وہ خودمختار ہو جاتا ہے۔

لڑکیاں بارہ برس کی عمر میں بھرپور عورتیں نظر آتی ہیں

وہ لڑکوں سے بہت تیزی سے بڑھتی ہیں۔ وہ اِس زمانے میں لڑکوں سے زیادہ پھُر تیلی اور تیز رو بھی ہوتی ہیں۔

تین برس کا بچّہ عموماً ۲ ½ فٹ اونچا ہوتا ہے۔ اکثر بچے تین برس سے گیارہ برس کی عمر کے درمیان دوگنے طاقتور ہو جاتے ہیں۔ اُن کے ریشے اور رگ پٹھے مضبوط ہو جاتے ہیں۔ لڑکیاں طاقت کے اعتبار سے لڑکوں کا مقابلہ نہیں کر سکتیں چہرہ کی بناوٹ میں بھی فرق آنا شروع ہو جاتا ہے۔ بچّے کے دانت جس طرح نکلتے ہیں ویسے ہی گرتے ہیں۔ پہلے سامنے کے دانت اور پھر ایک کے بعد ایک پیچھے کے دانت بارہ برس کی عمر تک دودھ کے دانت گرتے اور اُن کی جگہ پر دوسرے دانت نکلتے رہتے ہیں۔

بدن کی ہڈیوں کی ساخت بھی بدلتی رہتی ہے اور مختلف مقاموں پر مختلف ریشے نمودار ہوتے ہیں۔

اِس زمانہ میں لڑکے لڑکوں کے ساتھ اور لڑکیاں لڑکیوں کے ساتھ رہنا پسند کرتی ہیں۔ ہر گروپ کی دلچسپیاں بھی علیحدہ علیحدہ ہوتی ہیں۔ سن بلوغ کو پہنچ کر یکایک دونوں لڑکے اور لڑکیاں آپس میں ایک دوسرے میں دلچسپی لینی شروع کر دیتے ہیں۔

وہ اپنی روایات، کھیل، قواعد، اقدار، اور وفاداریاں علیحدہ علیحدہ بناتے ہیں۔ لڑکوں کے ذیلی کلچر ابتدائی کلچر، وحشیانہ کلچر کی نشانیاں ہوتی ہیں

اب وہ اپنے والدین کی خامیوں اور کمزوریوں کو سمجھنے لگتا ہے۔ جھنا یا ٹولی اپنے ممبر کی خاصہ طبیعت، انوکھی صورت عجیب وضع قطع، طور طریقوں اور ہنرمندی کو خوب تاڑ لیتا ہے بچّہ کو ایک لقب عرف دے دیا جاتا ہے۔ وہ اپنے ہم جولیوں میں لقب ہی سے مشہور ہوتا اور پہچانا جاتا ہے۔

بچّہ فخر سے سینہ پھُلا لیتا ہے جب اُس کو معلوم ہوتا ہے کہ اُس کو کوئی خاص اہم کردار ادا کرنا ہے۔ ٹولی اُس سے توقعات وابستہ کر رہتی ہے اور وہ اُن توقعات کو پورا کرنے کے لئے جان کی بازی لگا دیتا ہے۔ ٹولی کی نظر میں سمانا اُس کا اثاثہ حیات ہے۔ بڑوں کے لئے اس بارے میں اُس کے جذبات کو سمجھنا مشکل ہے۔ وہ بچّے کی نظر سے کسی مسلہ کے بھلائی اور برائی کو نہیں دیکھ سکتے۔

بچّہ اپنی ٹولی میں خاندان سے باہر اشتراک سے ایک دوسرے کی مدد کرکے تعاون ہمدردی اور دوستی کے سبق سیکھتا ہے۔ کامیابی اور ناکامی کے راز سربستہ اُس پر آہستہ آہستہ منکشف ہوتے جاتے ہیں۔ ٹولی ایک آئینہ ہے جس میں زندگی کے خدوخال اُس کو صاف نظر آتے ہیں۔ جن بچّوں کو ٹولی دھتکار دیتی ہے وہ معتکف اور عزلت پسند ہو جاتے ہیں۔ اُن میں احساس کمتری پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ محسوس کرنے لگتے ہیں کہ وہ از کار رفتہ اور بیکار محض ہیں۔ اُن کی کوئی قدر و قیمت اور آبرو نہیں۔

بچے ٹولی میں رہتے اور ٹولیاں بنا کر مختلف کام کرتے ہیں وہ اپنی ٹولی میں اپنے کو محفوظ محسوس کرتے ہیں۔

بچپن کی روایات :-

بچپن کا کلچر ابتدائی اور وحشیانہ دور کا زبانی کلچر ہے۔ وہ کتابوں میں لکھا ہوا نہیں ہے۔ یہ کلچر نسلاً بہ نسلاً سینہ بہ سینہ ہم تک پہنچا ہے۔ اصل میں بہت سی بچپن کی روایتیں ابتدائی کلچر کی باقیات ہیں۔ کچھ کہاوتوں کے مقصد اور معنی ہوتے ہیں۔ اُن کی خاص اہمیت ہوتی ہے۔ وہ مخصوص موقعوں پر استعمال کیجاتی ہیں۔ زبان کے نقطہ نظر سے اُن کی کوئی ادبی حیثیت نہ ہو، لیکن بچوں کے لئے اُن میں کشش اور دلچسپی ہے۔

جب بچہ ایک اجنبی ماحول میں قدم رکھتا ہے تو وہ قوانین جس کا وہ اب تک پیرو رہا تھا اُس کو عجیب سے غلط، اور از کار رفتہ معلوم ہوتے ہیں۔ وہ شرم محسوس کرتا ہے۔

گیارہ برس کی عمر سے بچے مقابلوں کے کھیلوں میں حصہ لینا چاہتے ہیں۔ وہ رسوم، مذاق، معما چیتاں پہیلی میں دلچسپی لیتا ہے۔ جسمانی کرتبوں میں اُس کو حظ حاصل ہوتا ہے۔ جمع کرنے، ذخیرہ کرنے کی جبلت فروغ پذیر ہوتی ہے۔

بچے اپنے کھیل کی روانی کو بغیر توڑے ہوئے موٹر کار کو راستہ دیتے ہیں۔ دس گیارہ، بارہ برس کے بچوں کی نظر میں بڑے لڑکے

پُرعظمت، باوقار، اور انتہائی عقلمند ہوتے ہیں۔ وہ اُن کی بہت عزت و توقیر کرتے ہیں۔

آٹھ، نو برس کی عمر سے اُن کی وفاداری بدلنا شروع ہو جاتی ہے۔ وہ اب اپنے والدین اور گھر والوں کی اتنی پرواہ نہیں کرتا نہ وہ اب اپنے نجی راز اُن سے بیان کرتا ہے۔ وہ اپنے معاملات کا انکشاف اُن پر نہیں ہونے دینا چاہتا۔ وہ کپڑے پہننے میں لاابالی ہو جاتا ہے۔ جو ملے پہن لیتا ہے۔ نفیس اور غیر نفیس کی زیادہ پروا نہیں کرتا اور نہانے سے گھبراتا ہے۔ اُس کو چپ لگ جاتی ہے۔ وہ اپنی ٹولی سے جا ملتے۔ اُن کے ساتھ فرصت کے اوقات بسر کرنے کے لئے تڑپتا ہے۔ وہ تھوڑا سا گستاخ بھی ہو جاتا ہے۔ سرپرست اُس کی اِن حرکتوں کو دیکھ کر پریشان ہو جاتے ہیں۔ تشویش دامنگیر ہوتی ہے۔ وہ وجوہ اسباب اور علل کی چھان بین کرتے ہیں۔ غصہ ہوتے، شکایت کرتے اور خوشامد کرتے ہیں۔ جب پیار سے کام نہیں نکلتا دکھائی دیتا تو زجر و توبیخ سے کام لیتے ہیں۔ لیکن مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی والا معضوں ہو جاتا ہے۔

بچہ بڑے کے مقابل

بچہ اس زمانہ میں صرف اپنے والدین ہی سے نہیں بلکہ تمام عمر آدمیوں سے بغاوت کرتا ہے۔ وہ اپنی آزادی اور خود مختاری کا اعلان کرنا چاہتا ہے، اور اپنے حرکات سے یہ ثابت کرتا ہے

کہ اب اُس کو اِن بزرگوں کی رہبری اور رہنمائی کی ضرورت نہیں،
براہ کرم وہ اس کے نجی معاملات میں دخل درمعقولات کرنی
چھوڑ دیں۔ لیکن بڑے تو بزعم خود اپنے کو اِس امر کا اجارہ دار
سمجھتے ہیں کہ وہ بچے کو اُس راستہ پر چلائیں جو اُن کی نظر میں
صحیح و درست ہے۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بچہ اور بڑے کے درمیان
ایک مستقل محاذ جنگ قائم ہو جاتا ہے۔ وہ اُس پر حکومت جمانا
چاہتا ہے۔ احکامات پر احکامات صادر ہوتے ہیں اور وہ ان
احکامات کے چیتھڑے اڑاتا جاتا ہے۔ ہر حکم کو ٹھکرا دیتا ہے۔
ایک شان بے نیازی سے اپنے بنائے ہوئے راستہ پر گامزن رہتا ہے
ظاہر ہے کہ یہ نحیف و نزار ہستی اکیلی معمر حضرات سے جنگ نہیں
لڑ سکتی، لہٰذا وہ ٹولی کا سہارا ڈھونڈتا ہے۔ ٹولی کسی نہ کسی
بہانے بڑوں کی طاقت سے ٹکر لیتی ہے۔ زور آزمائی کرتی ہے، ایک
دفعہ شکست کھانے بعد بددل اور شکستہ دل نہیں ہوتی بلکہ جب بھی
موقع ملتا ہے پھر دو دو ہاتھ لیتی ہے۔ اُن کو بڑوں کا مذاق اُڑانے
اُن کی عدولِ حکمی کرنے میں ایک خاص قسم کا لطف حاصل ہوتا ہے
بڑوں کا فرد پر زور چل سکتا ہے لیکن ٹولی کے مقابلہ میں وہ ناکام
رہتے ہیں۔ ٹولی کے سامنے ہتھیار ڈال دینا پڑتا ہے۔ ٹولی اپنی طاقت
کو سمجھتی ہے۔ وہ ہر اُس فرد کا جو اُس کے زیر سرپرستی آیا ہے حفاظت
کرنا اپنا فرض سمجھتی ہے۔ فرد ٹولی کے اندر اپنے آپ کو محفوظ محسوس
کرتا ہے۔ باغ سے میوہ چرانے کا مزا تو اُسی وقت ہے جب تم دیکھ
لئے جاؤ۔ تمہارا پیچھا کیا جائے۔ تم پاسبان، مالی یا مالک کو جھانسا

دو۔ وہ پریشان ہو کر گالیاں دے۔ پکڑے جاؤ تو جوتے پڑیں۔
بچہ سوچتا ہے کہ بڑوں کے مقابلہ میں ڈٹ جانا اور کامیاب
اور فتح یاب ہونا ممکن ہے۔ بچہ شدت پسند ہوتا ہے۔
یہ تخیلاتی عمر ہے۔ قوت واہمہ کے عروج کا زمانہ ہے خیالی پلاؤ
میں لطف آتا ہے۔

بچے بڑوں کے طور طریقوں اور کلچر کو اس عمر میں پسند نہیں کرتے۔
اُن کے خود کے طور طریقے اور کلچر ہوتا ہے اور اُسی کی وہ پیروی کرنی
چاہتے ہیں اب اگر اُن میں ٹولی کے طور طریقے اور کلچر نہیں ہے تو اُن
کو شرم محسوس ہوتی ہے، اور وہ اپنے طور طریقے بدلنے کی کوشش
کرتے ہیں۔ وہ اُسی رنگ میں رنگے جانا چاہتے ہیں جو اُن کے
ٹولی کا رنگ ہے۔

والدین اگر نصیحت کرنی شروع کرتے ہیں تو بچے فوراً لقمہ دیتے
ہیں کہ زمانہ بدل گیا۔ آپ کا زمانہ اور تھا اب سائنس، ٹکنیکالوجی
ایٹم اور سموٹنگ کا زمانہ ہے۔

جنسی شگاف

ابتدائی وسطی زمانہ میں جنسی اختلاط شاذو نادر اور ایک
حادثہ ہے۔

لڑکے اور لڑکیاں مختلف مشاغل اختیار کرتی ہیں اور اُن
کی تکمیل کے لئے وہ راستے بھی مختلف اختیار کرتی ہیں۔

لڑکیاں گھریلو کھیل کھیلتی ہیں۔ لڑکے سخت نا ملائم

اور طوفان خیز کھیل مثلاً کشتی، ہاکی، فٹ بال، کبڈی،
وغیرہ پسند کرتے ہیں،

وہ غیر جنس سے نفرت کرتے ہیں۔ اُن کے پاس نہیں ٹھکتے
اُن کی صحبت میں اٹھنا بیٹھنا نہیں چاہتے۔ اُن کا مذاق اڑاتے
ہیں اور اُن سے دور رہنا چاہتے ہیں۔

سوائے اپنی ماں کے وہ کسی عورت میں کوئی دلچسپی نہیں
لیتے۔ اور ہمیشہ اعلان پر اعلان کرتے ہیں کہ وہ کبھی شادی نہیں کریں گے

لڑکیاں بھی اسی طرح لڑکوں سے بیزارگی کا اظہار کرتی ہیں
بعض وقت یہ بیزارگی دائمی ہو جاتی ہے۔

بڑے ہو کر جب اُن کو کچھ جنس سے دلچسپی پیدا ہونے لگتی
ہے تو وہ نہایت بھونڈے طور پر پاؤں گھسیٹ کر چلنا جملے
کسنا۔ ستانا۔ پریشان کرنا شروع کرتے ہیں۔

لڑکیاں سن بلوغ کو پہنچکر اپنے سے کہیں معمر مرد میں دلچسپی
لیتی ہیں۔ اُن کو اپنا ہم عمر نہیں بھاتا۔ وہ اُس کی آنکھ میں نہیں جچتا
وہ اپنے ہم عمر لڑکوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتیں۔

"پگ ٹیسلر" کھانا پسند کرتی ہیں۔ وہ ہر وقت کھاتی
رہتی ہیں اور جو ملے کھا جاتی ہیں۔ حسن کی نمائش کرتی ہیں۔
پڑھتی ہیں۔ منہ بناتی ہیں۔ ناچ پسند کرتی ہیں۔ سینما کی
دلدادہ ہوتی ہیں۔

اُن کے پسندیدہ منظور نظر ستارے پردہ سیمیں یا سنگیت
میں ہوتے ہیں۔

اُن کو مدرسہ سے بھی لگاؤ ہوتا ہے۔ اپنی معلمہ سے محبت کرتی ہیں شور مچاتی اور ہر وقت گڑبڑ کرتی رہتی ہیں۔ نچلا بیٹھنا اُن کو آتا ہی نہیں ہے۔ اُن کی رگ رگ پھڑکتی ہے۔ رسیوں پر کودتی اور درختوں پر چڑھتی ہیں، گڑیاں، ہنڈکلیاں کھیلتی ہیں، نرس بنتی ہیں، اور پالتو جانور کی شائق ہوتی ہیں۔

اِس کے برخلاف لڑکے جسمانی طاقت کا مظاہر کرتے اور مردانہ کرتب میں بازی لے جانی چاہتے ہیں۔ وہ خطرے کو پسند کرتے ہیں۔ گو الاچروا ہا، ڈاکو بنتے ہیں اور اسی قسم کے دوسرے کھیل کھیلتے ہیں۔

بزدل کی کھلم کھلا مخالفت اور قانون سے بغاوت لڑکے ہی زیادہ کرتے ہیں۔ لڑکیاں اپنی ماں باپ سے زیادہ لاگو رہتی ہیں۔ وہ اُن کا زیادہ خیال پاس کرتی ہیں۔

لڑکیوں میں ٹولی میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی اسپرٹ پائی جاتی ہے۔ کون کس سے بہتر ہے کا تصور پایا جاتا ہے۔ دوستی اور دشمنی زیادہ مستحکم اور پائیدار بنیادوں پر ہوتی ہے۔

گھر اور خاندان

گھر میں بچے اگر ایک ہی عمر کے ہیں تو خیر خیریت ہے۔ سب کام نہایت سہولت سے چلتا رہے گا۔ وہ لڑیں گے اور ملیں گے گالی گلوج۔ چھینا، جھپٹی، مار پیٹ آئے دن ہوتی رہے گی۔

لیکن اگر ان کم عمروں میں ایک بھی بالغ لڑکا یا لڑکی موجود ہے۔ تو وہ چھوٹے بچوں کی حرکتوں پر نکتہ چینی کرے گی، انکی شرارتوں کو پسند نہیں کرے گی۔ اُن کے شور وغل اور گڑبڑ مچانے پر ناک بھوں چڑھائے گی۔ وہ یہ چاہے گی کہ اُس کا ادب کیا جائے۔ اِس کی عمر کا پاس خیال کیا جائے لیکن بچے اس ترجیہی برتاؤ سے بغاوت کریں گے۔ سب سے چھوٹے بچے سے سب گھر محبت کرے گا۔ اُس کا ہانھ منہ لے گا۔ اُس کو گودی میں لئے لئے پھرے گا۔ اُس کی ہر ضد پوری کی جائے گی۔

بچے اپنے ماں باپ سے ایک دم محبت کرنا ختم نہیں کرتے بچے جو اپنے ماں باپ پر ہر وقت اعتراض کرتے ہیں اس بات کو گوارا نہیں کر سکتے کہ دوسرے اُن پر نکتہ چینی کریں یا اُن کی کمزوریوں کا تذکرہ کریں

لڑکیاں سوتے وقت عموماً جذبات کا مظاہرہ یا نمائش کرتی ہیں۔ وہ چاہتی ہیں کہ تھوڑی بہت چھماٹی اور گلے لگائی جائیں۔

بچہ اپنے ماں باپ کے کارنامے اپنے ٹولی کے سامنے نہایت شان اور آن بان سے بیان کرتا ہے۔ وہ فخر سے سینہ پھلا لیتا اور گردن اکڑا لیتا ہے۔ اس کا سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ والدین کے کارناموں سے اُسے کچھ نہ کچھ شہرت اور عزت حاصل ہو جاتی ہے لیکن باپ کتنا ہی ذی عزت اور ذی وقار کیوں نہ ہو بچہ ہمیشہ اپنے ٹولی کے ہیرو کو اپنا ماڈل بناتا ہے۔ وہ اُس کے نقش قدم پر

پر چلنا چاہتا ہے ۔ اُس کے حرکات و سکنات کا چربہ اُتارتا ہے
یہ وہ زمانہ ہوتا ہے کہ ماں باپ اور استاد اُس کی نظر میں وقار
کی کرسی سے اُتر چکے ہیں ۔ وہ اُن کے احکام کی اتنی پرواہ نہیں کرتا
اُن کی اہمیت اُس کی نظر میں گھٹ چکی ہے ۔ والدین کو بھی اچھی طرح
سمجھ لینا چاہیئے کہ ' بچے اب [illegible] کے تابع ہیں ۔ گروپ کے بغیر بچہ
خاطر خواہ طور پر ترقی نہیں کر سکتا ۔ اُس کی انفرادیت کی نمو کے لئے
گروہ ضروری ہے ۔ وہ اُسی میں خود اعتمادی سیکھتا ہے ۔ ہو سکتا
ہے معمر افراد اُس میں جاگزیں ہو گئے ہوں ۔ اُس کا رویہ اُس کے ہم
عمروں میں مضحکہ خیز بن کر رہ جاتا ہے ۔ وہ ایک عجوبہ نظر آتا ہے
عجیب قسم کا ہوتا ہے ۔ گروپ ایک قسم کی رحمت ہے ۔ گروپ
اس کندہ ناتراشیدہ کو چھیل چھال کر کام کا بناتی ہے ۔

اس عمر میں لڑکی اور لڑکوں کے پڑھنے کے مذاق بھی علٰحدہ
علٰحدہ ہوتے ہیں ۔ لڑکے ہیروازم اور مہم اور جوکھوں کی کتابیں
پسند کرتے ہیں ۔ لڑکیاں گھر، مدرسے کی بابت کہانیاں اور
ابتدائی محبت کے رومان پسند کرتی ہیں ۔

لڑکے اصلی حقیقی معلوماتی ادب پسند کرتے ہیں ، لڑکیاں
افسانہ، کہانی، قصہ ۔

لڑکے دنیا کے واقعات اور حالات میں دلچسپی لینے لگتے ہیں لیکن
لڑکیاں اپنے گھر، اپنے خاندان، اپنے محلہ اور اپنے فرقہ یا قوم سے
وابستہ ہوتی ہیں ۔

لڑکے مذاقیہ تصویروں کو پسند کرتے ہیں لڑکیاں پسند نہیں کرتیں ،

لڑکیوں کو محبت کی کہانیاں اور تصویریں پسند آتی ہیں۔ لڑکے اُن کو زیادہ پسند نہیں کرتے ہیں۔

لڑکے اور لڑکیاں دونوں ایک حد تک کامک کتابوں کو پسند کرتے ہیں۔

اہمیت اس امر میں نہیں ہے کہ بچے کیا کرتے ہیں بلکہ سوال یہ ہے کہ بچّوں کے ماں باپ اور بزرگ انہیں اور اُن کے اعمال کو کن نظروں سے دیکھتے ہیں۔

عموماً لڑکیوں کی عادتوں اور افعالوں پر زیادہ کڑی نظر رکھی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہوتی ہے کہ لڑکیاں ڈھکی چھپی شرارتیں کرتی ہیں۔ اُن کی بدعنوانیاں پردے کے پیچھے کونوں میں ہوتی ہیں، گلیوں میں گڑ پھوٹتے ہیں۔

اس کے برخلاف لڑکے کھلم کھلا میدان میں آتے ہیں۔ اُن کی بدعنوانیاں عالم آشکارا ہوتی ہیں۔ وہ زیادہ شور مچاتے اور گڑبڑ کرتے ہیں۔

لڑکیاں خوف زدہ ہوتی ہیں۔ اُن پر ہر لمحہ ڈر مسلط رہتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ زیادہ اعصابی انتشار اور اعصابی بیماریوں کا شکار ہوتی ہیں۔ لڑکیاں لڑکوں سے کئی گنا زیادہ جذباتی ہوتی ہیں۔ جلد خفا ہوتیں جلد غصہ ہوتیں، جلد روتی اور جلد ہنستی ہیں۔ لڑکیاں عموماً زیادہ ناخن دانتوں سے کاٹتے رہنے کی عادی ہوتی ہیں۔ یہ بھی ایک قسم کی اعصابی بے چینی کا نتیجہ ہے۔ وہ انگوٹھا بھی چوستی ہیں۔

لڑکیاں زیادہ ملنسار اور سوسائیٹی پسند ہوتی ہیں۔ اُن میں تعاون واشتراک کا مادہ زیادہ ہوتا ہے۔ وہ زیادہ فیاض اور

فراخ دل ہوتی ہیں۔ اُن کا دل بڑا ہوتا ہے، لیکن وہ دھوکہ دینے میں بھی ماہر ہوتی ہیں۔ بات کو بنانا خوب جانتی ہیں۔ جھوٹ بولنے میں اپنا جواب نہیں رکھتیں۔

اکثر جنس کو دبانے کا نتیجہ یہ بھی ہوتا ہے کہ ذہنی ارتقاء پیدا ہو جاتا ہے۔ خام خیالات پیدا ہونے کے بجائے دماغ تعمیری کاموں میں جٹ جاتا ہے اور دبی ہوئی جنسی توانائی میں ارتفاع پیدا ہو جاتا ہے

بچے ممنوعہ معلومات اپنے ساتھیوں سے حاصل کرتے ہیں ایک بچہ ان معلومات کو دوسرے بچے تک پہنچانے کا ذریعہ بنتا ہے۔

لڑکے اور لڑکیاں خفیہ طور پر ملتے ہیں۔ جنسی معاملات پر تبادلہ خیالات کرتے ہیں۔ اکثر عملی تجربے بھی حاصل کئے جاتے ہیں۔ جنسی کہانیاں سُن کر اور پڑھ کر نوخیز لڑکیاں اور لڑکے کھکھلاتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کو بھینچ بھینچ کر سینہ سے لگاتے اور پیار کرتے ہیں۔ اس طرح وہ اپنی جنسی پیاس کو ایک گونہ بجھاتے ہیں۔ ہمکو یہ منظر بے ضرر کھیل نظر آتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں یہ کھیل نہیں بلکہ جنسی ڈراما ہے جو کھیلا جا رہا ہے اور جس کے کھیلنے پر ہر دو جنسوں کو فطرت مجبور کر رہی ہے۔ ان پر پہرہ بٹھانا سمجھ اور عقل کی بات نہیں۔ ان کو گناہ کا رنگ دینے اور ان پر تحدید عاید کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کمزور دل و دماغ کے لڑکے اور لڑکیوں کے دل میں احساس گناہ پیدا ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ مختلف بیماریوں کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔ رات کی نیندیں اڑ جاتی ہیں۔ ہاضمہ میں فتور آ جاتا ہے۔ اعصاب میں ارتعاش پیدا ہو جاتا ہے۔ انگلیاں کانپنے لگتی ہیں۔ ذرا سے صدمے سے جسمانی ہو یا

روحانی غش آجاتا ہے۔ یہ سب ذہنی ڈر اور خوف کا نتیجہ ہے۔

پھر مزا یہ ہے کہ جن کاموں سے اُن کو منع کیا جاتا ہے بچّے اُن ہی کاموں کو بڑوں کو کرتا ہوا دیکھتے ہیں۔ وہ مبہوت رہ جاتے ہیں اور سوچتے ہیں یہ کیا بوالعجبی ہے کہ ہمکو تو اس سختی سے روکا جائے اور خود وہی فعل کیا جائے۔

بڑے اپنے ہم عمروں اور بے تکلف دوستوں میں بھٹّا مذاق کرتے ہیں۔ جنس کی بابت بے ہودہ بے ہودہ راز و نیاز کرتے ہیں اور بچے اُس گفتگو کو غور سے سنتے ہیں۔ آپ سمجھتے ہیں کہ یہ بچّے ہیں کیا سمجھیں؟ یہ آپ کی سمجھ کا فتور ہے۔ بچّے سب کچھ سمجھتے ہیں۔

کچھ بڑے اپنے چھوٹوں کو جنس کی بابت چند باتیں بتاتے ہیں۔ وہ امر پرستی کی صورت میں ہوتا ہے۔ ایک دوسرے کی تبلیس (؟) وغیرہ

یہ والدین کا فرض ہے کہ وہ اپنی اولاد کو جنس کی صحیح تعلیم و تربیت دیں۔ خصوصاً لڑکیوں کو اپنے پہلے حیض کی بابت سب کچھ معلوم رہنا چاہیئے ورنہ وہ خوف زدہ ہو جاتی ہیں۔

والدین اور مدرسین کو چاہیئے کہ نہایت اچھّے انداز میں بچوں کو بتا دیں کہ تبلس سے دیوانگی، دماغی کمزوری، اعصاب میں سستی اور انتہائی گراوٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ بچّے کو یہ نہیں محسوس ہونا چاہیئے کہ جاسوسی کی جارہی ہے یا اُس کے حالات اور زندگی کا خفیہ طور پر چھپ کر مطالعہ کیا جارہا ہے۔

سرپرستوں کا فرض ہے کہ وہ بڑھتے ہوئے لڑکے اور لڑکیوں پر جنسی تعلقات کو واضح کریں۔ عضویات جنسی کی ماہیت کو آشکارا

کریں۔ ان سے جو حظ حاصل ہوتا ہے اُس کی بھی تشریح کریں اور مرد عورت کے درمیان جنس کے رشتہ کی ضرورت کو بیان کریں۔

مدرسے کے طلبہ میں عضویاتی متفرق عمل

اس عمر کے بچے ہر بات کو جاننا چاہتے ہیں۔ اب وہ اپنے اطراف کی دنیا پر تجسس کی نظر ڈالتا ہے۔ وہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ چیزوں کی ماہیت کیا ہے۔ وہ کن اجزا سے ترتیب پاتی ہیں؟ ان اجزا کے خواص کیا ہیں؟ وہ کہاں سے آئیں اور اُن کو کس طرح ترتیب دیا گیا؟ وہ اپنا کام کس طرح انجام دیتی ہیں؟ ان کاموں کے اغراض کیا ہیں؟ اور ان کاموں کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟

اب وہ خیالی دنیا میں نہیں واقعاتی دنیا میں رہتا ہے۔ اب وہ ٹھوس مادی طریقہ سے سیکھتا ہے۔ وہ اب نشانات علامت، قافیہ، مجموعۂ قوانین، اور ابہام وغیرہ میں دلچسپی لینے لگتے ہیں۔ اعلیٰ جماعتوں میں چل کر وہ طنز، طعن سے بھی لطف اندوز ہونے لگتے ہیں۔ وہ زبان کی قوت کو سمجھنے لگتے ہیں۔ اُس کی طاقت سے واقف ہو کر اُس طاقت کو حاصل کرنے کی سعی کرتے ہیں اور اُس کی مدد سے استحصال کرنے کا گر سیکھتے ہیں۔

زندگی کے رموز پر اب وہ سوچنے لگتے ہیں، موت کے راز سربستہ سے مرعوب ہوتے ہیں جراثیم اور بیماریوں کی بابت وہ معلومات

حاصل کرتے ہیں۔ سبب اور بچّہ کا رشتہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اب وہ مشین ہوائی جہاز راکٹ کی بابت گفتگو کرتے ہیں۔ غیر دور دراز قوموں اور ملکوں کی بابتہ وہ معلومات حاصل کرنے کے لئے بیقرار نظر آتے ہیں۔ بچّوں کے فیصلے سخت اور ناطق ہوتے ہیں۔

بچّوں کی تنقیدی نظر بہت گہری ہوتی ہے۔ اُن کا انصاف دو ٹوک ہوتا ہے۔ وہ اپنی رائے قائم کرتے وقت کسی رشتہ ناطہ، کسی دوستی، دشمنی، کسی کی امارت غریبی کا قطعی خیال و پاس نہیں کرتے۔ وہ دودھ کو دودھ پانی کو پانی کر دیتے ہیں اُن کو لیپا پوتی نہیں آتی۔ وہ منہ سولی نیا نیں بنانا نہیں جانتے بچّہ جھوٹ بولنا بڑوں سے سیکھتا ہے۔ وہ قانون کے ظاہری الفاظ کو سمجھتا ہے قانون کی روح سے اُسے کوئی واسطہ نہیں۔ قانون کو اپنے مطلب کے لئے معنی پہنانے کے گر سے ابھی وہ واقف نہیں ہوتا۔

اُس کے خیالات اب بھی منتشر منتشر سے ہوتے ہیں۔ اُن کو منظم کرنے کی صلاحیت ابھی اُس میں پیدا نہیں ہوتی۔ ایک موضوع پر جم کر بحث نہیں کرتا۔ ایک بات اُس کو دوسری بات یاد دلاتی ہے اور اس طرح بات میں بات پیدا ہوتی چلی جاتی ہے۔ سلسلہ لامتناہی ہو جاتا ہے اور اصل بات اپنی جگہ پر تشنہ وضاحت رہ جاتی ہے۔

بچہ۔ مدرسہ جانے سے پہلے

اور اکی، احساسی، وقوفی، عضویاتی مقررہ عمل سوچنا، یاد رکھنا وغیرہ، ذہنی قدرتی عمل خلا میں حاصل نہیں کئے جا سکتے مدرسہ ہی وہ مقام ہونا چاہیئے جہاں بچے حقیقی معنی میں علم حاصل کر سکیں۔ مدرسہ میں حصولِ علم کے موقعے فراہم کئے جائیں۔ تحقیق، علم وعمل اور تجربہ حاصل کرنے کا زمانہ ہے جس مدرسہ میں ضرورت سے زیادہ جماعت بندی ہو وہ مدرسہ کہے جانے کے قابل نہیں۔ والدین کے غیاب میں وہ بچوں کو شرارت سے روک سکتا ہے۔ یہ مدرسے میں بچوں پر نگرانی کر سکتا ہیں۔ اُن کے حرکات وسکنات پر کڑی نظر رکھ سکتے ہیں۔ اُن کے کھانے پینے، اُٹھنے بیٹھنے پر قدغن لگا سکتے ہیں، لیکن اُن میں شوق علم اور ذوق طلب پیدا نہیں کر سکتے ہیں۔ اسکول کا فرض تو یہ ہونا چاہیئے کہ وہ ہر بچہ کی انفرادی پیدائشی صلاحیتوں کا جائزہ لے، اُن کی سوئی ہوی ابھری قوتوں کو جگائے۔ تجسس کی آگ کو ہوا دے۔ معلومات حاصل کرنے کے زیادہ سے زیادہ موقعے فراہم کرے، تاکہ بچہ از خود تجربہ کرے اور نئی نئی معلومات حاصل کر کے اپنے مبلغ علم میں اضافہ کرے۔

وسیع میدان، فرصت کے لمحے اور آزادانہ ہنسنا بولنا، اٹھنا، بیٹھنا، کھیلنا، کودنا، اور پڑھنا لکھنا، مدرسہ کی خصوصیتیں ہونا چاہیئے۔ وہ اپنے ساتھیوں اور مدرسین کو دیکھ کر بہت کچھ سیکھتا ہے۔ وہ اِن کا ہو بہو چربہ اُتارتا ہے۔ لہٰذا اچھے نمونے اُس کے پیش نظر رہیں۔ علاوہ بریں آلات تعلیمی مثلاً بلاک، پلاسٹک کا سامان، پینٹ، پانی، مٹی، کارڈ بورڈ، کاغذ، ریتی کی کشتیاں۔ تعلیمی کھلونے، منکے، ڈوریاں، اور اِس قسم کی دوسری چیزیں فراہم کی جائیں تاکہ بچہ اُن سے کھیل سکے اور کھیل ہی کھیل میں اپنے ذاتی تجربوں سے بہت سی کام کی باتیں سیکھ سکے۔

یہ سامان علیحدہ علیحدہ استعمال نہیں ہوتا بلکہ یہ سب ایک ہی نصاب کے تانے بانے ہیں۔

اگر بچہ کسی وجہ سے غصہ سے از خود رفتہ ہو جائے تو یہ استاد کا فرض ہے کہ وہ اُس کو سمجھائے اور محبت سے بتائے کہ غصہ پر قابو رکھنا اچھے اور مہذب بچوں کا فرض ہے۔ غصہ میں انسان انسان باقی نہیں رہتا بلکہ جانوروں جیسی حرکتیں کرنے لگتا ہے۔ غصہ میں انسان بغیر سوچے سمجھے حرکتیں کر بیٹھتا ہے اور بعد میں اُس کو پچھتانا پڑتا ہے۔

بچہ سماجیات کا پہلا سبق مدرسہ میں لیتا ہے۔ وہ اپنے برابر والوں، ہم جماعت اور ہم عمر لڑکوں کے ساتھ نہ صرف پڑھتا، لکھتا، بلکہ کھیلتا کودتا بھی ہے وہ اِس طرح لاشعوری،

طور پر اشتراکِ عمل کے زرین اصول کو سمجھنے لگتا ہے۔ وہ سمجھنے لگتا ہے کہ بغیر ایک دوسرے کی مدد کے کام نہیں چلتا، اور کامیابی کا راز تو تمام تر اشتراک و تعاون میں ہے۔ ایک دوسرے کی ہمدردی اور ایک دوسرے کا خیال پاس ضروری ہے۔

قصہ کہانی کی کتابوں سے وہ مختلف اخلاقی نتیجے اخذ کرتا ہے۔ وہ دنیا کے متعلق معلومات حاصل کرتا ہے۔ ایجادی جذبہ بیدار ہوتا ہے۔ ایسا ساز و سامان جس کی مدد سے بچہ نئی نئی چیزیں بناتا ہے، مدرسہ میں افراط سے ہونا چاہیئے مثلاً گندھا ہوا آٹا، مٹی، ہینڈیٹ، لکڑیاں، پتھر، کارڈ بورڈ، قینچی، کاغذ، وغیرہ کیوں کہ شروع میں تو بچہ حسی حظ ان کو چھو کر، چکھ کر، ان کی مختلف آوازیں سن کر، دیکھ کر حاصل کرتا ہے اس کے بعد وہ ان کو مختلف طرح سے استعمال میں لاتا ہے ان پر مختلف تجربے کرتا ہے، ان تجربوں کے نتیجوں کو دیکھ کر خوش یا ملول ہوتا ہے۔ پھر کوشش کرتا ہے اور اپنے خیالات کو عملی جامہ پہنا کر چھوڑتا ہے۔ اس کوشش میں وہ اسقدر محو اور مستغرق ہو جاتا ہے کہ تن بدن کا ہوش باقی نہیں رہتا نہ کھانے پینے کی سدھ بدھ باقی نہیں رہتی ہے

اُستادوں اور والدین کا فرض ہے کہ وہ بچہ کی اس قسم کی مشغولیتوں کا بغور مطالعہ کریں اور ان کی رہبری کرتے رہیں۔

وہ اس عمر میں عموماً ڈرامٹک کھیل بھی کھیلتے ہیں۔ اکثر وہ گھریلو کھیل ہوتے ہیں۔ ان کو شہر کے پارک، باغ، عجائب گھر،

اور دوسرے عجیب اور تعلیمی مقامات کی سیر کرانی چاہیئے لیکن سیر کا مقصد صرف تفریحی نہ ہو بلکہ تعلیمی ہو۔ ہر سیر کے بعد اُن کی معلومات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہو جانا چاہیئے۔ اُن کے بغور دیکھنے کی قوت اور تجسس کے بعد کسی نتیجہ پر پہنچنے کی صلاحیت بڑھ جانا چاہیئے۔

بچہ جلد جلد بدلتا ہے۔ کبھی تو وہ اس قدر سست اور کاہل ہو جاتا ہے کہ ہلائے نہیں ہلتا۔ اس قدر غبی کہ سمجھاؤ تو کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی، اور کبھی اسقدر تیز کہ طرارے بھرتا ہے اشاروں کو سمجھتا ہے اور نظروں کو بھانپتا ہے جو کچھ اُستاد بتاتا ہے سب گرہ کر لیتا ہے اور ایسا یاد ہو جاتا ہے کہ کبھی نہیں بھولتا یہ سب کچھ اُسی وقت ہوتا ہے جب وہ ہمہ تن توجہ ہوتا ہے۔

کبھی وہ منہ پھلائے تنہا بیٹھا رہنا پسند کرتا ہے کسی سے بات نہیں کرتا اور کبھی ہنسی خوشی دوسروں کے ساتھ کھیلنا کودنا اور کام کرنا پسند کرتا ہے۔ اُس کے موڈ ہوتے ہیں اور یہ موڈ بہت جلد جلد بدلتے رہتے ہیں۔ استاد کو چاہیئے کہ ان بدلتے ہوئے موڈ سے فائدہ اٹھائے۔

اس عمر کا بچہ خود بولتے رہنے کے بجائے اب دوسروں کی باتیں توجہ سے سننا بھی شروع کر دیتا ہے۔ اب وہ سوجھ بوجھ سے کام لینا شروع کرتا ہے۔ اُس کے کام کی اب کوئی وجہ کوئی سبب ہوتا ہے۔ آزادی کے ساتھ ساتھ وہ پابند بھی ہوتا ہے

اُس کے کھیل اب اتنے تشدد آمیز اور دھم مچانے والے نہیں ہوتے۔
بچّہ کی مندرجہ بالا خصوصیتوں کے مدنظر یہ امر اب واضح ہوگیا
کہ بچّہ کا نظام الاوقات سخت کسی صورت میں نہیں
ہونا چاہیئے بلکہ اُسکو کافی لچکدار ہونا چاہیئے۔

بچوں کے لئے ایک پروجکٹ کا ہونا لازمی ہے۔ بچّہ کو اپنے
طریقہ سے کام کی تکمیل کے موقعے دینے چاہئیں۔ بچّوں کا دل بڑھایا جائے
کہ وہ زیادہ سے زیادہ سوالات پوچھیں، اُن کے سوالات
کا جواب تشفی بخش طریقہ پر نہایت آسان زبان اور دن رات
کے بچّوں کے مشاہدہ کو مدنظر رکھ کر دیا جائے۔ معلوم سے غیر
معلوم کی طرف رہبری کی جائے۔ آسان سے مشکل۔ حال سے ماضی
اور مستقبل بچّے کی تعلیم کے زریں اصول ہیں۔ کوئی کام اُس کی
سکت سے زیادہ اور کوئی بات اُس کے تجربے سے باہر نہیں
ہونی چاہیئے۔

چھ برس سے کم عمر بچے ماں سے زیادہ مانوس ہوتے ہیں
لہذا اُن کی تعلیم و تربیت ایک عورت بہ نسبت مرد کے زیادہ
اچھی طرح دے سکتی ہے۔ وہ زیادہ مفید ثابت ہوگی۔
لیکن وہی عورتیں معلمات کے فرائض انجام دیں جن کو واقعی
بچّوں سے محبت ہو۔ جو بچّوں کو چاہتی ہوں اور جو بچّوں
پر فریفتہ ہوں۔ بچوں کو ہنستا، بولتا، کھیلتا کودتا، چیختا، اور
دوڑتا دیکھ کر خوش ہو جائیں۔ اُن کو بچوں کی ضرورتوں کا اندازہ
ہو۔ بچّوں کی نفسیات سے واقفیت ہو۔

بچوں کے سوالات کو تحمل اور صبر سے سن سکیں اور معلومات کا اتنا وافر ذخیرہ رکھتی ہوں کہ اُن کا جواب دے سکیں۔ تعلیم یافتہ ہونے کے علاوہ معلمہ کا تندرست اور پھرتیلا ہونا ضروری ہے۔ اُس کو مستقل مزاج ہونا چاہیئے۔ تاکہ ذرا ذرا سی بات پر گھبرا نہ جائے۔ مسکراہٹ اُس کے ہونٹوں پر ہر دم کھیلتی رہے اُس کو اپنی راحتوں اور مسرتوں کو بچوں کی فلاح و بہبود کے لئے قربان کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہنا چاہیئے۔ ہمیں بچوں کی تعلیم اور تربیت کے لئے ایسی عورتوں کی ضرورت ہے جو قوم کی تعمیر کا کام قومی اور اخلاقی جذبہ کے ساتھ نہایت جوش سے انجام دینے کیلئے تیار ہیں۔ اُن کو قدم قدم پر قربانی دینی ہے اور ظاہر ہے کہ بغیر قربانی کے کوئی قوم بام عروج پر نہیں پہونچ سکتی۔

اگر خدانخواستہ ایسی عورتیں پچھلے دروازے سے اس محکمہ میں داخل ہو گئیں جنھیں بیویاں بننے سے عار ہے۔ مائیں بننے سے بیزار گی ہے۔ جو فیشن کی کنیز اور خود غرض ہیں۔ جو صرف اپنے لئے جینا چاہتی ہیں۔ جن میں رعونت اور گھمنڈ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ جو فیشن کی پرستار، فضول خرچ اور آرام طلب ہیں تو قوم کے نونہالوں کا اللہ مالک ہے۔ جب پہلی ہی اینٹ غلط رکھی جائے گی تو پوری عمارت ٹیڑھی اٹھے گی۔ عمارت چاہے ایک منزلہ ہو یا ہزار منزلہ بنیاد کا مضبوط اور پائیدار ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح سے ابتدائی

مدرسہ ایک ہو یا ہزار صحیح اصولوں پر قائم کئے گئے ہوں۔ ضروری ساز وسامان اور آلات تعلیم سے لیس ہوں۔ عمارت وسیع ہو، بچوں کے کھیلنے کودنے کو کھلا میدان ہو اور سب سے بڑھ کر تعلیم وتربیت دینے والا اسٹاف باسلیقہ مہذب، ٹرینڈ اور تعلیم یافتہ ہو اور قوم وملک کا صحیح معنی میں درد رکھتا ہو تب ہی قوم ترقی کر سکتی ہے۔ ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں صرف مدرسے کھول دینے اور جانوروں کے منڈے کی طرح بچوں کو ان میں ٹھونس دینے سے بجائے فائدہ کے نقصان کا اندیشہ ہے۔ غلط تعلیم وتربیت سے صرف ایک نسل نہیں بلکہ آئندہ آنے والی کئی نسلیں تباہ وبرباد ہو جائیں گی۔ زندگی کے غلط اقدار کو اپنانے کے بعد نجات کے سارے راستے مسدود ہو جائینگے۔

بچہ - مدرسہ جانے سے پہلے

بچّے کے پروان چڑھنے کا یہ خاص اور اہم زمانہ ہے - بچّہ اس زمانہ میں بہت ہوشیار، چالاک اور ذہین لیکن شریر ہوتا ہے - وہ بہت جلد اپنے بڑوں کے طور طریقے اختیار کر لیتا ہے - اُس کا کردار عموماً رنگیلا ہوتا ہے - اُس کی انفرادیت آہستہ آہستہ نمایاں ہوتی جاتی ہے آسانی سے ایک لیڈر اور ایک تابع اور مرید میں امتیاز کیا جا سکتا ہے - یہ عمر انتہائی آمد کی ہوتی ہے - یہ عمر جلد جلد بدلنے کی ہے - وہ دوسروں پر تکیہ کرتا ہے لیکن خود مختار بھی بننا چاہتا ہے -

کبھی اُس کی حرکتیں بچکانا ہوتی ہیں اور کبھی بالغانہ اور پختہ - وہ لڑکوں جیسے کام کاج کرتا ہے اور کبھی لڑکیوں جیسے - کبھی محبت، انس اور انسانیت کا پتلا نظر آتا ہے اور کبھی وحشی، درندہ، کبھی تعمیری ذہنیت کا مظاہرہ کرتا ہے، کبھی تخریبی ذہنیت کا - کبھی سماجی کبھی غیر سماجی افعال کا مرتکب ہوتا ہے -

مدرسہ جانے سے پہلے بچّے کے الفاظ کا ذخیرہ پانچسو لفظ سے دو ہزار لفظ تک ہوتا ہے - اُس کا تلفظ صاف ہوتا جاتا ہے - اُس کو آواز پر قدرے قدرت حاصل ہوتی جاتی ہے - اُس کی زبان میں

کے قابل ہو جاتا ہے اور چند بچے تو جدت اور اُپج کا بھی مظاہرہ کرتے ہیں۔ اُس کو اپنے بدن کے حصوں سے بھی واقفیت حاصل ہوتی جاتی ہے۔

پہلے دو سال میں عام، اوسط، متوسط بچہ چودہ یا پندرہ اِنچ بڑھتا ہے۔ اور اُس کے بعد کے تین سال میں وہ صرف نو یا دس اِنچ مزید بڑھتا ہے۔

پہلے سال میں بچہ تقریباً پندرہ پونڈ وزن حاصل کرتا ہے اور اُس کے بعد ہر سال اُس کا وزن پانچ پاونڈ کے حساب سے گھٹنے لگتا ہے۔

اُس کے تناسب اعضاء میں فرق آنا شروع ہو جاتا ہے۔ اُس کی ٹانگیں بدن کے دوسرے حصوں سے زیادہ تیزی سے بڑھنے لگتی ہیں۔

پانچ برس کی عمر میں اُس کا سر کا ڈھانچہ تقریباً مکمل ہو جاتا ہے ۲½ برس کی عمر تک اُس کے دودھ کے دانت کامل طور پر نکل چکے ہیں

اب اُس میں نئے طور طریقوں کی قابلیت پیدا ہو جاتی ہے وہ فنون سیکھ سکتا ہے اور سماجی رشتے، انسانی اقدار سمجھ میں آنے لگتے ہیں۔ اُس کا شعور جاگ اٹھتا ہے۔

بچے کی نظر میں اُس کے والدین عقل کُل، پاکیزگی، نیکی اور قوت و طاقت کا مجسمہ ہوتے ہیں۔ اب وہ آہستہ آہستہ اپنے شناساؤں کا دائرہ وسیع کرنا شروع کرتا ہے اور وہ اپنے مدرسے، ہم جماعتوں، اور اپنے خاندان کے افراد سے دلچسپی لینا شروع کرتا ہے۔ مدرسہ میں ساتھی ایک دوسرے سے وابستہ ہو جاتے ہیں۔ اِن کو ایک دوسرے کے

حالات کا تجسس ہوتا ہے۔ وہ ایک دوسرے سے مانوس ہو جاتے ہیں وہ اپنے دوستوں کی نقالی کرنے لگتا ہے۔ وہ اُن کا طرزِ گفتگو اختیار کر لیتا ہے۔ لفظ، جملے، اور محاورے جو اُس کی ٹولی میں بولے جاتے ہیں اُس کی بولی ٹھولی بن جاتے ہیں۔ بچے اپنی اپنی باری پر بولتے ہیں۔ وہ دوسرے کی گفتگو ختم ہونے تک بیچ میں بات نہیں کاٹتے اور لقمہ نہیں دیتے۔ دوسرے کی بات ختم ہونے سے پیشتر بولنے اور خود بولتے رہنے دوسرے کو نہ بولنے دینے کی مذموم عادت بڑے ہونے کے بعد خراب صحبت میں اُٹھنے بیٹھنے سے پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح چیخ چیخ کر بولنے اور دوسرے کی آواز کو دبا دینے کی عادت بھی بعد کی پیداوار ہے۔

اگر بچہ دوسرے کو تکلیف یا مصیبت میں دیکھتا ہے تو تڑپ اٹھتا ہے۔ ہمدردی کا جذبہ بے تحاشا پیدا ہوتا ہے۔ وہ کسی نہ کسی طرح مصیبت زدہ کے کام آنا چاہتا ہے۔ اُس کی دلجوئی خلوصِ دل سے کرتا ہے، ہمدردی اور لیڈر شپ ساتھ ساتھ ترقی کرتے ہیں۔

وہ لیڈر شپ کا مظاہرہ کئی طریقے سے کرتے ہیں۔ کچھ جسمانی قوت کا مظاہرہ کرتے ہیں اور عامیانہ، حاکمانہ، افسرانہ رویہ اختیار کرتے ہیں۔ کچھ علیحدگی پسند ہو جاتے ہیں۔ کچھ منصف، جج، ثالث پنچ، ناصح اور ماڈل کی حیثیت سے نمودار ہوتے ہیں۔

اُس کے جذبات بہت جلد مشتعل ہو جاتے ہیں، ایک آندھی آئی۔ اور نکل گئی والا مضمون ہوتا ہے۔ دریا چڑھا اور اُتر گیا۔ طوفان آیا اور گیا۔ ذرا میں غصّہ سے چہرہ آگ بھبھوکا، ذرا میں لبوں پر مسکراہٹ کھیل رہی ہے۔ ذرا میں روٹھ گئے اور ذرا میں محبت سے گلے میں

باہیں ڈال دیں۔ ذرا میں آنکھوں سے گنگا جمنا بہا دی۔ ساون بھادوں لگ گئے۔ سلا دھار برس رہا ہے کہ رُکنے کا نام نہیں لیتا اور ذرا میں قہقہوں سے فضا گونجنے لگی۔ ہنسی کے مارے لوٹے لوٹے پھرتے ہیں، پیٹ میں سانس نہیں سماتی۔ اس عمر میں نہ دوستی پر بھروسہ نہ دشمنی کا خدشہ آج جو دوست تھا کل اُس سے ٹھن گئی اور کل جو دشمن تھا وہ آج لنگوٹیہ یار بن گیا۔ ہم نوالہ ہم پیالہ۔ ایک جان دو قالب

تین برس کے بعد لڑکیاں کم لڑاکو ہو جاتی ہیں، پانچ برس کے بعد لڑکے زیادہ خود مکتفی ہو جاتے ہیں۔ دو اور تین برس کے بچے چیزوں اور ملکیتوں کے لئے لڑتے ہیں۔ ہر چیز اپنے لئے چاہتے ہیں۔ قبضہ کی جبلت کا زور ہوتا ہے۔

بچے بہت کم عمری ہی میں الفاظ کی اصل کو قدریں سمجھنے لگتے ہیں۔ بڑوں کا غیظ و غضب اُن لفظوں کی اہمیت کو اور راسخ کر دیتا ہے۔ حقیقی جھوٹ غالباً وہ چھ یا سات برس کی عمر سے بولنا شروع کرتا ہے۔ جھوٹ بولنے کی سب سے بڑی وجہ ڈر ہوتی ہے، بچپن میں اُس کو فقیر، چور بھوت، جن سے ڈرایا جاتا ہے۔ پانچ برس کی عمر سے بچہ خود اپنے تجربہ سے اُن چیزوں سے ڈرنے لگتا ہے جن سے اُس کو صدمہ یا نقصان پہنچا ہو۔ بعض بچے موت سے ڈرنے لگتے ہیں۔

بچہ محسوس کرتا ہے کہ وہ آہستہ آہستہ بڑھ رہا ہے۔ وہ بڑے ہونے کی خوبیوں اور برائیوں سے واقف ہونے لگتا ہے۔

جنسی ادراک

بہت سے بچے کم عمری ہی سے مردانے اور زنانے کردار اپنے کھیلوں میں اختیار کر لیتے ہیں۔ پانچ برس کی عمر سے بچے خارجی آلات تناسل کو اہمیت دینا شروع کر دیتے ہیں۔ اور مرد اور عورت کے عضویات میں فرق محسوس کرتے ہیں۔

پانچ برس کے بچے لڑکے ہوں تو مردانہ اور لڑکیاں ہوں تو زنانہ کھیل کھیلتے ہیں۔

ابتدائی وحشی اور پسماندہ اقوام کے بچے جنس کے متعلق جلد معلومات حاصل کر لیتے ہیں۔ درمیانی طبقہ اور اونچے طبقہ جیسا جیسا مہذب ہوتا جائے گا جنس پردہ خفا میں جاتا جائے گا۔ اسی وجہ سے ادنیٰ طبقہ میں شادیاں کم سنی میں ہو جاتی ہیں اور اعلیٰ طبقہ میں شادی کی عمر بڑھتی جاتی ہیں ہر ملک اور قوم کا یہی دستور ہے۔

ادنیٰ طبقہ میں مردانہ اور زنانہ مفوضہ کام بالکل علیحدہ ہیں جو ختم ہوتا ہے او ڈیپس گرہ میں۔

بچہ اپنے باپ کے خلاف ہو جاتا ہے اور اپنی ماں کی طرف راغب ہو جاتا ہے۔ وہ اصل میں اپنے باپ کا رقیب بن جاتا ہے۔ وہ ماں کی محبت کا خود کو اجارہ دار سمجھتا ہے۔ اس کی آنکھوں

میں خون اُترا ہے اور وہ ایک لحظہ کے لئے یہ گوارا نہیں کر سکتا کہ سوائے اُس کے دوسرا اُس کی ماں سے محبت کا اظہار کرے۔ وہ دن رات پیچ و تاب کھاتا ہے۔ اپنے جذبات پر قابو پانے کی کوشش کرتا ہے۔ اپنے خواہشوں کو میٹ دینا چاہتا ہے اور اس مسلسل جبری دباؤ کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ خطرناک قسم کی نفسیاتی الجھن اُس میں پیدا ہو جاتی ہیں۔ وہ زود رنج چڑچڑا اور غصیلا بن جاتا ہے۔ دشمنی بغض اور عناد اُس کی مزاج میں داخل ہو جاتے ہیں۔ یا تو وہ گوشہ نشین بن کر اپنے ہی خول میں گھس جاتا ہے۔ محفل سے گھبراتا ہے یا لڑاکو بن کر ہر ایک کی زندگی دوبھر کر دیتا ہے۔ توڑ پھوڑ بربادی اس کی عادت ثانیہ بن جاتی ہے۔ اور وہ ہر چیز کو تہس نہس اور برباد کر دینا چاہتا ہے لڑکی میں اگر اُ دیپس گرہ پیدا ہو جائے تو وہ باپ کو اپنا مرکز توجہ بنا لیتی ہے اس کو اکثر الیکٹرا گرہ بھی کہتے ہیں۔

بچے بعض وقت اپنے اس جذبہ پر اپنے آپ کو پاپی محسوس کرتے ہیں اور وہ اسکو چھپانا چاہتے ہیں یا اُس سے انکار کرتے ہیں۔ یہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ چھوٹے بچے اعلان کرتے ہیں کہ بڑے ہو کر ہم اپنی ماں سے شادی کریں گے یا لڑکی کہتی ہے کہ وہ اپنے باپ سے شادی کرے گی۔ بچہ ابتدائی وحشی خواہشات اور جذبات لے کر پیدا ہوتا ہے وہ کی انا کے تابع ہوتا ہے۔ سب بچے جذبات کے ہیجان، دشمنی، شرم، زرد، آدیزش کا تجربہ کرتے ہیں۔

۱۔ ضمیر، گناہ کی آواز، ضمیر احساس ہے اچھے اور صحت بخش سماجی تعلقات کا۔

جتنا ماں باپ ڈرانے دھمکاتے ہیں اتنا ہی احساس گناہ بچے میں مستحکم ہوتا جاتا ہے جس کے نتیجہ کے طور پر اُس کی قوت مرجاتی ہے بے روزگارہ، سست، نکمہ باپ بچوں کی نظر میں گر جاتا ہے۔ بچے اُس کا مذاق اُڑانے لگتے ہیں وہ وقار کے تخت سے اُتر جاتا ہے۔ اُس کی کوئی عزت باقی نہیں رہتی۔ وہ گھر میں پڑا رہتا ہے۔ اس کی کوئی وقعت نہیں کرتا۔ نوکر، چاکر، کھڑا او بھا، اپنے بیرائے اُس کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ باپ کی بے وقعتی کا اثر بچوں کے کردار اور کریکٹر پر بھی پڑتا ہے۔ ایک باعزت باپ کے بچے عزت اور آبرو کی قدر پہچانتے ہیں۔ ایک بے عزت باپ کے بچے لاابالی اور بے فکرے ہو جاتے ہیں۔ مثل مشہور ہے باپ پہ پوت پراپت گھوڑا بہت نہیں تو تھوڑا ہی تھوڑا۔

جنسی تعلیم

ہمیں جنسی معاملات میں بچوں پر سختی اور زیادتی نہیں کرنی چاہیئے۔ جسمانی سزا اور عقوبت و توبیخ سے معاملات اور بگڑ جاتے ہیں۔ جنسی دلچسپی اور جنسی تجسس فطرت ہے۔ مناسب یہ ہے کہ صحیح صحیح معلومات سیدھی سادھی زبان میں فراہم کی جائیں۔ بچہ جب کبھی جنس سے متعلق سوالات کرے تو اُس کو جھڑکنا اور ڈرانا نہیں چاہیئے بلکہ اُن معاملات کو ٹھیک طور پر آسان سے آسان طریقہ پر بیان کر دیا جائے

اس معاملہ میں بچہ کی تشفی کی جانی ضروری ہے۔

تین یا چار برس کے بچے عموماً دریافت کرتے ہیں کہ بچے کہاں سے آتے ہیں۔ اُن سے کہنا چاہیئے کہ بچے ماں کے پیٹ میں پلتے ہیں۔

بچہ کے تعلق اور لگاؤ اور تشویش کو اہمیت دی جانی چاہیئے۔ لیکن اُن کی وجہ سے فکر سے گھلنے مت لگو، دن رات اُسی خیال میں مستغرق مت رہو۔ نہ رازونیاز کا تانا بانا جنس کے چاروں طرف بن دو، اور نہ اِسقدر کھل کھیلو کہ ہر امر کی ننگی وضاحت پر مستعد ہو جاؤ۔ بیچ کا راستہ اختیار کرو۔ آسان زبان میں، روزمرہ کی مثالوں سے مختصر گیر، و محکم گیر کا اصول بہتر ہے۔ یہ یاد رکھو جنسی معاملات میں دیر سویر بچہ خود تجربے کرے بغیر نہیں رہے گا۔ اگر تم جھوٹ بولے ہو تو تمہاری قلعی کھل جائے گی اور وہ پھر تمہاری کسی بات پر اعتبار نہیں کرے گا۔ بچہ کی نظر میں ایک مرتبہ اعتبار اُٹھ جانے کے بعد اعتبار قائم کرنا محال ہے۔ بچہ کی جنسی تجسس کی آتش شوق کو تم صحیح، آسان اور واضح لیکن مختصر مفید جوابوں سے بجھا سکتے ہو۔

چوتھا باب

بلوغ

بلوغ دونوں جنسوں میں مشکلات اور پیچیدگیاں پیدا کر دیتی ہے۔
بلوغ جسمانی، جنسی اور جذباتی نمو کا زمانہ ہوتا ہے۔
بلوغ کے بعد خودشناسی اور سماجی ذمہ داری کا احساس پیدا ہو جاتا ہے۔ اِس زمانہ میں ضرورت سے زیادہ تنقید کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ جہاں تک ممکن ہو بالغ کے کاموں میں کم سے کم دخل دینا چاہیئے۔ اُس کو مساوی سمجھنا چاہیئے۔ اُس کی رائے لی جانی چاہیئے۔ اور اُس کے صلاح و مشورہ پر عمل کیا جانا چاہیئے
بہرصورت والدین کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ اب اُن کا ننھا چھوٹا بچہ نہیں بلکہ بڑا اور سمجھدار ہو گیا ہے۔ اُس کو بحیثیت ایک فرد کے سمجھنا چاہیئے
بلوغ کے زمانے میں ذہنی اور جذباتی تبدیلیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

اور نفسیاتی الجھنوں کا نوجوان شکار ہو جاتا ہے۔

یہ جسمانی نمو اور نشو و نما کا دوسرا دور ہوتا ہے۔ پہلا دور چار برس کی عمر تک ہے۔ نہ صرف یہ کہ دماغ اِس زمانہ میں تیزی سے بڑھتا بلکہ ہڈیاں اور عضلہ بھی مضبوط ہوتے ہیں۔ پہلے سال بدن کا وزن دو سو فیصد بڑھتا ہے اور تیس فیصد دوسرے سال بدن کی لمبائی پیدائش کے وقت ۲۰ انچ ہوتی ہے۔ لیکن بچہ جب چلنے کے قابل ہوتا ہے تو تقریباً ۳۴ انچ کا ہو جاتا ہے۔

پانچ برس کے بعد نسبتاً نمو میں ٹھہراؤ پیدا ہو جاتا ہے۔ اِس کے بعد بلوغ کے زمانے میں پھر نمو شروع ہوتا ہے۔ بچہ بہت تیزی سے بڑھنے لگتا ہے۔

جنسی غدود بڑھنے لگتے ہیں اور پورے بدن میں ایک برقی رو ڈور جاتی ہے۔ اِن غدود اور اعصابی تاروں میں قریبی تعلق ہوتا ہے۔

نمایاں تبدیلیاں ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ ۲۰ فیصد وزن بڑھ جاتا ہے۔ قد کئی انچ دراز ہو جاتا ہے۔ ۱۴ سے ۱۶ سال کے لڑکے تقریباً ۱۸ انچ بڑھ جاتے ہیں۔

تناسلی اعضاء کے ارد گرد بال اُگ آتے ہیں۔ لڑکیوں کی چھاتیاں نمایاں طور پر اُبھرنے لگتی ہیں اور حیض آنا شروع ہوتا ہے لڑکوں کی آواز پھٹ جاتی ہے۔ اور نمایاں فرق پیدا ہو جاتا ہے اور اُن کے چہرے پر بال نمایاں ہو جاتے ہیں جس کو مسیں بھیگنا کہتے ہیں۔

بھوک بڑھ جاتی ہے۔ جنسی اشتہا پیدا ہو جاتی ہے۔

۹ سے بلوغ تک بچے والدین کو زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔ لڑکا باپ سے زیادہ لاگو ہوتا ہے۔ لڑکی بالغ ہونے کے بعد باپ سے زیادہ وابستہ ہو جاتی ہے۔

بچپن اور بلوغ جوانی کا راستہ دکھاتے ہیں

بچے کی پیدائش، اُس کا ماحول اور بچپن اور بلوغ کے زمانے میں اُس کے تجربے اُس کی عادتوں کے ڈھلنے کے ذمہ دار ہیں۔ اگر بچپن اور بلوغ نارمل اور مسرت بخش رہا ہے تو نوجوان بھی متوازن اور خوش مزاج ہوگا۔ اور اُس کی تمام قوتیں ترقی کر سکیں گی۔

اِس زمانہ میں کسی کام کے کرنے اور اُس کے نتیجہ سے فائدہ اٹھانے میں لطف آتا ہے۔ کچھ حاصل کرنے کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔ وہ جسمانی اور ذہنی اعتبار سے ~~ہوتا ہے~~ غیر متوازن دکھائی دیتا ہے۔ اور محنت اور کام کرنے میں مسرت محسوس کرتا ہے۔ وہ غلطیوں کی اصلاح کرتا ہے اور اپنے مقصد کو حاصل کرنے کی خاطر Perfection حاصل کرنا چاہتا ہے۔

زندگی ایک جوکھم ہے جب تک ہم زندہ ہیں۔ لیکن جوانی میں اس جوکھم کے کچھ اور ہی مفہوم اور معنی ہو جاتے ہیں۔ اِس زمانے میں فضول خرچی نقصان اور ضرورت سے زیادہ عیش و عشرت میں مبتلا ہو جانے سے بچنا چاہیئے۔ اصل میں یہ بڑھاپے کی تیاری کا زمانہ ہے۔ اِس زمانہ

میں جسمانی اور ذہنی صحت کا خیال رکھنا چاہیئے۔

آرام کو بدن کو ڈھیلا ڈالنا صحت کو قائم رکھنے کے لئے ضروری ہیں۔

"اپنے آپ کو سمجھو" زرین اصول ہے۔ اپنی کمزوریوں، خامیوں، اور صلاحیتوں کو سمجھ لینا ضروری ہے۔ کبھی اپنی سکت سے زیادہ محنت کرنے کا ارادہ نہ کرو۔

بالغ نہ بچہ ہوتا ہے نہ بڑا۔ بچپن کی سرحد ختم ہونے کے بعد قبل بلوغ تک ایک درمیانی منزل میں قدم رکھتا ہے۔ یہ راستہ نہایت کھٹن، نہایت دشوار، ہنایت پُرخطر ہے۔ یہ راستہ بال سے زیادہ باریک، تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہے۔ اس راستہ میں پھونک پھونک کر قدم رکھنے کی ضرورت ہے۔

اب اُس میں خود شعوریت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس خود شعوریت کی وجہ سے اُس کی سوہان روح اور کوفت بڑھ جاتی ہیں۔ جب تک احساس نہ تھا وہ بے فکرا تھا۔ لاپرواہ تھا لیکن اب احساس نے اُس میں جان لیوا احساس پیدا کر دیئے۔

بچپن کے مذہبی خیالات اور قدامت پرست لوازمات اُس کے رگ وپے میں سرایت کر چکی ہیں، وہ تصوراتی دنیا میں رہنے کا عادی رہا ہے۔

سن بلوغ اندرونی ہیجان کا زمانہ ہے۔ اُس کے دل ودماغ میں ایک طوفان برپا ہے۔ ایک خاموش جوالہ مکھی کے اندر ہی اندر ہی لاوا کھول رہا ہے۔ جوش مارتا رہتا ہے جو ہر وقت پھٹ پڑنے کے لئے تیار ہے بے پناہ موجیں اُٹھ رہی ہیں جو بند کو توڑ دینے کے لئے ٹھاٹیں مار رہی ہیں۔

ایک آگ ہے جو دل کے اندر لگی ہے اور سارے جسم کو بھونک دینے کے لئے بڑھ رہی ہے۔ دل کی دنیا تہ و بالا ہے۔

صرف ذہنی ہیجان ہی نہیں بلکہ جسمانی تبدیلیاں بھی نہایت تیزی سے رونما ہو رہی ہیں جسم جس تیزی سے بڑھ رہا ہے دماغ اُس کا ساتھ نہیں دے رہا ہے۔ ابھی شعور پختہ نہیں ہوا ہے۔

بالغ ایک ارتقائی تخلیق اور مظہر قدرت عجیب و غریب اور انوکھی چیز ہے

بلوغ اور سن بلوغ سے پہلے دو سال کے زمانہ کو قبل از سن بلوغ کا زمانہ کہتے ہیں۔ اور اسی زمانہ میں جسمانی نمو اور جسمانی تبدیلیوں میں تیزی پیدا ہو جاتی ہے۔ بلوغ وہ زمانہ ہے جب جسمانی تغیرات اپنی تکمیل کو پہنچ جاتے ہیں اور جنسی طاقت کا شباب ہوتا ہے لڑکیوں کو پہلا حیض آتا ہے اور لڑکوں کو منی بارور جرثومے پیدا ہو جاتے ہیں اور اُن کو احتلام ہونے لگتا ہے۔

انگلستان میں لڑکیاں عموماً ۱۲ برس کی عمر میں اور لڑکے چودہ برس کی عمر میں بالغ ہو جاتے ہیں۔ گرم ممالک میں بچے سن بلوغ کو کہیں جلد پہنچ جاتے ہیں۔

بلوغ کی کیفیات

قبل بلوغ کے زمانہ سے شروع ہو جاتی ہیں اور جاری رہتی ہیں۔
لڑکے دو برس پیچھے رہ جاتے ہیں۔

بلوغ کے زمانے میں جسمانی اور ذہنی تبد یلیاں تیزی سے ہوتی رہتی ہیں۔ اِسی دوران میں بچہ اپنی انفرادیت کو سمجھنے لگتا ہے۔ اور اُس میں خودداریت اور خودمختاری پیدا ہو جاتی ہے وہ زیادہ سے زیادہ آزادی چاہتا ہے۔ وہ بڑوں کی گرفت سے نکل جانا چاہتا ہے۔ اُس کو سرپرستی اچھی نہیں معلوم ہوتی اور وہ حلقہ بندیوں کو پھلانگنا چاہتا ہے۔ روکاوٹوں کو دور کرنا چاہتا ہے قیود کی زنجیروں کو توڑ پھینکنا چاہتا ہے۔ پابندیوں کے طوق کو گلے سے اُتار پھینکنا چاہتا ہے ان بیڑیوں کے حلقوں کو توڑ دینا چاہتا ہے جو اُس کے پیر میں ڈال دی گئی ہیں۔ وہ کسی کی اجازت کا پابند نہیں رہنا چاہتا اور اپنے ٹولی کے اشاروں اُن کی روایتوں اور اُن کی روش پر عمل کرنا چاہتا ہے۔ وہ اپنے ہم چشموں، اپنے ہم عمروں میں اپنا مقام حاصل کرنا اور محفوظ رکھنا چاہتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اُس کے برابر والے اُس کے ساتھی اس کو عزت کی نظر سے دیکھیں اُس کو بزدل اور ڈرپوک نہ سمجھیں۔

انفرادی فرق اب نمایاں ہو جاتے ہیں۔ خدوخال صاف نظر آتے ہیں۔ کمزوریاں اور خوبیاں اُجاگر ہو جاتی ہیں۔

نوعمر بالغ کو صرف اِس سے سروکار ہوتا ہے کہ وہ کیا ہے۔ کون ہے اور اُس سے زیادہ عمر کا بالغ یہ بھی سوچنے لگتا ہے کہ کیا کیا جائے۔

چند ابتدائی غیر متمدن سوسائیٹیوں میں بلوغت کے زمانہ میں نیم مذہبی رسمیں ہوتی ہیں اور اُن کے اختتام پر چند اور خاص رسوم ہوتے ہیں اور اُس کے بعد بالغ بڑوں کی سوسائٹی میں داخل کر لیا جاتا ہے۔ پھر اُس پر کچھ پابندی نہیں رہتی۔ کوئی روک ٹوک نہیں رہتی بڑے پن کی مہر اُس پر لگ جاتی ہے۔ یہ چند گھنٹوں یا چند دن میں ہو جاتا ہے

بلوغ کا طویل زمانہ تو ہماری مہذب سوسائٹی کا طرۂ امتیاز ہے

لڑکیوں کے لئے شادی کے لئے خود مرضی دینے کا زمانہ، بارہ چودہ یا اٹھارہ سال رکھا گیا ہے۔ بچہ جب مشین چلانے کے قابل بن جائے۔ وہ نشہ لانے والی منشیات اٹھارہ یا اکیس برس میں فروخت کر سکتا ہے۔ سترہ برس کا لڑکا فوج میں داخل کیا جا سکتا ہے اور اٹھارہ برس کا لڑکا چالان کیا جا سکتا ہے۔ بہت سی ریاستوں میں ووٹ دینے کی عمر اکیس سال رکھی گئی ہے۔ بہت سی ریاستیں ووٹ کی عمر اٹھارہ سال کر دینی چاہتی ہیں۔

موجودہ متمدن سوسائٹی میں لڑکے اور لڑکیاں تنہا اپنی مرضی

سے آزادانہ طور پر آ جا سکیں یتیرہ چودہ برس کی عمر سے شروع ہو جاتا ہے۔ ایک خاص عمر پر پہنچ کر لڑکیوں کو لپ اسٹک اور روش استعمال کرنے کی اجازت دے دی جاتی ہے۔ خصوصاً جب انھیں اپنے مرضی کے موافق پہلے پہل مرد دوست کے ساتھ جانے کا موقع ملتا ہے۔ اب تو ڈنر جاکٹ استعمال کرنے کی اجازت بھی نسبتاً کم عمری میں دیئے جانے کا مطالبہ پر مطالبہ ہو رہا ہے۔ خصوصاً ایسی عمر میں جب بچوں کے موچھوں اور داڑھی کے بال نمایاں ہونے لگتے ہیں اور اُن کو اپنا اُسترا استعمال کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ کم استطاعت اور غریب طبقوں میں بچے نہ صرف جلد جوان ہو جاتے ہیں، بلکہ ماں، باپ دوست احباب ہمسایہ اور اُن کے طبقے اور سوسائٹی کے لوگ اُن کی اِس حیثیت کو تسلیم کر لیتے ہیں، اور نہ اشارے کنائے کرتے ہیں۔ نہ ناک بھوں چڑھاتے ہیں اور نہ فقرے کستے ہیں۔

بالغ اور اُس کے والدین

بالغ اپنے والدین اور خاندان کی جکڑ بندی سے آزاد ہونے کے لئے انتہائی ہاتھ پیر مارتا ہے۔ ظاہر ہے کہ والدین کے لئے یہ وقت بڑا سخت ہوتا ہے۔ اُن کو یہ دیکھ کر سخت صدمہ ہوتا ہے کہ جس کے لئے انہوں نے راتوں کی نیند حرام کی، دیکھ رہے وہ اب اِن کی پرواہ نہیں کرتا۔ اُن کی بات سنی اَن سنی کر دیتا ہے۔

پیٹ موڑ کر چلتا پھرتا نظر آتا ہے۔ پھر وہ گھر سے غائب رہتا ہے
پاس نہیں بیٹھتا اور اُن میں کوئی دلچسپی نہیں لیتا۔ اُن کی نظر میں دنیا
سیاہ ہو جاتی ہے۔ وہ زمانے کو کوسنے لگتے ہیں کہ کیا زمانہ آگیا ہے
خون سفید ہو گئے ہیں۔ اصلیت سے ناواقف وہ نا خطا کار کو خطا کار
سمجھتے ہیں۔ ہر وقت سمجھاتے رہتے ہیں۔ وہ ناطقہ بند کرنے، ناک
میں دم کرنے سے اور گھبراتا ہے۔ دور بھاگتا ہے۔ بچنا چاہتا ہے
نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اجنبیت کی خلیج وسیع سے وسیع تر ہوتی جاتی ہے
اب گھر کا صرف کھانے، سونے اور کپڑے پہننے کی جگہ رہ جاتا
ہے۔ وہ اپنا زیادہ وقت دوستوں اور ہم جولیوں کے ساتھ
باہر کلب، ہوٹل، چائے خانہ اور سینما میں گزارتا ہے۔ اگر جیب میں
پیسے کافی نہ ہوں تو مجبوراً کھانے کے لئے گھر آنا پڑتا ہے اور اسی
وقت اُس کے والدین سے اُس سے مڈبھیڑ ہو جاتی ہے۔ دسترخوان
ایک اکھاڑہ بن جاتا ہے۔ اپنا اپنا داؤ ہر ایک چلاتا ہے اور اس
بیچارے کو چاروں خانے چت گرانا چاہتا ہے۔ گھر میں سوائے
محرومی، شکست کے اُس کو کچھ نہیں ملتا۔ گھر کیا ہے ایک اڈہ ہے۔
جہاں وہ جھک، ذلت، تکرار کا سواگت کرتے ہیں خفگی، بیزارگی، ناراضگی، نفرت
اور مایوسی اُس کا ہر وقت سواگت کرتے ہیں۔

والدین اور بالغ اپنے اپنے مورچے سنبھالا کرتے ہیں۔ حملوں
کی نئی نئی تیاریاں ہوتی ہیں۔ تدبیریں سوچی جاتی ہیں۔ بالغ
چاہتا ہے کہ اُس کو بچہ اور بڑا دونوں کے مراعات ملیں۔ وہ حقوق
تو حاصل کرنا چاہتا ہے لیکن اپنے فرائض نہیں ادا کرنا چاہتا۔ والدین

کے نقطہ نظر سے فرائض کا سمجھنا اور اُن کی بجا آوری بلوغ کی نشانی اور علامت ہے۔ اُسے کون عقل کا کورا بالغ کہہ سکتا ہے جو اپنے فرض کو نہیں سمجھتا۔

والدین کو چاہیئے کہ پندرہ برس کی عمر کے لڑکے کے ساتھ بڑوں کی طرح سلوک کریں۔ اُس کو چھوٹا نہ سمجھیں والدین چاہتے ہیں اور اُن کا ارمان ہوتا ہے کہ اُن کے بچے جلد بڑے ہو جائیں لیکن وہ اپنا بڑا پن اور حکومت قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ وہ بالادستی کو ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہتے۔

عموماً جن امور پر والدین اور بالغوں میں غلط فہمی پیدا ہوتی ہے اور بحث مباحث ہو جاتے ہیں وہ دوستی، وقت کی پابندی، کپڑے لتے، روپیہ پیسہ، گھر کے معمولی، معمولی، کام کاج، طرز معاشرت اور ٹیلیفون کا استعمال ہیں۔ بالغ اپنے والدین کو بنا دٹی سمجھتے ہیں۔

پست اقتصادی طبقہ سے تعلق رکھنے والے بچے جلد مدرسہ چھوڑ دیتے ہیں۔ وہ ملازمت اختیار کر لیتے ہیں گھر کے بجٹ میں انہیں بھی اپنی کمائی سے کچھ نہ کچھ مدد کرنی پڑتی ہے۔ وہ کچھ عرصہ تک اپنے والدین ہی کے ساتھ رہتے ہیں۔ وقتاً فوقتاً روپیہ پیسہ اور آزادی سے متعلق جھگڑے ہوتے رہتے ہیں۔

وہ زندگی کی اساسی اقدار کو لاشعوری طور پر سیکھتا ہے۔ من بنا خیال اور ضبط تیرویں سے انیسویں برس میں پیدا ہو جاتے ہیں

بلوغت سے ذرا پہلے جارحانہ، بے ڈھنگا، شور و غل مچانے والی باتونی پیرنٹس کے بچے پسند کئے جاتے ہیں۔

اس زمانہ میں لڑکیاں، خاتون نما، دوست نما، خوبصورت، تربیت پذیر، اطاعت گزار، صفائی پسند، خاموش، خوش اخلاق متواضع، منکسر المزاج، پرجوش ہوں تو بھلی معلوم ہوتی ہیں، اور بہت جلد ہر دلعزیز ہو جاتی ہیں۔

اس زمانہ میں ضروری ہے کہ بالغ دوسروں کے ساتھ رہن سہن کا طریقہ سیکھے اُس کو دوسروں کے دل میں گھر کرنے کا گُر معلوم ہو۔ وہ ماحول سے مطابقت پیدا کر سکے۔ لوگ اُس کو پسند کریں۔ وہ مختلف ذریعے مقبول بننے کے استعمال کرتا ہے۔ یہاں تک کہ لوگ اُس کی تعریفیں کرنے لگتے ہیں۔ تعریف جتنی واضح ہو اتنی بہتر ہے

جماعتی فرق

متوسط طبقہ میں وہ ادنیٰ طبقہ کے ساتھ اُٹھتا بیٹھتا ہے اُس سے اختلاط نہیں بڑھا سکتے۔ سوائے اُن چند نفوس کے جو اپنی ذاتی قابلیت کی وجہ سے مثلاً بہترین اور ذہین ترین طالب علم، بہترین مقرر، بہترین، آرٹسٹ، بہترین، اسپورٹ میں، یا بہترین اتھلیٹ۔

اپنی سوسائٹی میں پہلے سے کہیں زیادہ حد بندی شروع ہو گئی ہے۔ دوستیاں بھی اپنے سے برابر والوں سے کی جاتی ہیں۔

ادنیٰ طبقہ کے نابالغ متوسط اور اعلیٰ طبقہ والوں کو حسد و رشک

کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ متوسط طبقہ کے بالغ نچلے طبقہ کے نوجوانوں کی صحت، ہمت وجرات اور روشن دماغی پر رشک کرتے ہیں۔ وہ بھی جنسی اختلاط سی آزادی اے چاہتے ہیں جتنی آزادی سے نچلے طبقہ والے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ لیکن باوجود بڑوں کی حدبندیوں اور پابندیوں اور قیود کے ان طبقوں کے درمیان خیالات کا لین دین جاری رہتا ہے۔ خصوصاً آج کل بالغ ان پابندیوں کی زیادہ پرواہ نہیں کرتے۔ وہ نسبتاً زیادہ نڈر ہوگئے ہیں۔ والدین کو چاہیئے کہ پابندیاں کم سے کم کر دیں۔ قیود عائد کی بھی جائیں تو شاذونادر، تاکہ بڑوں اور چھوٹوں کے درمیان جو ایک ناگوار کشمکش ہے وہ ایک حد تک کم ہو سکے اور دونوں نسبتاً سکون کی زندگی بسر کر سکیں۔ اور اسی طرح بالغ بغیر الجھنوں کے بلوغیت کے طوفانی سمندر کو پار لگا سکتے ہیں۔ فہم عامہ اب سنورتی جاتی ہے اور اب رفتہ رفتہ والدین بلوغیت کی ضرورتوں کو سمجھ رہے ہیں۔

بلوغ

بلوغ سے پہلے دو سال۔ بلوغیت اور جسمانی نشوونما

لڑکیوں میں بلوغیت آٹھ برس کے سن سے اور لڑکوں میں دس

برس کے سن سے پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ بلوغ سے دو سال پہلے بچے جسمانی طور پر پھیل جاتے ہیں۔ وہ ایک دم بڑھتے ہیں۔ بلوغ سے ایک سال پہلے نمو تیز تر ہوتی ہے۔ یہ نشوونما لڑکیوں میں سترہ اور لڑکوں میں انیس برس تک جاری رہتی ہے۔ اس عمر پر پہنچ کر جسمانی نمو کی تکمیل ہو جاتی ہے۔

بچہ اس زمانہ میں تقریباً پچیس فیصد بڑھتا ہے۔ اور وزن میں دونا ہو جاتا ہے۔ اس نمو کا نتیجہ ہے کہ بچہ کی بھوک بے تحاشا بڑھتی ہے۔ اس زمانہ میں اس کی غذا کا خاص خیال رکھا جانا چاہیئے۔ ہمہ قسم کے وٹامن اس کی غذا میں شامل رہنا چاہیئے۔ اس کا کھانا متوازن اجزا پر مشتمل ہو۔

لڑکیاں گیارہ اور چودہ برس کی عمر میں بہت تیزی سے بڑھتی ہیں۔

اس زمانہ میں گردن، بازو اور پیر بہ نسبت دھڑ کے زیادہ بڑھتے ہیں۔ لڑکوں کے کاندھے پھیل جاتے ہیں۔ لڑکیوں کے کولھے بڑھ جاتے ہیں۔

چہرہ کے تناسب میں فرق آجاتا ہے۔ بدن کے بالوں میں بھی تغیر، پیدا ہو جاتا ہے۔ سینہ پر بال، اُگنے لگتے ہیں۔ یہ بلوغ کی نشانی ہے۔ کھال میں بھی تبدیلیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ وہ زیادہ کھردری ہو جاتی ہے اور مسام بڑھنے لگتے ہیں۔ پسینہ میں زیادہ بو پیدا ہو جاتی ہے۔ بلوغ کے زمانے میں خون کا دباؤ بڑھ

جاتا ہے۔ بلوغ سے پہلے لڑکیوں کے خون کا دباؤ لڑکوں سے زیادہ ہوتا ہے لیکن بلوغ کے بعد معاملہ برعکس ہو جاتا ہے اور لڑکوں کے خون کا دباؤ لڑکیوں سے بڑھ جاتا ہے۔

بلوغ جنس کے عروج کا زمانہ ہے۔ بلوغ کے قریب لڑکیوں میں سال یا دو سال اوسر پن، بنجر پن، کا زمانہ ہوتا ہے۔

لڑکیوں کی چھاتیاں بلوغ پر نمایاں ہو جاتی ہیں

لڑکوں کا اعضاء تناسل بڑھ جاتا ہے۔ فوطہ اور خصیے دانی بھی بڑھ جاتی ہے۔ اعضاء تناسل تننے لگتا ہے اور ہم بستری کی تمنا اور خواہش ہوتی ہے جس سے اس کو جنسی سکون حاصل ہوتا ہے۔ سوتے میں احتلام ہوتے ہیں۔ منی خود بخود خارج ہو جاتی ہے۔ بدخوابی ہوتی ہے۔ آواز میں تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے۔

بالغ اس زمانہ میں صرف اپنی ذات میں دلچسپی لیتا ہے۔ وہ اپنی بابت سب کچھ جاننا چاہتا ہے۔ وہ اپنے برابر والوں سے بچھڑ جاتا ہے۔ یہ نہایت نازک زمانہ ہے۔ بالغ۔ تردید، تناقص، تخالف میں مبتلا رہتا ہے۔

وہ شکایت کرتا ہے کہ اُس کے والدین اسکو نہیں سمجھتے۔ وہ بوریت محسوس کرتا ہے۔ مایوسی اُس کو گھیر لیتی ہے۔ وہ پڑھنے

تخیلات سے چھٹکارا پانے اور نئے خیالات کو اپنانے کی کوشش کرتا ہے
اُس کو اپنی دور رخی زندگی کا احساس ہو جاتا ہے۔ جسمانی اور روحانی
بالغ قطعی جھگڑنے سے اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہے۔ جب
وہ پژمردہ ہوتا ہے تو میلوں خاموش اکیلے چہل قدمی کرتا ہے یا
لمبی لمبی غم زدہ انقباضی نظمیں یا مضمون لکھتا ہے یا خودکشی کی
سوچتا رہتا ہے۔

وہ مفلس، کچلے ہوئے عوام کے مصائب کو محسوس کیا کرتا ہے ان کے
الام پر آہیں بھرتا اور آنسو بہاتا ہے۔ ذرائع سوچتا ہے کہ ان مصیبت
زدہ غم کے ماروں کو کس طرح چھٹکارا دلایا جائے۔ ان کی زندگی
کو پر سکون اور ایک گونہ مسرت انگیز بنایا جائے۔ ان زیادتیوں
کو کیسے مٹایا جائے اور ان غلطیوں کو کیسے درست کیا جائے۔

بالغ مذہب سے بہت جلد متاثر ہوتے ہیں۔ مذہب کے نام
پر بہت جلد مشتعل ہو جاتے ہیں۔ وہ ایک لفظ بھی اپنے مذہب
کے خلاف نہیں سن سکتے۔ بالغ مروجہ اقدار کو چیلنج کرتا ہے اور
اپنے والدین کے اقتدار کو بھی قبول کرنے کو تیار نہیں ہوتا۔

بالغ، کمیونسٹ، سوشلسٹ، کانگرسی یہاں تک کہ دہریہ
ہونے کا امکان رکھتا ہے، وہ اس بات کا قایل ہوتا ہے کہ
محبت میں کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں ہونی چاہیئے۔

بچہ کو بڑوں کے زمرے میں شامل ہونے کے لئے کافی لمبی اور
عرصہ دراز تک صبرادتحمل سے امیدواری کرنی پڑتی ہے۔ فرد تب
جیسے ہی بڑا تصور کیا جائے گا جب اس کی سوسائٹی اُس کو ممبر

سمجھیے۔ بڑوں کو بالغوں کے ساتھ اخلاق کے ساتھ پیش آنا چاہیے۔
ان کا احترام کرنا چاہیے۔ بڑوں کو سب سے زیادہ جس بات
کے سمجھنے کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ کہاں چشم پوشی کی جائے
اور کہاں انگشت نمائی۔ کن امور پر روک ٹوک کی جانی ضروری ہے
اور کون سے امور نظر انداز کر دیے جانے کے قابل ہیں۔ جو کوئی
کام کیا جائے رفتہ رفتہ کیا جانا چاہیے۔

بالغ ہونے کے بعد والدین اور بچے میں از سر نو نئے رشتے اور
تعلقات قائم ہونا چاہیے۔ پرانے تعلقات فرسودہ ہو گئے۔ اُن سے
کام نہیں چلے گا۔ نئے تعلقات کی اساس پر ایک دوسرے کی
انفرادیت کا احساس ہوتا ہے۔

بالغوں کو اُن کے وسیلوں اور ذریعوں پر نہیں چھوڑ دینا
چاہیے۔ کیوں کہ اُن کے اور ذریعے اب بھی بہت ہیں۔

بلوغ خود مختاری کی تیاری کا زمانہ ہے۔ والدین کو اُس کے
پہلو میں ہونا چاہیے جب وہ اڑنا سیکھ رہا ہے۔ اُس کو سہارا
دینے کی ضرورت ہے۔ اُس کی دلجوئی کی جانی چاہیے۔ اُس کی
رہبری اور رہنمائی کی جانا ضروری ہے۔

والدین کو اصل   مخرج اور معنوی   میں امتیاز کرنے کی
ضرورت ہے۔ والدین میں وسعت نظر اور تحمل جیسی خوبیاں
ہونی چاہیئے تاکہ اس آویزش کو وہ بہت سنجیدگی سے نہ لیں۔
والدین کو چاہیئے کہ بچوں پر ہر وقت تاکید نہ کریں۔ انہیں
جہاں تک ممکن ہو اُن کو آمرانہ طرز اختیار نہیں کرنا چاہیئے۔ بالغوں کے

غصہ اور جھنجھلاہٹ کا اثر دل پر نہیں لینا چاہئیے۔ اُن کو سمجھ لینا چاہئیے کہ اس عمر میں حکم عدولی ہو ہی جاتی ہے۔ بالغوں کی نظر میں بزرگوں کی توقیر گھٹ جاتی ہے۔ یہ کھٹ پٹ نا دیر پا نہیں ہوتا۔ اکثر بالغوں کا یہ کہنا کہ مجھے تم سے نفرت ہے، میں تمہارا منہ نہیں دیکھنا چاہتا۔ تمہارے ساتھ رہنا مجھے ایک لمحہ بھی گوارا نہیں کا منشا یہ ہوتا ہے کہ مجھے تم سے انتہائی محبت ہے اور میں بغیر تمہارے ایک ساعت سکون سے بسر نہیں کر سکتا۔

بالغوں کے حملے کا جواب حملہ نہیں بلکہ تحمل اور صبر ہے۔ پرسکون طریقہ پر اُن اسباب وعلل پر غور کرو جو بالغ کو باغی بنا رہے ہیں، اُن وجوہ کو دور کرنے کی سعی کی جانی چاہئیے جن کی بناء پر یہ کشمکش پیدا ہوئی اور بڑھتی جاتی ہے۔ وہ پابندیاں برداشت نہیں کر سکتا اور تم پابندیاں عاید کرنے پر تلے ہوئے ہو۔ اب بھلا بتاؤ۔ سمجھوتہ ہو تو کیونکر ہو۔ اس نوجوان میں یقیناً کوئی نہ کوئی نفسیاتی خامی ہے۔ جس کو اپنے بزرگوں سے کوئی اختلاف نہیں۔ یا تو وہ اپنے والدین کو دھونس دے کر دبا لینا چاہتا ہے اور باہر جو چاہتا ہے کرتا ہے کوئی پوچھنے والا نہیں یا وہ خود اس قدر کمزور اور ڈرپوک ہے کہ ہاتھ پیر ڈال کر خاموش ہو بیٹھتا ہے۔ غرض یہ کہ دونوں صورتیں خطرناک ہیں۔ کیوں کہ ہمارا مقصد تو یہ ہے کہ ہمارے بچے اپنے آپ سوچنے اور اپنے ذمہ دارانہ نمایاں کام انجام دینے کے قابل بنیں۔ یہ اُسی وقت ممکن ہے جب کہ ہم اُن کو ایسے مواقع فراہم کریں کہ وہ خود سوچ سکیں، اور خود کام کر سکیں،

ذمہ داریاں سپرد کی جانے پر ذمہ دارانہ کام کرنے کے قابل انسان بن سکتا ہے۔ کام کرنے سے کام آتا ہے۔ صرف زبانی جمع خرچ سے کام نہیں چلتا۔

اصل میں ہم اپنی اثبات جرم، احساس تصور کی سچائی اور پختگی کے خود قائل نہیں اسی وجہ سے خیالات کے بازار میں ہم ان کو آزادانہ طور پر آنے نہیں دیتے، کیوں کہ عقل کی کسوٹی پر کھرا کھوٹا فوراً پرکھا جائے گا۔

والدین اور بالغوں کے درمیان جو مخالفت ہے اس پر زیادہ زور نہیں دیا جانا چاہئے۔

بالغ اکثر سمجھتے ہیں کہ جنسی معاملات میں وہ نارمل نہیں

یہ والدین اور مدرسین کا فرض منصبی ہے کہ جنسی معاملات کی نوعیت کو وضاحت سے نہایت آسان طریقے سے بالغوں کے ذہن نشین کر دیں تاکہ غلط فہمیاں باقی نہ رہیں۔ ان امور کو سمجھ لینے کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ خود خطرناک تجربے کرنے سے محفوظ رہے گا اور اس کی جنسی زندگی ہموار طور پر گزرے گی۔

جنسی اخلاقیات کو ڈر اور خوف کے ذریعہ سے بچوں کے ذہن یں جاگزین نہیں کرنا چاہیئے۔ وہ گھر کی روزمرہ کی زندگی میں جنسی اخلاقیات سیکھتا ہے۔ خاندان میں جنسی تعلقات کا وہ خاموش مطالعہ کرتا ہے۔

اخلاق کی بنیاد پر خود پرستی، اور دوسروں کی عزت کرتا ہے

بلوغ کی تکمیل پر صرف جنس بنیادی یا اساسی محرج نہیں رہتا بلکہ محبت بنیادی مسئلہ بن جاتا ہے۔

بالغ ہر ایک کی محبت میں گرفتار ہونے کا میلان رکھتا ہے۔ بشرطیکہ اُس کا ذرا دل بڑھایا گیا ہو۔

لڑکا محبت کو تخیل یا تصور کے زور سے بڑھا تا چڑھاتا ہے۔ اور جنسی اختلاط سے منحرف ہوتا ہے۔ اِس کے بر خلاف لڑکی کے لئے محبت اور جنسی اختلاط کا چولی دامن کا ساتھ ہے، وہ ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں کئے جا سکتے۔

والدین کو بالغوں کے جنسی تصورات اور خیالات سے ہمدردی کرنا چاہیئے اور اُن کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ انہیں اُن ہستیوں کی بھی توقیر کرنی چاہیئے جن سے بالغوں کے جذبات شدّت کے ساتھ

وابستہ ہوں۔ دھونس اور زیادہ دباؤ سے بالغ کی زندگی دوبھر نہیں بنانا چاہیئے۔

بلوغ کے زمانے میں بچے سماجی اقدار کو نہیں سمجھتے اُن کی نظر میں خاندانی یا قومی وقار کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ وہ ان فرسودہ اقدار کو ڈھکوسلہ سمجھتے ہیں۔ وہ کوئی بات بنی بنائی تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہوتے لہٰذا معمری لچک اور مزاح کی ضرورت ہے۔ تاکہ بالغوں کی زندگی خوشگوار بن سکے اور زندگی واقعی اس قابل ہو کہ بسر کئے جانے کی تمنا پیدا ہو۔ فرد کو یہ سیکھنا ہے کہ کب نمونہ کے مطابق کرے اور کب نمونے کے مطابق نہ کرے۔ کب چپ رہے اور کب بولے۔ کیونکہ بولنے کی جگہ پر چپ رہنا اور چپ رہنے کی جگہ بولنا نہ صرف بیوقوفی اور حماقت کی نشانی ہے بلکہ بعض اوقات خطروں اور مصیبتوں کا پیش خیمہ ہے۔

اگر فرد کی زندگی خوشگوار اور پُر مسرت ہو تو وہ آسانی سے شہادت کے لئے تیار نہیں ہو جایا کرتے۔

جنس

انسان کی زندگی کے بہت سے معاملات جنس سے تعلق رکھتے ہیں

شادی انتہائی مسرتوں کا پیش خیمہ ہوتی ہے اور شادی سے زندگی

جہنم بھی بن جاتی ہے۔ مسرت اور غم کے بیج بچپن ہی میں بو دیئے جاتے ہیں۔

پر مُسرت جنسی تعلقات شادی کو کامیاب بنانے میں ممد و معاون ہوتے ہیں۔ بہت سی شادیاں جنسی تعلقات کے غیر ہموار ہونے کے سبب تباہ و برباد ہو جاتی ہیں۔ پہلے ہمیں یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ بچے کی جنسی زندگی بلوغ سے شروع نہیں ہوتی بلکہ اس سے کہیں پیشتر شروع ہو جاتی ہے۔ بلوغ کے قریب اندرونی کشمکش شروع ہو جاتی ہے اور وہ توازن قائم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

دو سال کی عمر میں بچہ اپنے اعضاء جنسی کو سمجھنے لگتا ہے وہ اُس سے کھیلنے لگتا ہے۔ تین سال کی عمر میں وہ اپنے ماحول سے کسی شخص کو چن لیتے ہیں۔ جس سے انتہائی محبت کرنے لگتے ہیں۔ عمر کی قید نہیں، ہو سکتا ہے کہ وہ اس کا ہم عمر ہو۔ عمر میں بڑا ہو، یا بزرگ ہو، جنسی تعلقات کے بہت سے زاویئے نمایاں ہوتے ہیں۔ مثلاً بھینچ کر پیار کرنا۔ لپٹنا۔ چمٹنا رشک، حسد، بہادری اور ایسی قسم کی دوسری حرکات۔ یہ جذبہ کچھ دن تک کارفرما رہتا ہے۔ اور کچھ مہینوں کے بعد غائب ہو جاتا ہے۔ اور بلوغ پر پھر نمودار ہوتا ہے۔

چار یا پانچ برس کی عمر میں وہ جنس سے متعلق سوال پوچھنا شروع کرتے ہیں مثلاً بچے کیوں کر پیدا ہوتے ہیں؟ کہاں سے آتے ہیں؟ وغیرہ۔

آٹھ برس کی عمر میں بچہ پھر سوالات شروع کر دیتا ہے۔ اس عمر میں وہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ چیزیں کیسے بنتی ہیں اور بچے کیسے پیدا ہوتے ہیں۔ سوالوں کے جواب میں انتہائی صبر و تحمل سے کام لینا چاہیئے۔

پہلا جنسی تجربہ

بچہ کی کمسنی کے زمانہ میں سب سے زیادہ پریشانی والدین کو تہلس کی وجہ سے ہوتی ہے۔ دس برس کی عمر کے بعد عموماً یہ عادت پڑ جاتی ہے۔ دس سے سترہ برس کے بچے کے لئے یہ کوئی مضر صحت بخش چیز نہیں ہے۔۔

اس زمانہ میں جنسی اعضاء تناسل میں دباؤ کھچاؤ اور تناؤ پیدا ہوتا ہے۔ لڑکا تہلس کے ذریعہ تسکین حاصل کرتا ہے۔ تہلس سے منی نکل جاتی ہے اور ایک سکونی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر اس عادت میں زیادتی نہ ہو تو نہ جسمانی اعتبار سے اور نہ دماغی اعتبار سے تہلس مضر ہے۔ اصل میں وہ بے سرو پا قصے جو تہلس کی بابتہ مشہور ہیں بچوں کے ذہن پر نقصان دہ اثر کرتے ہیں

جنسی گھراؤ سے اکثر اندرونی توازن بگڑ جاتا ہے۔ عموماً نفسیاتی الجھاؤ اور خرابیاں بلوغ کے زمانہ میں پیدا ہوتی ہیں۔ نوجوان کی شخصیت اور انفرادیت کی جڑیں ہل جاتی ہیں، اور نیا توازن حاصل کرنے میں برسوں لگ جاتی ہیں۔ اس میں کوئی تعجب

جنس کے بارغ کے تمام مشاغل متاثر ہوتے ہیں۔

لڑکیاں بھی اس عمر میں تحلیل کرتی ہیں۔ وہ بے چین بے چین سی رہتی ہیں ــــ کھینچاؤ، تناؤ اور تنگ مزاجی ۔ نمایاں ہو جاتی ہے اُو کام کا معیار گر جاتا ہے وہ غیر صفائی پسند ہو جاتی ہیں۔ پارٹیوں اور محفلوں سے بچتی اور صحبت سے گھبراتی ہیں۔ اور ایک قسم کا جارحانہ جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔

جنسی اختلاط کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں

اول جنسی خواہش دوسرے جذبہ محبت

یہ دونوں جذبے مختلف ادوار میں پیدا ہوتے ہیں، اور مختلف راستوں پر چند دنوں تک ترقی کرتے رہتے ہیں۔

بلوغ کے بعد لڑکی اور لڑکے جسمانی اتصال کی خواہش کرتے ہیں جس سے اخلاقی مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ احساس پیدا ہوتا ہے۔ جسمانی، اخلاقی، روحانی اور جذباتی تصورات ایک دوسرے میں ملے ہوئے ہوتے ہیں۔

اب اُن کو اُس کا حقیقی معنی میں احساس ہوتا ہے کہ وہ واقعی بڑے ہو گئے ہیں۔ جنسی تسکین خوش و خرم زندگی کا پیش خیمہ ہوتی ہے دنیا کی تمام دولت، تمام مسرتیں، تمام عیش و عشرت وہ سکون قلب عطا نہیں کر سکتے جو جنس کی تسکین سے حاصل ہوتا ہے۔

انسان جب باپ بنتا ہے تو کامل، ذمہ داری محسوس کرتا ہے

بلوغ کے زمانہ میں مذہب بھی نمایاں حیثیت اختیار کر لیتا ہے اخلاقی ضابطے سدِّراہ ہوتے ہیں۔ اب یہ سوالات جنم لیتے ہیں: ایسا کیوں ہوتا ہے؟ زندگی کیا ہے؟ اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ ہم کیوں اور کس لئے زندہ رہنا چاہتے ہیں؟ اب خود سوچنے لگتا ہے وہ اپنی زندگی بسر کرنے کا منصوبہ خود بناتا ہے۔ وہ اپنا پیشہ یا ذریعہ معاش منتخب کرتا ہے۔

لڑکی اور لڑکوں کی زیادہ تعداد ۱۴ یا ۱۶ برس کی عمر سے اپنی روزی کمانے کا کام شروع کر دیتی ہے، اُن کو اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی معاشی ضرورت پڑ جاتی ہے۔ اُن کو اپنا اور اپنے متعلقین کا پیٹ بھرنا پڑتا ہے۔

بالغ کو ہر ہر قدم پر مدد، رہبری اور رہنمائی کی ضرورت پڑتی ہے اُس کو اپنے سماجی ماحول کو وسیع سے وسیع تر بنانے کے مواقع عطا کئے جانے چاہئیں۔ تاکہ وہ اپنی صلاحیتوں اور قابلیتوں کا مظاہرہ کر سکے۔

پانچواں باب

بچہ اور ارث

شکل و صورت، ناک نقشہ، جثہ، ہڈیوں کی بناوٹ، چہرہ کا کتابی، یا چپٹا ہونا، کالا، پیلا، زرد، اور سرخ و سفید رنگ، بالوں اور آنکھوں کا رنگ غرض یہ کہ اسی قسم کی بہت سی باتیں عموماً بچہ کو وراثت میں ملتی ہیں۔ حبشی ماں باپ کے بچے کالے رنگ کے ہوتے ہیں۔ ان کے بال گھونگریالے ہوتے ہیں۔ ناک پھیلی ہوئی اور ہونٹ موٹے موٹے لٹکتے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس کے برخلاف گورے رنگ کی کاکیشین نسل کے لمبے قد کے گورے چٹے آدمی ہوتے ہیں۔ ان کی ناک اونچی اور ستواں اور لب پتلے اور نازک ہوتے ہیں چینی، زرد، چپٹے اور چھوٹے قد کے ہوتے ہیں۔ شمالی ہندوستان کے پنجابی کی شکل وصورت اور بدن کی بناوٹ جنوبی ہندوستان کے آدمی سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔ یہ جسمانی اختلاف جغرافیائی حالات کی وجہ سے رونما ہوتے ہیں۔

خصوصاً پرانے زمانے میں جب آمد و رفت کے ذرائع نہایت دشوار تھے۔ ایک جغرافیائی قطعہ والے دوسرے جغرافیائی قطعہ کے رہنے والوں سے مل جل بھی نہیں سکتے تھے۔ اختلاط کے کوئی مواقع نہیں تھے۔ لہٰذا نسلوں میں خلط ملط ہونے کے امکان کم تھے۔ ایک نسل کے آدمی اپنی ہی نسل میں شادی بیاہ کرتے تھے اس لئے نسل کی نمایاں خصوصیات قائم رہتی تھیں، لیکن آج حالات بدلے ہوئے ہیں اور روئے زمین پر خالص نسل مشکل ہی سے نظر آتی ہے۔ قدیم زمانہ میں خالص نسل ہو تو ہو لیکن اب یہ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ آئندہ کبھی کہیں خالص نسل نہ ملے گی۔

خالص نسل کے معنی یہ ہیں کہ کسی قسم کا غیر خون ماں باپ کی طرف سے نسل میں داخل نہ ہوا ہو۔ خصوصی۔ امتیازی اوصاف ایک نسل کے آدمیوں میں ایک قسم کی فطری امتیازی خصوصیتیں ہوتی ہیں۔

نیگرو، سفید نسل کا ہند و یورپی منگولین

سفید رنگ کا ہند و یورپی

سفید رنگ، آنکھوں کی رنگت ہلکی بھوری سے لے کر ہلکی آسمانی، بال

سیاہ گھونگریالے اور سیدھے دونوں قسم کے ہوتے ہیں، مردوں کے سینے بازوں، اور پنڈلوں پر اور سر پر بال ہوتے ہیں۔ ناک ستواں اور اونچی ہوتی ہے، پیشانی ڈھلواں، ہونٹ پتلے ہوتے ہیں قد متوسط ہوتا ہے۔

منگولین

دنیا میں سب سے زیادہ آبادی منگولین نسل کے آدمیوں کی ہے بھوری یا گہری بھوری پتلیاں ترچھی آنکھ، رنگ بھورے سے پیلاہٹ لئے ہوئے۔ کالے بال۔ کھردرے اور سیدھے۔ ناک چھوٹی، اور موٹی، ناک کا بانسہ جھکا ہوا۔ منگولین کا چہرہ ذرا چپٹا سا ہوتا ہے قد و قامت۔ ناٹا، اور موٹا۔ چھوٹی موڑی ہوئی ٹانگیں، دھڑ کافی لمبا منگولین، شمال وسط اور جنوبی ایشیا میں پائے جاتے ہیں۔ امریکن انڈین بھی منگولین ہیں۔

برتری نسل، برتری کس بات کی

برتری قوت جسمانی میں یا برتری تمدن اور تہذیب میں، علم و حکمت میں اختراع و ایجاد میں۔ کیا کچھ نسلیں پیدائشی اور فطری طور پر زیادہ سمجھدار اور عقلمند ہوتی ہیں بہ نسبت دوسری نسلوں کے۔

کیا وہ پیدائشی طور پہ دوسروں پر حکومت کرنے کے لئے پیدا ہوتی ہیں۔

لیڈرشپ اُن کے خمیر میں ہوتی ہے۔ اور دوسری کمزور قوموں کا استحصال ان کا قدرتی اور فطرتی حق ہے؟

کیا ایک کو برتری حاصل ہے اور دوسرا کمتر ہے

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بعض نسلوں کا دماغ زیادہ بڑا ہوتا ہے بہ نسبت دوسری نسلوں کے پسینہ کی بو نیگرو کے پسینہ کی بو سفید رنگ کے ہند و یورپی کے پسینہ کی بو سے مختلف ہوتی ہے۔ مختلف نسلوں کے اعصابی نظام میں بھی فرق پایا جاتا ہے۔ تجربوں سے ثابت ہوا ہے کہ حبشی اور منگولین سے کاکیشنز کا (I.Q.) بڑھا ہوا ہوتا ہے بینیٹ ٹیسٹ

American Indian 75 - Negro I.Q. averages 99

I.Q.۱۰۰ کاکیشین (جاپانی - چینی) ۹۹.

سماج میں بھی اس حساب سے درجہ بندی ہوتی ہے۔ بعض ماہرین نفسیات کا خیال ہے اور تجربہ نے بھی ثابت کر دیا ہے۔ کہ خراب تعلیم و تربیت کا اثر IQ پر پڑتا ہے۔ ماحول اور سماجی حالات بڑی حد تک اثر انداز ہوتے ہیں۔ کسی نسل کا تمدنی عروج و زوال بھی عبرت خیز ہے۔ عرب، ہندوستانی، چینی، مصری، وغیرہ جو کبھی تمدن کے بام عروج پہ تھے آج انتہائی پس ماندہ ہیں۔

اپنے قدیم تاریخ پر فخر کرنے والے، پرکھوں کی پرستش کرنے والی قوم آگے بڑھنے، اور ترقی کرنے کے بہت کم امکان رکھتی ہے۔

مادی ماحول بھی اثر انداز ہوتا ہے،

جسمانی ترقی کا زیادہ دار و مدار وراثت پر ہے۔ مضبوط اور تندرست ماں باپ کے بچے بھی عموماً مضبوط اور تندرست ہوتے ہیں، مدقوق، کوڑھی، مخبوط الحواس ماں باپ کے بچے بھی کمزور اور دائم المریض ہوتے ہیں۔

دماغی صلاحیتوں کا بھی ایک بڑی حد تک انحصار ماں باپ کی صلاحیت اور قابلیتوں پر ہوتا ہے۔ ذہین ماں، باپ کے بچے بھی ذہین ہوتے ہیں، البتہ طویل خطرناک بیماریاں، خراب اور کم غذا، گندا ماحول، جذباتی صدمات دماغی صلاحیتوں پر اثر انداز ہوتے ہیں

تعلیم و تدریس میں وہ بچے جلد اور خاطر خواہ ترقی کرتے ہیں جن کی جسمانی صحت اچھی ہوتی ہے، اور ہر وقت چاق و چوبند، ہشاش بشاش رہتے ہیں، جن کو غذا اچھی ملتی ہے اور جن کا ماحول خوشگوار ہوتا ہے، اور جن کو ذہنی سکون نصیب آتا ہے، اور جن کے جذبات کی صحت مند تربیت ہوتی ہے۔

بچہ اور ماحول

بچہ جس ماحول میں تربیت پاتا ہے اُس کا کلچر سیکھ لیتا ہے۔ وہ کلچر کی بہت سی باتیں نقل، تنافر آفرینی، پسندیدگی، اور ناپسندیدگی سے سیکھتا ہے، وہ ایک خاص حرکت یا چند حرکات کو ایک ہی وضع سے ہر وقت کرتے دیکھتا ہے، اُس کی آنکھیں اُس قسم کے مناظر کی عادی ہو جاتی ہیں، اُس کے کان بار بار ایک خاص قسم کے الفاظ سنتے رہتے ہیں، گھر والوں اہل خاندان اور محلہ والوں کے طور طریقے، آداب اور رسم ورواج کو وہ نہ صرف دیکھتا ہے بلکہ برتتا ہے۔ یہ تمام چیزیں اُس کی زندگی کا ایک جزو بن جاتی ہیں۔

بچہ کی شخصیت کی تعمیر میں بہت کچھ ہاتھ ماں، باپ اعزاء واقربا، ہمسایوں، مدرسین، ہم جماعت اور ہم صحبت افراد کے خیالات، توہمات اور کردار کا ہوتا ہے۔

بچہ لاشعوری طور پر اپنے سماجی اور اخلاقی اقدار کو اپنا لیتا ہے۔ بچہ نہایت شاطر نقال ہوتا ہے، جو نمونے دیکھتا ہے اُن کا ہو بہو چربہ اُتار لیتا ہے یہ نمونے بُرے ہوں یا بھلے اس سے اُس کو کچھ سروکار نہیں رہتا۔ چھان بین اور امتیاز کی قوت ابھی اُس میں پیدا نہیں ہوتی اس واسطے یہ تربیت کرنے

والوں کا فرض ہے کہ اچھے، پاکباز، خلیق اور مہذب نمونے اُس کے سامنے پیش کریں۔ خوبصورت، خوشنما، اور دیدہ زیب چیزیں اُس کے سامنے پیش کی جائیں اور کریہہ، بدصورت، بدوضع اور بدنما چیزوں سے اُس کو کراہت پیدا کرائی جائے۔ تو اُس کی حِس جمالیات صحیح معنی میں ترقی کرے گی۔

نشوونما کے لئے پہلی اہم چیز ماحول پُر توجہ ہے۔ اور اِس کے لئے چیزوں کی ضرورت ہے۔ چیزیں ماحول میں ہوتی ہیں۔ توجہ کے لئے ایک جگہ چاہیئے۔ مندر، مسجد، گرجا، مدرسہ، بچّے کو ایسی چیزیں چاہیئے جس پر وہ اپنی توجہ کو مرکوز کر سکے۔

بچّے بچّوں کو آپس میں اپنی زبان میں سمجھاتے ہیں جو اُن کے سمجھ میں فوراً آجاتی ہے کیوں کہ اُن کی زبان اور طرزِ استدلال سے وہ زیادہ مانوس ہوتے ہیں۔

علاوہ بریں مختلف سوشل اسٹینڈرڈ سے لڑکے اور لڑکیاں ساتھ کھیلتی ہیں، جس سے میل ملاپ پیدا ہوتا ہے۔

بچہ کی ترقی صرف عمر پر منحصر نہیں ہے بلکہ جتنی زیادہ چیزیں وہ دیکھتا ہے ترقی کرتا ہے

بچّے کمزور اور غریب کی مدد کرتے ہیں، وہ اُن پر ظلم نہیں کرنے

وہ اُن سے نفرت نہیں کرتے ہیں۔ فرد کی تکمیل گروپ کے ساتھ سوشل زندگی کی فلاح کے لئے ضروری ہے۔ اِس کی کمی کی وجہ سے ہماری موجودہ سوسائٹی اور تہذیب زوال پذیر ہے۔

تنظیم کے ساتھ ساتھ سوسائٹی میں کامل اتصال کی بھی ضرورت ہے۔ اچھے قوانین اور اچھا آئین ہی کافی نہیں۔ اس پیوستگی اور اتصال کی مثال مسلمانوں میں حج کی رسم ہے ہٹلر اور مسولینی نے یہ ثابت کر دیا کہ اگر بچوں کو تربیت دی جائے اور ایک خیال پرستی کے تحت اُن کو ڈرل کیا جائے تو برسوں کی محنت شاقہ کے بعد وہ متحد ہو جاتے ہیں۔

ہم بچوں کی تعمیری اور ایجادی جبلت کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ بچے محنت اور مشقت میں مسرت محسوس کرتے ہیں، وہ کام کے حسن و قبح کو سمجھتے ہیں۔ مغموم کو تسلی دیتے ہیں اور کمزور کی مدد کرتے ہیں۔

ابتداء سے بچے میں مسابقت، رقابت، حوصلہ اور امنگ کی تعلیم نہ دی گئی تو اکیس، بائیس برس کی عمر میں اُس میں اخلاقی اور روحانی اقدار ایکدم کیسے پیدا ہو سکتے ہیں، اُس کو ان قدروں کو سمجھنے اور اپنانے کا موقع ہی نہیں دیا گیا۔ اُس کی ابتدا سے تربیت غلط اصولوں پر ہوئی

اب صرف کہنے سے اور لکچر دینے سے اچھا شہری نہیں بن جاسکتا لہذا شہری بننے کے لئے سالہا سال اچھی تربیت کی ضرورت ہے، وہ بھی خصوصاً لڑکپن میں، جب وہ آسانی سے غیر شعوری طور پہ ارتسامات قبول کرنے کے قابل ہوتا ہے۔

بھلائی ایک دوسرے کی مدد سے وجود میں آتی ہے

نیچر رہبری کرتا ہے۔ بچہ اپنے نیچر کے موافق ترقی کرتا ہے صرف مسلسل کوشش اور لگاتار تجربہ کی ضرورت ہے اگر یہ نہیں تو کتنا بھی یکتا رہے کچھ اثر نہیں ہوگا۔

کوئی سزا بچہ کی غلطی کو درست نہیں کرسکتی، صرف مشق اور تجربہ اُس کو درست کرسکتا ہے۔ لہذا سزا اور انعام بچوں کے حق میں نامناسب طریقے ہیں۔

ماحول

ہم نتیجہ ہیں ارث اور ماحول کا۔ ارث کے ذریعہ سے ہم اپنی صلاحیتیں، کرداری، خصوصیت اور امتیازی وصف، میلان ورجحان

کمزوریاں اور قوتیں حاصل کرتے ہیں۔

ہمارا ماحول، مہد سے لحد تک تمام مادی اور شخصی حالات، و واقعات پر مشتمل ہوتا ہے۔ وہ ہمکو اچھے یا بُرے سانچے میں ڈھالتا ہے، ہم کو شریف یا کمینہ بناتا ہے۔

ہم اپنے ماحول کا حصہ ہیں اور اُسی کے مطابق ہماری اٹھان ہوتی ہے۔ ہم بھی ماحول پر اثرانداز ہوتے ہیں۔ عمل اور ردعمل کا یہ سلسلہ جاری ہے۔ ہم کس حد تک اپنے ماحول پر اثرانداز ہو سکتے ہیں۔ یہ ہماری فطری قابلیت اور صلاحیت پر منحصر ہے۔ ہمارے کردار کی پختگی اور کمزوری پر بہت کچھ انحصار ہے ماحول کا اثر بے پناہ ہے۔

ماحول دو اجزاء سے بنا ہے،

پہلا مادی۔ لوگ جن سے ہم روز ملتے جلتے ہیں

دوسرے ہماری گھریلو زندگی اور گھر کے باہر کی زندگی

ہمیں سب سے پہلے مادی پس منظر کا جائزہ لینا چاہیئے ہم سب دماغ اور روح رکھتے ہیں اور ہم ہر مشکل پر قابو پا سکتے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ مادی ماحول ہماری زندگی کے ڈھالنے میں

کہاں تک دخل اور اثر رکھتا ہے۔ ذہنی اور جسمانی صحت آپس میں اسقدر گتھی ہوئی ہے کہ ماہر نفسیات ڈاکٹر ہی پتہ چلا سکتا ہے کہ مرض کی اصل وجہ نفسیاتی ہے یا جسمانی۔ جسمانی بیماریاں عموماً ماحول کی خرابیوں سے پیدا ہوتی ہیں۔ بہت ہی کم یا شاذ و نادر بیماریاں ایسی ہیں جن کے جراثیم ورانتاً ماں باپ سے بچّے کو ملتے ہیں۔

دق پیدا ہونے کے امکانات پیدا ہو سکتے ہیں لیکن دق سے مبتلا والدین کا بچّہ دق کے جراثیم لے کر پیدا نہیں ہوتا۔ دق نتیجہ ہوتا ہے ماحول کی خرابیوں اور گندگیوں کا۔ خراب غذا خراب گھر، کم روشنی، کم اور ناصاف ہوا دق کی وجہ ہیں۔ اس کے یہ معنی ہوئے کہ ماحول مشتمل ہوتا ہے غذا، گھر، پانی، ڈرینج، کام کرنے کے حالات، روشنی، ہوا اور قدرتی مناظر سے۔ اِن عناصر پر ہماری جسمانی تندرستی کا انحصار ہے۔

اگر یہ تمام چیزیں خاطر خواہ طور پر میسر نہ آئیں تو ہماری شخصیت کا نمو ٹھٹھر جاتا ہے۔ مادی ماحول ہماری زندگی کے رُخ کو ہی بدل دیتا ہے۔ ہم مختلف زاویہ نظر سے دیکھنے لگتے ہیں۔ گندا ماحول گندی ذہنیت پیدا کرتا ہے۔ اور غلاظت میں رہنے والے لوگوں کی طبیعت گری گری سی رہتی ہے۔ وہ مغموم اور سست رہتے ہیں سلم سلم باشی پیدا کرتے ہیں۔ محل میں پیدا ہونے والا شہزادہ ہوتا ہے ساتھ رہنے والے ساتھ بڑھتے ہیں۔ وضع، اخلاق، وعادات، طور طریقے آدمی کو بنانے بگاڑنے ہیں۔

محبت و پیار کے ماحول میں ساتھ رہنے سے ایک دوسرے سے محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ ایک مدت تک ساتھ رہتے، سہتے ایک دوسرے کو ایک حد تک سمجھ جاتے ہیں۔

والدین، عزیز، ساتھی، ہم مکتب، ہم محلہ، اور ساتھ کام کرنے والے، آجر، آجرین، اور وہ جن سے زندگی میں کسی وقت ہم ملتے جلتے رہتے ہیں۔ وہ جن کو ہم نفرت کی نظر سے دیکھتے ہیں، اور جن کو دیکھ کر بس، ٹریم اور ریل میں منہ موڑ لیتے ہیں سب مادی ماحول میں شامل ہیں۔

کچھ سے ہمارا ربط و ضبط مخلصانہ ہوتا ہے اور کچھ سے مخاصمانہ اور کچھ سے سرسری، نہ دوستانہ، نہ دشمنانہ، لیکن ان سب سے ملنے کا اتفاق ہوتا ہے اور ایک دوسرے پر برا اور اچھا اثر برابر ہوتا رہتا ہے، وہ خوش قسمت ہے جس کا ماحول اُس کے موافق ہو، وہ یقیناً بدقسمت ہے جس کا ماحول اُس کے خلاف ہو۔ جو اپنے ماحول سے اُنسیت رکھتا ہے ہمیشہ خوش رہتا ہے۔ جو اپنے ماحول سے بیزار ہے وہ اپنی زندگی سے بھی بیزار رہتا ہے۔

موجودہ دور میں ہم ایک سے زیادہ ماحول میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ گھر کی زندگی اور گھر کا ماحول، کام کاج کرنے کا ماحول، اور دفتر یا ورک شاپ کا ماحول، ہو سکتا ہے کہ آدمی پیدا ہوا ہو جھونپڑی میں، رہتا بھی جھونپڑی میں لیکن کام کرتا ہو شہر کے بہترین ہوٹل یا سینما گھر میں

اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ آدمی پیدا ہوا ہو بہترین گھر میں لیکن

کام کرتا ہو ورک شاپ یا کوئلہ کی کان میں، ان ہر دو صورتوں میں گھر کا ماحول باہر کے ماحول اور کام کاج کرنے کے ماحول سے بالکل جداگانہ ہوگا۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آدمی گھر پر جہنمی زندگی بسر کرتا ہے، ہر وقت کرکراہٹ، تنازعات، لیکن گھر کے باہر اپنے فرائض ادا کرتے وقت خوش اور مطمئن رہتا ہے۔ اور ایسا بھی ممکن ہے کہ انسان کی گھر کے باہر دفتر، ورک شاپ وغیرہ میں زندگی دوبھر ہو لیکن گھر میں خوش و خرم اور مطمئن زندگی گزارتا ہو۔

کچھ بھی ہو گھر کا ماحول کردار کے ڈھلنے میں بہت بڑا دخل رکھتا ہے۔ اس کے اثرات دوررس ہوتے ہیں۔

گھر کا ماحول بھی وقتاً فوقتاً بدلتا رہتا ہے۔ بچپن میں گھر کا ماحول مشتمل ہوتا ہے۔ والدین، بھائی، بہن، عزیزوں، رشتہ داروں نوکر چاکروں سے جو گھر میں رہتے اور کھانے پینے، رہتے سہتے ہیں۔

یہ ماحول بچّہ کی شخصیت کے بنانے اور بگاڑنے میں ممد و معاون ہوتا ہے۔ اُس کے بعد بچّہ گھر کے باہر زندگی بسر کرتا ہے۔ محلہ کے بچّوں کے ساتھ اُٹھتا، بیٹھتا، کھیلتا کودتا ہے،

پھر بچہ مدرسہ جانا شروع کرتا ہے جہاں اُس کے چھ سات گھنٹے خرچ ہوتے ہیں۔ مدرسہ کا ماحول گھر کے ماحول سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ وہاں وہ طرح طرح کے عجیب و غریب لڑکوں اور ماسٹروں سے ملتا ہے۔ مدرسہ کی عمارت بھی بچّہ کی سیرت سازی میں بڑا دخل رکھتی ہے۔ مدرسین اور ہم مکتب بچہ کے کردار بنانے میں بڑا حصّہ

ادا کرتے ہیں۔ زندگی کے متعلق اُن کا زاویہ نظر بدل جاتا ہے۔

بچّہ بڑا ہونے کے بعد اپنا گھر چھوڑتا ہے، دوسرا گھر بساتا ہے

اب نیا ماحول پھر دو عناصر پر مشتمل ہوتا ہے۔ مادی اجزاء، اور دوسرے گھر کے رہنے سہنے والے۔

نارمل عمر آدمی شادی کر لیتا ہے۔ اُس کے گھر میں بیوی اور اُس کے بچے ہوتے ہیں۔ ماڈرن خاندان مشتمل ہوتا ہے صرف میاں بیوی اور بچوں پر۔

وہ دوسرے کی زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے۔ وہ زندگی کے نئے حالات کا مقابلہ کرتا ہے۔ اور اپنے آپ کو نئے ماحول کے مطابق ڈھال لیتا ہے۔ اُس کی شخصیت میں نمایاں تبدیلیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

بڑے ہونے کے بعد اُس کی دلچسپیاں بدل جاتیں اور وسیع ہو جاتیں ہیں۔ متوسط طبقہ کے آدمی کو باہر کام کرنے کے لئے اور اپنی روزی کمانے کے لئے جانا پڑتا ہے۔ اُن کے کام کی نوعیت، حالات، اور کیفیات اچھے ہوں یا بُرے۔ اُس کو اپنے کام میں لطف آتا ہے یا اُس کا کام اُس کے لئے عذاب جان ہے۔ کام میں اُس کی صلاحیتیں اُجاگر ہوتی ہیں اِ

اہمیت بہت پڑجاتی ہے۔ اُس کا دماغ پژمردہ ہوتا جاتا ہو یا تیز اور
اس کے کام کو سراہا جاتا ہو یا کوئی پرواہ نہ کرتا ہو۔ غرض یہ کہ اسی
قسم کی کئی باتیں اُس کے کردار کو بناتی یا بگاڑتی ہیں۔

اوقات فرصت گزارنے کا سوال بھی بہت پیچیدہ ہے۔
ایک نوجوان اپنے فرصت کے اوقات اتھلیٹک لٹریری یا تفریحی کلب میں گھر
اور مدرسہ سے باہر گزارتا ہے۔

معمر آدمی سوشل اور سیاسی کلب میں وقت گزارتا ہے

گھر اور کام سے باہر کے لوگوں سے ملاقات اور دوستی ہو جاتی ہے
اصل مقصد یہ ہے کہ ان صحبتوں اور ان دوستیوں کا بھی زندگی
پر اثر پڑتا ہے اور کافی حد تک زندگی کے بنانے اور بگاڑنے میں اس
ماحول کا بھی ہاتھ رہتا ہے۔

بعض وقت ہم اپنے ماحول کو منتخب کرنے پر قدرت رکھتے
ہیں۔ ایسے موقعوں پر ہم کو چاہیئے کہ ایسا ماحول منتخب کریں جو ہماری
طبیعت اور مزاج سے میل کھاتے۔ جب طبیعتیں ملیں گی تو خوش و
خرم زندگی بسر کرنے کے امکانات بڑھ جائینگے۔

جس طرح سوداگر اپنی دوکانیں وہیں لگاتے ہیں جہاں اُن کے

کام کی ضرورت ہوتی ہے، وکیل وکالت کا دفتر وہیں کھول کر بیٹھتا ہے
جہاں موکل زیادہ آتے ہیں۔ یہاں تک کہ آرکیٹیکٹ بھی مکان بناتے
وقت اطراف واکناف کی ضرورتوں پر نظر رکھتا ہے اور اُس کے
مطابق نقشہ بناتا ہے۔

باغبان، باغ کی داغ بیل ڈالتے وقت اور کیاریوں کے
تختے سجاتے وقت ماحول پر نظر رکھتا ہے۔ کہاں کونسا پودا زیب
دے گا۔ کونسی بیل کہاں چڑھانا چاہیئے۔ کون سے اور کس قسم اور
کس رنگ کے پھولوں کے تختے کس طرف خوبصورت معلوم ہوں گے۔
پتھریلی زمین پر وہی پودے نہیں لگائے جاسکتے جو نرم زمین پر لگائے
جاتے ہیں۔

اسی طرح جانور بھی اپنے قدرتی ماحول میں بڑھ اور ترقی کر سکتے
ہیں۔ جب ادنیٰ مخلوق کو ماحول سے مطابقت کی اس قدر
ضرورت ہے تو ظاہر ہے کہ آدمی جو اشرف المخلوقات ہے اُس
کو ماحول کی مناسبت اور مطابقت کی کسقدر ضرورت نہ ہوگی۔

ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ہم اپنے ماحول کو کس حد تک اختیار
کر سکتے ہیں۔ ماحول جس کا دیرپا اثر بچّہ کی کردار سازی پر پڑتا ہے

ہمارے عمر کا ابتدائی حصّہ دوسروں کے رحم وکرم پر منحصر ہوتا
ہے۔ بچپن اور بلوغ کے زمانے میں ہمارا بہت کم عمل دخل ماحول
کے اختیار کرنے میں ہوتا ہے۔ جس ماحول میں ہم پیدا ہوئے اور
پرورش پائے مجبوراً ہمیں اُسی ماحول میں رہنا پڑتا ہے۔

ہمارے گھر اور ہمارے مدرسہ کا ماحول ہمارے بڑے ہمارے

لئے منتخب کرتے ہیں۔ اچھائی برائی کی ذمہ داری اُن کے سر ہے۔

اگر ہم خوش قسمت ہیں تو کھاتے پیتے گھر میں پیدا ہوئے ہیں۔ جہاں آرام و آسائش کی تمام چیزیں موجود رہتی ہیں اور ہمارے نشو و نما کی تمام ضرورتیں پوری ہوتی رہتی ہیں۔ اگر بد قسمت ہیں تو ایسے مفلس اور قلاش گھر میں پیدا ہوتے ہیں کہ نہ تن کو کپڑا اور نہ پیٹ کو روٹی نصیب ہوتی ہے۔ اگر والدین شریف، ہمدرد اور محبت کرنے والے ہیں تو سبحان اللہ۔ اگر وہ جاہل، سخت گیر اور پھوہڑ ہیں تو اوائل عمری ہی سے مٹی پلید ہو جاتی ہے۔ غلاظت اور گندگی میں سانس لینا پڑتا ہے۔ کمسنی سے زبان پر مغلظات گالیاں چڑھ جاتی ہیں۔ نہ جسمانی نمو ممکن ہوتا ہے اور نہ ذہنی نشو و نما ہو سکتا ہے، اگر باپ اور ماں شروع سے بچہ چاہتے ہی نہ ہوں۔ اور بچہ خواہ مخواہ ہی ہو پڑا ہو تو ایسی صورت میں بچہ کی جو دُرگت ہوتی ہے ظاہر ہے۔

اگر ہم اپنے والدین کو خود منتخب کر سکتے تو ماحول کی ذمہ داری ہم پر عائد ہوتی ہے۔ لیکن یہ معاملات ہمارے اختیار سے باہر ہیں۔ اسی طرح مدرسہ کی زندگی کی بھی ذمہ داری ہم پر عائد نہیں ہوتی۔ پھر والدین بھی مدرسہ وہی چن سکتے ہیں۔ جس میں پڑھانے کی اُن میں مالی اور معاشی سکت ہو۔

امیروں کے لڑکے اچھے اور معیاری مدرسوں میں پڑھتے ہیں، جن میں اعلیٰ سند یافتہ اور تربیت یافتہ مدرسین پڑھاتے ہیں اور ماحول بھی صاف ستھرا ہوتا ہے۔ اگر مدرسہ دور ہے تو سواری پر

جا سکتے ہیں۔ اور بچّہ کے ساتھ جانے آنے کے لئے ملازم ہوتے ہیں، لیکن اگر والدین غریب ہیں تو مجبوراً پاس کے مدرسہ میں داخل کرا دیا جاتا ہے چاہے اُس مدرسہ کا ماحول اچھّا ہو یا بُرا۔ تعلیم ہوتی ہو یا مفت میں وقت ضائع کیا جاتا ہو۔ ہم مکتب بچّے مہذب ہوں یا غیر مہذب۔

بچّہ جو کچھ کر سکتا ہے صرف اتنا کر سکتا ہے کہ ذرا سمجھ دار ہو کر اپنی مشکلات کا اظہار کر سکے۔ یہ بڑوں کا کام ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اس کی دشواریوں کو دور کریں۔ اُس کی مشکلوں کا حل تلاش کریں۔ کمیوں کو پورا کریں۔ اگر یہ عقلمندی اور ہمدردی کے ساتھ کیا گیا تو بچّہ کے نشو و نما میں خاطر خواہ ترقی ہوگی۔

نسبتاً عورتیں ماحول کے منتخب کرنے میں اتنا دخل نہیں رکھتیں جتنے مرد، کیونکہ مرد کماتا ہے اور وہی مالک اور حاکم ہوتا ہے۔ اُس کی خواہش پر عورت کو چلنا پڑتا ہے۔ لہٰذا مرد جہاں رہنا پسند کرتا ہے رہتا ہے۔ نوجوان جب کمانے لگتا ہے اپنا ماحول اپنے لئے منتخب کر سکتا ہے۔ لیکن ہندوستان میں دقیانوسیت اور قدامت پرستی کی وجہ سے تمام افرادِ خاندان اب بھی ایک ہی گھر میں رہتے ہیں۔ بہت کم نوجوان شادی ہونے کے بعد اپنے ماں باپ سے الگ اپنا گھر بساتے ہیں۔ نوجوان اپنے پیشہ کا بھی خود تعین کر سکتا ہے۔ اُس کو ایسے ماحول میں اور ایسا کام کرنا چاہئیے کہ اُس کی جسمانی اور ذہنی صحت قائم رہے، اور اُن پر مضر اثرات مرتب نہ ہوں۔ اور کام اُس کی صلاحیتوں کے مطابق اور حق کے ساتھ

اُس کو کام کرنا پڑتا ہے وہ تہذیبی اور ذہنی اعتبار سے برابر کے ہوں۔

فرصت کے وقت کو گزارنے پر ہم خود قادر ہوتے ہیں۔ چاہے باغبانی کریں، چاہے کلب میں جائیں اور گنجفہ کھیلتے رہیں، چاہے سینما میں وقت گزاریں، چاہے چہل قدمی کو نکل جائیں، چاہے موٹر چلائیں یا کشتی کھیلتے رہیں۔ بہر صورت ہمیں من بھاتے کام کرنا چاہیئے جس ماحول میں مسرت اور سکون حاصل ہو فرصت کے اوقات میں وہ ماحول اختیار کیا جائے۔ فرصت کے اوقات کا ماحول بدلتے رہنا ہمارے اختیار کی بات ہے۔ مرد یا عورت جو گھر پر کوفت کی زندگی گزارتے ہیں یا دفتر اور کام پر جھنجھلاتے رہتے اور اوبتے رہتے ہیں فرصت کے اوقات میں جسمانی، ذہنی، روحی سکون اور خوشی حاصل کر سکتے ہیں ہم اپنی خواہش کے دوست اور ساتھی فرصت کے اوقات کے جلیس چن سکتے ہیں۔

ماحول ایسا ہو کہ کم سے کم رکاوٹیں اور پابندیاں اور قیود بچہ پر عائد کرے کیونکہ رکاوٹوں کی صورت میں بچہ کی شخصیت، اور انفرادیت آزادانہ طور پر نشو ونما نہیں پا سکے گی۔

ماحول معیاری ہو تا کہ نمونوں کی نقل کر کے بچہ مہذب شہری بن سکے

Rule of thumb سے کام نہیں چلیگا۔ ہمیں بچہ کا غور سے مطالعہ کرنا چاہیئے۔ اُس کی شخصیت، اُس کی قابلیت وصلاحیت اور اُس کا ماحول یہ سب امور والدین کی نظر میں رہیں۔ اساتذہ کی ذمہ داری بھی نہایت اہم ہے۔ بچوں کی دیکھ بھال اُن کی تربیت، اُن کی طفلانہ خوشیاں اُن کی تربیت پر منحصر ہیں۔

اُن کو سمجھ لینا چاہیئے کہ بچے کمسنی میں مجبور محض ہوتے ہیں۔ وہ زندگی کے معمول سے پہلے پہل دو چار ہوتے ہیں اور بڑوں کی رہبری و مدد کے طلبگار ہوتے ہیں، بڑوں کی طرح بچے بھی غلطیوں پر غلطیاں کر کے سیکھتے ہیں۔ تجربہ سب سے بڑا معلم ہے۔ اگر والدین اپنے بچوں کی مشکلات کی گتھی نہ سلجھا سکیں تو اُن کو دوسروں سے رائے مشورہ لینے میں نہ شرمانا چاہیئے۔ والدین کا سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ وہ اس امر پر نظر رکھیں کہ بچہ کب رنجیدہ اور غمگین ہوتا ہے اُس کے اُداس رہنے کی کیا وجہ ہے؟ اُس میں زندگی کی چہل کیوں نہیں؟

بچہ کے مضمحل رہنے کی سب سے بڑی وجہ اُس کا ماحول ہے

ماحول میں کچھ نہ کچھ خرابی ضرور ایسی ہے جو بچے کے ننھے سے دل و دماغ پر مضر اثر پڑا ہے۔ یہ مضر اثر دور کئے جانا ضروری ہے وہ جب ہی دور کئے جا سکتے ہیں جب آپ اُن کو سمجھ لیں۔

سزا اور کردار سازی

انسان جس کی زندگی توہمات سے گھری ہوئی ہو آزاد نہیں ہے وہ مقید ہے۔ کہاوت ہے کہ "سزا نہ دو تو بچہ برباد ہو جاتا ہے"۔

پرانے زمانہ میں شیطان کو ڈنڈے کے زور پہ دور کرتے تھے۔

بچہ کو شیطان مجسم سمجھا جاتا ہے اور اُس کی شرارتوں کو جسمانی سزا کے ذریعہ دور کیا جاتا تھا۔

بچہ کو دھوکہ نہیں دیا جا سکتا۔ جس کو تم صحیح اور سچ نہیں سمجھتے اُس بات کو بچے کی نظر میں سچا ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ بچہ سے تو تم کہتے ہو کہ اجنبیوں اور مہمانوں کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آنا چاہئیے لیکن اُن کی موجودگی میں تم خود اجنبیوں اور مہمانوں کے ساتھ ترش روی

سے پیش آتے ہو۔ بھلا بتاؤ تمہاری نصیحت کا اُس پر کیا اثر پڑیگا
تمہاری عزت اُس کی نظر میں کیا ہو گی۔

جھوٹ بولنے سے منع کیا جاتا ہے بڑے دن رات اُس کے سامنے
صریحاً جھوٹ بولا کرتے ہیں۔ چوری گناہ ہے لیکن نوکر چاکر چراتے
ہیں اور مکر جاتے ہیں۔ غصہ عیب ہے لیکن باپ، ماں پر اور اماں
نوکروں پر ہر وقت برستی رہتی ہیں۔ یہاں تک بچہ بھی بعض وقت
بے گناہ بے قصور پیٹ جاتا ہے۔ پھر آپ ہی بتلائیے کہ ایسے ماحول
میں اخلاق حمیدہ اور اطوار پسندیدہ بچہ میں کس طرح پیدا ہو سکتے ہیں۔
جو بو کر گیہوں کاٹنے کی تمنا حماقت ہے یا نہیں۔

ماحول اور کم سن مجرم

بچہ کم سنی میں چوری کرنے لگتا ہے، بھاگ جاتا ہے اور کوئی
سنگین جرم کرنے لگتا ہے۔ یہ جرم نتیجہ ہوتے ہیں ماحول کی خرابیوں
کے۔ کھانے میں میٹھے کی کمی۔ اُس کی ذکاوت اور ذہانت کا غلط
اندازہ۔ بہت زیادہ کام۔ یا بہت کم کام۔ ماں باپ کا مرنا
باپ کی بیروزگاری، یا ملازمت اور روزگار کے سلسلے میں اُس کا
چڑچڑاپن، طلاق، یا باپ کا ماں کو چھوڑ دینا۔ جگہ جگہ گھر بدلنا
یا بار بار مدرسہ بدلنا جس کی وجہ سے وہ لگ کر مدرسہ میں کام
نہیں کرسکتا۔ گھر میں آئے دن کا دنگا فساد تو تو میں میں جس کی وجہ سے

بچہ اپنی عافیت محسوس نہیں کرتا۔

والدین کو چاہیئے کہ وہ وقتاً فوقتاً معلوم کرتے رہیں کہ بچہ مدرسہ میں کیا کررہا ہے۔ باپ یا ماں مدرسہ کے ارباب حل وعقد سے ملتے رہیں۔ والدین کی کمیٹی میں شریک ہوا کریں۔ مدرس جو بچے کے گھر کے ماحول سے واقف ہو زیادہ بہتر طور پر بچہ کی تعلیم و تربیت کی نگرانی اور رہنمائی کرسکتا ہے۔

بچوں کو پڑھائی اور حساب میں مشکلات کا سامنا ہوتا ہے۔ اس کی وجہ مدرسے بدلنا، کند ذہن، بیماری، بصارت یا سماعت کی کمزوری گھر کا تکلیف دہ ماحول کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ اگر وجہ کا پتہ چلایا جائے اور سبب دور کر دیا جائے تو بچہ اچھی طرح ترقی کرنے لگتا ہے اس کے کردار اور رویہ میں بھی فرق پیدا ہو جاتا ہے۔

بچہ میں جب جرم کے آثار پائے جاتے ہیں تو کچھ نہ کچھ فوری کیا جانا چاہیئے۔ اس کو یوں ہی چھوڑ دینے کے نتائج اور عواقب خطرناک ہوتے ہیں۔

پہلے بچہ کے ماحول کی جانچ پڑتال کی جائے اور یقین کر لیا جائے کہ بچہ کی ضروریات ماحول میں پوری ہوتی ہیں یا نہیں۔

بہت سے والدین اپنے بچوں کی ضرورت سے زیادہ دیکھ بھال کرتے ہیں۔ قیمتی کھلونوں سے گھر بھر دیتے ہیں۔ اور خاموش اور مہذب رہنے کے لئے طرح طرح کی رشوتیں دیتے ہیں۔ ننھے بچے کو اپنے ہم عمروں کے ساتھ کھیلنے کودنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ بچہ کو آواز پیدا کرنے والے، بھاگنے اور شور مچاتے والے کھلونے دینا چاہیئے۔ گھر میں ایک کونہ ضرور ایسا ہونا چاہیئے جہاں وہ چیخ سکے، اور خوب کھیل کود سکے۔

غذا

غذا کی خرابی سے سوکھے کی بیماریاں گھینگا، بیری بیری، فساد خون، خارش، خون نہ پیدا ہونے کی بیماری، دانتوں کی بیماری، اور آنکھ کی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

Mineral Food کی کمی سے بہت سی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ غذا کے ہضم کرنے پر بہت کچھ انحصار ہے

صاف پانی اور اچھا پانی کی نکاسی کا بندوبست، بند موریوں کے ذریعہ غلاظت انسانی ہو یا حیوانی آبادی سے دور بہائے جانا چاہیئے۔ اور وہاں کیمیکل یا قدرتی ذریعے اُس کو ختم کر دینا چاہیئے صحت کے لئے مکمل اور ماڈرن ڈرینج کی سخت ضرورت ہے۔

روشنی۔ دھوپ

صحت بخش مقدار میں روشنی اور دھوپ صحت کو برقرار رکھنے کیلئے ضروری ہے۔ گھٹس، افسردہ اور بے لطف دن میں نوجوان اور خوشباش آدمی بھی بجھا بجھا سا معلوم ہو جاتا ہے۔

بعض بڑے بڑے زمین کے قطعات پر چار دیواری بنائے ہوئے قابض

ہیں یہ قطعات اُن کی ضروریات سے کہیں زائد ہیں اور بعض ایسے بدقسمت ہیں کہ کھلی فضا اور تازہ ہوا میں سانس لینا مشکل ہے۔ کچھ عالیشان عمارتوں میں بستر استراحت پر چین کی نیند سوتے ہیں ــــ اور بیشتر فٹ پاتھ پر رات بسر کرتے ہیں۔

۔ چند کی طاقت عوام کی جاہلیت پر مبنی ہے۔ عوام جب پڑھ لکھ جائیں گے اور اپنے حقوق سمجھنے لگیں گے تو وہ خود بخود اپنا حصہ حاصل کر لیں گے۔

بڑے شہروں میں فیکٹریوں کے دھواں اور گیس سے عوام کی صحت متاثر ہوتی ہے۔ یہ میونسپلٹی کا فرض ہے کہ وہ اس کا انتظام کرے کہ یہ دھواں اور گیس چمنی کے ذریعہ سے میلوں دور لے جایا جا سکے

کام کرنیکے حالات

ہم زندہ رہنے کے لئے کام کرتے ہیں انسان کی کچھ صلاحیتیں ہوتی ہیں اور کچھ ضرورتیں - جمہوریت میں ہر ایک کو اپنی توانائی اور صلاحیت کے مطابق کام کرنا چاہئے اور اُس کے کام اور محنت کا بدلہ ملنا چاہئے۔ اس معاوضہ سے وہ اپنی ضروریات زندگی کی بجا آوری کرے ۔ ماہرین نفسیات کا کہنا ہے کہ ہم میں سے ہر شخص نام و نمود اور نمائش کا شائق ہوتا ہے۔ ہم میں سے ہر ایک میں ایک پیدائشی جوہر یا صلاحیت ہوتی ہے۔ اگر ہم اپنی صلاحیت کو سمجھ

لیں اور اُس کے مطابق کام کریں تو ہم کام نمایاں کرسکتے ہیں۔ مقابلہ
اور مسابقت کی جبلت ہمیشہ ہوتی ہے۔

ماحول کو بدلنے کے لئے خوں ریزی اور ظلم و تشدد کی ضرورت
نہیں۔ ہم کو انصاف، ہمدردی اور اشتراکیت سے ماحول کی ناانصافیوں
کو دور کرنا چاہیئے اور ترقی کے مساوی مواقع ہر ایک کو مہیا کرنا چاہیئے
جو ظلم کا تماشہ خاموشی سے دیکھتا ہے اور کچھ نہیں کرتا وہ اتنا ہی
بُرا ہے جو ظلم و تشدد کرتا ہے۔ ظلم کا عدم تشدد کے ذریعہ
بائیکاٹ کرنا چاہیئے۔

ہوسکتا ہے کہ ایک آدمی اپنے دفتر یا ورک شاپ میں بہت
ہر دلعزیز ہو۔ وہاں ہر ایک سے خندہ پیشانی سے پیش آتا ہو
لیکن گھر پر ایک ظالم شوہر اور خونخوار باپ ہو۔ نوکر چاکروں
ماماعیلوں کا ناطقہ اُس کے چڑچڑے پن کی وجہ سے بند ہو۔
ہوسکتا ہے کہ گھر پر وہ ہر وقت چیکتا رہتا ہو لیکن دفتر میں کم سخن
ہو اور اِس کم سخنی کی کمزوری کی وجہ سے اپنے کاروبار اچھی طرح
نہ انجام دے سکتا ہو۔ ہوسکتا ہے کہ گھریلو اور خاندانی جھگڑوں
کی وجہ سے وہ اپنے مفوضہ کام کو حسن و خوبی سے انجام نہ دے سکتا ہو

سماجی خدمت سکون اور مسرت کا باعث ہوتی ہے۔ لیکن
گھر کو سماجی خدمت کا دفتر نہ بنا دینا چاہیئے۔ اور نہ سماجی
خدمت میں ایسا منہمک ہونا چاہیئے کہ گھر صرف سونے کی جگہ
رہ جائے۔ یہ یاد رہے کہ تمہاری ذاتی اور نجی اور خانگی ذمہ داریاں
بھی ہیں۔ تم شوہر بھی ہو اور باپ بھی۔

تفریحی مشغلہ

اوقاتِ فرصت کا بہترین مشغلہ کوئی نہ کوئی تفریحی مشغلہ ہے اگر تم اپنی تفریحی مشغلہ میں مشاق ہو تو دور دور سے لوگ تم سے ملنے اور مشورہ لینے آئیں گے۔

شخصیت سماج میں پھیلتی اور بڑھتی ہے۔ ملنے جلنے سے آدمی کے جوہر کھلتے ہیں۔ خوش و خرم زندگی کا راز یہ ہے کہ دوسروں سے خندہ پیشانی سے ملو جلو۔ اپنی کہو۔ دوسروں کی سنو۔ کہو کم سنو زیادہ۔ دوسروں کی شادی بیاہ، موت میت میں شریک ہو۔

ڈگریاں بھی ترقی کے لئے ضروری ہیں۔ بہت سے سوچتے رہتے ہیں کرتے کچھ نہیں۔ وہ زمانہ کے بہاؤ کے ساتھ بہتے رہتے ہیں نہ اُن کا زندگی کا کوئی مقصد ہوتا ہے۔ اور نہ کوئی نصب العین۔ وہ کیا چاہتے ہیں اُنہیں خود معلوم نہیں۔

اپنی صلاحیتیں دیکھو اور پھر یہ دیکھو کہ تمہارے ماحول میں ان صلاحیتوں کے مطابق کیا قابلِ حصول ہے۔ دوسروں سے اشتراک ضروری ہے۔ اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد علاحدہ بنانے کی کوشش نہ کرو۔ تم دوسروں کی مسرت کا خیال کئے بغیر خوش و خرم

زندگی بسر نہیں کر سکتے - ہماری ترقی کا انحصار دوسروں پر بہت کچھ ہے دوسروں کے ساتھ منکسر المزاجی سے پیش آو - اُن سے اچھی طرح برتو - اُن کی خاطر تواضع کرو - وہ تم کو تمہارے اس رویہ کی وجہ سے پسند کرنے لگیں گے -

دوسروں سے ہمدردی کرو - دوسروں کی مدد کرو - وہ تمہارے متشکر ہوں گے اور احسان مانیں گے -

صاف گو رہو اور دیانداری سے کام لو - خود مختار اور خود دار ہو تا کہ دوسرے تمہاری عزت کریں - عقلمند بنو لیکن انکسار سے کام لو - لوگ تمہاری باتیں گوش ہوش سے سنیں گے - اُن کی باتیں غور سے سنو - وہ تمہارے پاس خود بھاگ کر آئیں گے -

---

دوسروں سے محبت کرو - کچھ تم سے بھی محبت کرنے لگیں گے

"نیکی کر اور دریا میں ڈالو" نیکی کرو اور بدلے کی توقع نہ رکھو - یہ آرزو نہ رکھو کہ لوگ تمہاری تعریف کریں -

اپنے کاموں اور باتوں پر سخت تنقید کرو - اگر تم اپنی نظر میں اچھے ہو تو دوسروں کی پروا نہ کرو - اپنے آپ کو سمجھو تو دوسرے بھی تمہیں

سمجھنے لگیں گے۔ اپنی غلطیوں پر نظر ڈالو دوسروں کی خطاؤں کی ٹوہ میں مت رہو۔

شرافت اور انسانیت کو ہمیشہ پیش نظر رکھو جیسا کرو گے ویسا بھرو گے

دوستی نبھاؤ۔ دوست سے بڑھ کر دنیا میں کوئی دولت نہیں۔ ایک دوست ہزار نعمتوں پر بھاری ہے

دوستی کے معنی قربانی اور ایثار ہے۔ کیوں کہ دوستی محبت ہے محبت صرف سب کچھ دینے کا نام ہے۔ محبت میں لینے کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔

دوست کے علاوہ ملاقاتی بھی ہوتے ہیں جس سے ہر روز ہم ملتے جلتے ہیں۔ جن کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے، ہنستے بولتے ہیں۔ ہم ان کو دیتے تو کم ہیں لیکن توقع زیادہ ہی رکھتے ہیں، وہ دستر خوان کے بلاوڑ ہی سہی لیکن ان کی صحبت میں بھی ہمیں لطف آتا ہے۔

عارضی ملاقاتی بھی، اچھے چال چلن کے ہونا چاہئیے۔ کیوں کہ انسان صحبت سے پہچانا جاتا ہے۔

کند ہم جنس باہم جنس پرواز۔ کبوتر با کبوتر باز با باز

ملاقاتیوں کی محبت میں ہم بری عادتیں سیکھ لیتے ہیں، کینہ پن۔

نکما پن، چھچھورا پن اور گراوٹ ہم میں پیدا ہوتی ہے تو ایسے ملاقاتیوں کی صحبت میں اٹھنا بیٹھنا فوراً چھوڑ دینا چاہیئے۔

اگر ہم کو معلوم ہو جائے کہ ماحول خراب ہے تو ہم کو تین باتوں کا خیال رکھنا چاہیئے۔

(۱) ماحول کو بدل کر نیا ماحول اختیار کیا جائے۔

(۲) اوقات فرصت میں زیادہ سے زیادہ اُس ماحول سے علیحدہ رہا جائے۔

(۳) ماحول سے مسابقت پیدا کی جائے۔

بچّوں کے کھیل اور اُن کی اہمیت

بچّوں کے کھیل قدرت کی طرف سے تعلیم کا ذریعہ ہیں۔ بچہ اپنی قوت اور توانائی کو کھیل میں صرف کرتا ہے۔ کھیل صرف زائد قوت اور توانائی کے خرچ کرنے کا ذریعہ ہی نہیں ہے بلکہ دماغی اور جسمانی تھکن کے بعد ذریعہ تھوڑی دیر کے لئے تفریح سے لطف اٹھاتا ہے۔ تین چار ماہ کا بچہ چیزیں منہ میں رکھتا ہے۔ چھ سات ماہ کے بچے جھنجھنے وغیرہ جیسے آواز نکالنے والے کھلونے پسند کرتے ہیں، وہ اپنے منہ سے طرح طرح کی آوازیں نکال کر خوش ہوتا ہے۔

آگے چل کر وہ سوانگ رچاتا ہے، کبھی اُستاد بنتا ہے، کبھی ڈرائیور، کبھی کرسیوں کو ریل گاڑی بنا کر چلاتا ہے اور خود انجن بن کر سیٹی بجاتا ہے، اور کبھی لکڑی کا گھوڑا بنا کر سارے صحن میں دوڑتا پھرتا ہے

انسان کا بچّہ پہلے کھیلتا ہے
پھر کام کاج کرتا ہے

کھیل بے مقصد ہوتا ہے اور کام کاج کا مقصد و منشا ہوتا ہے۔

پہلے بچے ایک کیوب کو اٹھاتے ہیں پھر کیوبوں سے مینارہ بناتے ہیں

اور پھر مینارہ گراتے ہیں۔

بچّہ پہلے اکیلا کھیلنا پسند کرتا ہے۔ پھر دو چار بچوں کے ساتھ اور آگے

چل کر بڑی بڑی ٹولیوں میں منظم ٹیم گیمیں کھیلتا ہے۔

بچّوں کے کھیل

چھوٹے سے بچے کا کھیل اُس کا نجی مشغلہ ہے، وہ کسی قانون کا تابع نہیں

بعد میں چل کر کھیل نقل ہوتے ہیں اور اُن کی سماجی اہمیت ہو جاتی ہے۔

چار سے دس برس تک کے کھیلوں میں قواعد و قانون کی سخت

پابندی ہوتی ہے۔ لڑکے عموماً زیادہ تیز، خطرناک اور محنت طلب

کھیلوں کو پسند کرتے ہیں۔ مثلاً فٹ بال، ہاکی، کبڈی، ٹینس، کرکٹ، وغیرہ اس کے برخلاف لڑکیاں والی بال، بیس بال، بیڈ منٹن، گڑیاں، یا ہنڈکلیاں وغیرہ پسند کرتی ہیں۔

لڑکے عموماً منظم اور مقابلوں کے کھیلوں کو پسند کرتے ہیں

گاؤں اور شہر کے لڑکے اور لڑکیوں کے کھیلوں میں بھی بہت فرق ہوتا ہے۔

چھٹپن میں بچوں کو سکون سے کھیلنے دینا کا موقع دیا جانا چاہیئے ہر گھر میں ایک کونہ ایسا ضرور ہونا چاہیئے جہاں بچہ کھیل میں بغیر کسی گڑبڑ اور رکاوٹ کے مصروف رہ سکے کیونکہ کھیل ہی کے توسط سے بچے کے نمو اور نشو دنما میں ترقی ہوتی ہے۔

کھیل

کھیل صرف ایک مشغلہ نہیں ہے جس میں بچہ لگا رہتا ہے بلکہ اس کے ذریعہ سے بچہ اپنے اعضاء پر قابو پاتا ہے، اور اپنے جذبات پر قابو

حاصل کرتا ہے۔ سماجی احساسات بیدار ہوتے ہیں۔ اور تعمیری قوتیں جاگتی ہیں۔

کھیل کے اوقات محدود اور مقررہ نہ ہونا چاہیئے۔ بچّہ جب چاہے اور جتنی دیر چاہے کھیلے۔

کھیل کی چار قسمیں ہیں

(۱) حرکی کھیل۔ بچہ اپنے بدن کے مختلف حصّوں کو حرکت دیتا رہتا ہے۔ ایک مہینہ کا بچہ اپنے ہاتھ پیر پھینکتا رہتا ہے۔ تین چار مہینہ کا بچّہ جھنجھنا بجانے لگتا ہے۔ ایک چیز پر دوسری چیز رکھتا ہے۔ زمین پر رگڑتا ہے۔ پھینکتا ہے۔ اٹھاتا اور رکھتا ہے۔ ان کے ذریعہ سے جذبات کی نکاس ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ کامیابی اور اطمینان کا یہ پہلا تجربہ ہوتا ہے۔

جس کو اپنے بدن پر قدرت ہوتی ہے اس کی شخصیت بھی جاذب ہوتی ہے۔

کم طاقتی، کم ہمتی، کی وجہ سے بچّہ اپنے آپ کو غیر محفوظ محسوس کرتا ہے۔ اُس میں احساس کمتری پیدا ہو جاتا ہے۔

تعمیری کھیل

تعمیری کھیل خوش و خرم زندگی کے لئے سنگ بنیاد کا کام دیتے ہیں۔ یہ کھیل دوسرے سال کے وسط سے شروع ہو جاتے ہیں بچہ مختلف چیزوں سے ایک نئی چیز بناتا ہے۔

دس بارہ مہینے کی عمر تک وہ Blocks کو ایک دوسرے میں نہیں بیٹھا سکیگا۔ چھ مہینے کے بعد وہ Blocks سے ایک مینارہ تیار کرنے لگے گا۔

۱ ½ سال کی عمر سے پہلے تعمیری جبلت بچہ میں پیدا ہی نہیں ہوتی۔ وہ اس عمر میں ماں کے بنائے ہوئے مینارہ کو ڈھا دیتا ہے۔ یا یہ چاہتا ہے کہ ماں اُس کی نظروں کے سامنے مینارہ بناتی رہے۔

بچے کی مسرت بے پناہ ہوتی ہے جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ وہ خود اپنے ہاتھ سے کوئی چیز بنانے میں کامیاب ہو گیا

Symbolic play

دو سال کی عمر سے بچہ انسانی زندگی کی اداکاری شروع کر دیتا ہے۔ وہ باپ کی طرح لکڑی لے کر چلتا ہے یا ماں کی طرح سودا اپنا لینے کی ٹوکری سنبھال کر روانہ ہوتا ہے۔ بڈھی نانی دادی کی طرح نماز پڑھنے لگتا ہے۔

وہ اپنے ماحول کی تمام مشغولیتوں کا چربہ اُتار لیتا ہے، اپنی گڑیوں، کھلونوں اور دوسرے کھیل کی چیزوں کی مدد سے وہ ان ڈراموں میں وسعت پیدا کرتا ہے۔

تین برس کی عمر میں بچے تخیلاتی کھیل شروع کرتے ہیں۔ وہ تصوراتی کھیل کھیلتے ہیں۔

سماجی کھیل

پہلی سال کے بعد بچہ کھیل میں ساتھیوں کو شامل کرنے لگتا ہے۔ آنکھ مچولی ماں کے ساتھ کھیلتا ہے۔ گولے پھینکتے رہنا بچے کو بہت پسند ہوتا ہے۔

تین برس کا بچہ اپنے ہم جولیوں کے ساتھ بھاگنا، دوڑنا، اور کھیلنا پسند کرتا ہے۔ اُسے اُن کی صحبت میں لطف آتا ہے۔

چار یا پانچ برس کی عمر سے وہ ٹولیوں میں بٹ جاتے ہیں اور کھیل میں قاعدہ قانون کی پابندی پسند کرتے ہیں۔ اس عمر میں اُن کو اپنے ساتھیوں کے ساتھ کھیلنے کا زیادہ سے زیادہ موقع دیا جائے ورنہ ذہنی اور نفسیاتی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

اِسی زمانہ میں سماجی جبلت بیدار ہوتی ہے۔ اگر ان کی خاطر خواہ تربیت نہ کی جائے تو غیر سماجی کردار پیدا ہو جاتا ہے۔ شرم، ہچکچاہٹ، تردد، اعتراض، جبر و تشدد اور غیر اشتراکیت جیسی نقصان دہ

اور مضر اثرات نمایاں ہوتے ہیں۔ لہذا بچہ کی تربیت نہ صرف شخصیت کے فروغ کے لئے ضروری ہے بلکہ سماجی اور شہری زندگی کے لئے اہم ہے ہمیں اس زمانہ کے کھیلوں کا باقاعدہ انتظام کرنا چاہیئے اور ہر بچہ کو ان کھیلوں میں حصہ لینے کے لئے موقع فراہم کرنا چاہیئے۔ اُن کی ہمت بڑھانا چاہیئے۔ اُن کی نمایاں کامیابی پر انعامات دینا چاہیئے۔

بچہ اِس زمانہ میں لفظِ بناؤ

بار بار استعمال کرتا ہے۔ اب وہ سمجھ جاتا ہے کہ انسان بناتا ہے اور چیزیں بنتی ہیں۔ آدمی جو بنانا چاہتا ہے بنا سکتا ہے۔ نارمل خوش و خرم لڑکا نئی نئی چیزیں بناتا رہتا ہے۔ عمارتیں ڈرائنگ، پلاسٹک کے ماڈل اور قلعے، جو ساز و سامان اُس کے ہاتھ لگتا ہے اُس سے چیزیں بنا لیتا ہے۔ اُس کا بنانے کے کام میں جٹا رہنا محو رہنا، اُس کی محنت خلاقی، دلچسپی، تخیل اور اُپج سے ہم اُس کی آئندہ مشغولیتوں کا پتہ چلا سکتے ہیں۔ اب اُس نے کام کرنا شروع کیا ہے اور اب یہ ہمارا کام ہے کہ اُس کو بہتر سے بہتر کام کرنے کے موقع فراہم کریں تاکہ وہ نہ صرف اپنی صلاح و فلاح کے کام کرے بلکہ بنی نوع انسان کے فائدہ کو بھی مدنظر رکھے۔ اُس کے کام دوسروں کی بھلائی کی خاطر ہوں۔

بچے اپنے کام کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ وہ ایک مقررہ منصوبہ پر اپنا کام کرتے ہیں۔ مقابلہ میں کس صبر سے وہ کام لیتے ہیں، مشکلوں پر کس تحمل سے وہ قابو پاتے ہیں۔ زندگی کے اولین نمونے تصفیہ کن نمونے ہوتے ہیں۔

اسکول کا زمانہ بچے کے لئے پہلا پبلک میں آنے کا زمانہ ہوتا ہے وہ اشتراک اور تعاون کا سبق اسی مکتب میں سیکھتا ہے۔ خاندان نے اُس پر شخصی کردار کی چھاپ لگائی تھی، مدرسہ اُس کو شہری بناتا ہے۔

انسانی زندگی کے کئی رُخ اور Trends ہوتے ہیں

اول تو ہر انسان چاہتا ہے کہ وہ خوش رہے اور دوسروں کے ساتھ مل جل کر اور شیر و شکر ہو کر زندگی بسر کرے

دوسرے ہر شخص کی یہ تمنا ہوتی ہے کہ وہ کوئی کارنمایاں کر سکے مدرسہ میں حقیقتوں سے سامنا ہوتا ہے۔ یہاں اُس کو زندگی کی کشمکش کا مقابلہ کرنا سکھایا جاتا ہے،" تاکہ وہ اپنا مقام پیدا کرنے کے قابل بن سکے، اور اس طرح ایک مفید شہری بن جائے۔ اب اُس میں خود اپنے پر تنقید کرنے کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ اپنا مقابلہ اپنے ساتھیوں سے کرتا ہے۔ آٹھ برس کی عمر کے بعد وہ اپنی خامیاں اور خوبیاں سمجھنے لگتا ہے۔

آٹھ برس کی عمر میں شیخی بہت نمایاں ہوتی ہے۔ وہ اپنی کمزوریوں اور خامیوں کو شیخی کے رنگین اور زرین پردے میں چھپانا چاہتا ہے۔ اپنی ملکیت کی چیزوں پر وہ اپنا حق جتاتا ہے۔ اس سے اُس میں ہمت قوت اور برابری کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

عموماً جب اُس کو مایوسی یا شکست ہوتی ہے تو اُس میں اعصابی الجھنیں پیدا ہو جاتی ہیں۔

احساس کمتری اِس زمانہ میں پیدا ہو جاتا ہے

بچہ کے کھیل

فطرت نے کھیل نہ صرف زائد توانائی کے نکاس کے لئے ایجاد کیا بلکہ کھیل بچوں کو اپنی توانائی کا صحیح استعمال سکھاتا ہے اور بچہ کو آئندہ زندگی کی مشکلات کا سامنا کرنے کے قابل بناتا ہے۔ کھیل کے بعد بچے میں کام کرنے کی نئی توانائی پیدا ہو جاتی ہے۔

کھیل بچّے کے نمو اور نشو و نما کے لئے ضروری ہے۔ کھیل سے وہ اپنے اعضاءِ جسمانی پر قابو پاتا ہے۔ انسان کی آئندہ زندگی بندھی ٹکی نہیں ہوتی اسی لئے بچہ کے کھیل بھی طرح طرح کے ہوتے ہیں۔ اس کے کھیل پہلے سے فیصلہ شدہ ڈگر پر نہیں چلتے۔ وہ لاتعناہی اقسام کے کھیلوں کے ریہرسل کرتا ہے۔

اسٹینلی ہال کا کہنا ہے کہ بچّہ انسان کے گزرے ہوئے ادوار کو کھیل کھیل میں دھراتا ہے۔ بچّوں کے کھیلوں کو ترتیب دینے کے لئے ان کی فطری جبلتوں کا خیال کیا جانا چاہیئے۔

چھوٹے بچّے چیزوں کو چھونا، اٹھانا بکھیرنا اور پھر جمانا پسند کرتے ہیں

وہ چیزوں کو توڑتے پھوڑتے ہیں۔ جبلت تجسّس ان کو اس امر پر مجبور کرتی ہے وہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ آخر یہ چیزیں کن اجزا سے بنی ہیں۔

جبلت تخریب بھی کارفرما ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ چیزوں کو جوڑتے اور بناتے بھی ہیں۔ جبلت تعمیر ظہور میں آتی ہے۔ اختراع اور ایجاد کا سہرہ یہی جبلت بنی نوع انسان کے سر پہ باندھتی ہے۔

کھیل جغرافیائی تحقیق، تفتیش اور کھوج سے قریبی تعلق رکھتے ہیں۔ بچہ گھر کے کونے کونے میں پھرتا ہے۔

مدرسوں میں گانے، ناچنے، باغبانی، زراعت، ڈرائینگ اور دیگر جسمانی کرتبوں کے کھیلوں کی تنظیم کی جانی چاہیئے تاکہ بچے مل کر ان کھیلوں کو کھیل سکیں اور اُن میں یکجہتی اور یگانگت پیدا ہو۔ اس کام کے لئے مقررہ وقت، مقررہ، مقام اور مقررہ تنظیمیں ہونی چاہیئے بچوں کو بچپن ہی سے سکھلانا چاہیئے کہ مقابلہ کے جیتنے میں اتنی ناموری نہیں ہے جتنی مقابلہ صاف، ستھرا اور شریفانہ طور پر کئے جانے میں۔ ہار جیت تو ہر مقابلہ میں ضروری ہے، لیکن جیتنے والے کا دماغ نہ چل جائے۔ اور غرور اور تکبر سے پھول کر کپّا نہ ہو جائے اور ہارنے والا غصہ اور شرم سے اپنے حواس کھو نہ دے۔ کھیل کے قوانین کو ٹھکرانا اور ریفری یا ایمپائر کی ہتک کرنا باعث شرم ہے۔ وہ اسپورٹ مین اسپورٹ مین کہے جانے کے قابل ہی نہیں جو کھیل کے قوانین کو نظرانداز کرتا ہے یا ایمپائر اور ریفری کو بُرا بھلا کہتا ہے ہارنے اور جیتنے والے کو کھیل کے بعد مسکرا کر ہاتھ ملانا چاہیئے۔ اختلافات اگر کچھ ہوں بھی تو اسی وقت وہیں ختم ہو جانا چاہیئے اسپورٹ مین سب بھائی بھائی ہیں اور سب ایک دوسرے کے دوست۔ سیاسی اختلافات کی بناء پر کھیل کے میدان میں امتیاز اور تفریق شرمناک بات ہے۔ اسپورٹ مین کو کبھی غصہ میں نہیں آنا چاہیئے۔ خصوصاً کھیل کے میدان میں۔ مختلف طریقوں سے کھیلوں کے ذریعہ سے سماجی اتحاد کی تعلیم دی جا سکتی ہے۔

بچوں میں کھیل کے مدارج

(۱) پیدائش سے سات سال تک۔

اس زمانہ میں بچوں کے کھیل تجرباتی، نقالی، تصوراتی اور شخصی ہوتے ہیں۔

(۲) سات سے نو سال تک۔

اس زمانہ میں بچہ لڑائی، جنگ اور شکار سے متعلق کھیل کھیلتا ہے اب بھی کھیل ایک حد تک انفرادی ہوتے ہیں

(۳) نو سے بارہ سال تک

اس زمانہ میں بچہ حقیقی، نقالی اور گروہی کھیل کھیلتا ہے۔

(۴) بارہ برس کے بعد۔

اس زمانہ میں بچہ اشتراکی اور ٹیم کے کھیلوں سے زیادہ دلچسپی لیتا ہے۔ وہ اب ایک لیڈر اور کپتان کے تحت کھیلنا پسند کرتا ہے

(الف) شیر خوار بچے چھونے، پکڑنے، لاتیں مارنے کا کھیل کھیلتے رہتے ہیں۔ وہ پیدا ہونے کے کچھ دن بعد اپنے ہاتھ پیر مارتے رہتے ہیں۔ اُن کی ان حرکتوں سے اُن کو ضروری ورزش حاصل ہوتی ہے۔ بدن کی توڑ مروڑ رگ پٹھوں کو مضبوط کرتی ہے۔

بچہ آہستہ آہستہ ذرا زیادہ پیچیدہ کھیل شروع کرتا ہے۔ وہ اب چیزوں کو اٹھانا، رکھنا، اور پھینکنا شروع کرتا ہے۔ وہ اپنی جس کی جبلت کو کام میں لاتا ہے۔ وہ مٹی میں کھیلنا پسند کرتا ہے تکرار عمل میں اب اس کو لطف آنا شروع ہو جاتا ہے۔ وہ ایک کام کو بار بار کرنا چاہتا ہے۔ خود بھی اس کو بار بار کرتا ہے اور دوسروں کو بھی تکرار فعل پر مجبور کرتا ہے۔ بچہ کا کھیل اس منزل پر قطعی نجی اور شخصی ہوتا ہے۔

نو مہینہ کی عمر سے وہ نقل کرنا سیکھتے ہیں۔ اس زمانہ میں بھی کھیل زیادہ تر نجی اور شخصی ہوتا ہے۔ بچہ اکیلا ان کھیلوں کو کھیلنا پسند کرتا ہے اور وہ کسی قسم کی امداد یا اشتراک کو پسند نہیں کرتا۔

چار یا پانچ سال کی عمر میں بچہ ڈرامیٹک کھیل کھیلنا شروع کرتا ہے۔ سات یا آٹھ برس کی عمر ڈرامیٹک کھیل کی عمر ہوتی ہے۔ وہ کہانیوں اور قصوں اور عینی واقعات کی اداکاری کرتا ہے۔ اس زمانہ میں خوب خیالی پلاؤ پکائے جاتے ہیں۔ تصورات میں پرواز پیدا ہو جاتی ہے۔ ان کھیلوں میں تصوراتی عنصریت کچھ شامل رہتا ہے۔ مگر حضرات بچوں کے ان کھیلوں میں استغراق کو سمجھنے سے اکثر قاصر رہتے ہیں۔

یہ اظہر من الشمس ہے کہ چھوٹے بچے پانچ برس کی عمر میں الہڑ، اچھلنے، کودنے اور دوڑنے کے کھیل پسند کرتے ہیں۔ یہ کھیل کتّے کے پالو لاپر کھیلوں کے مماثل ہوتے ہیں۔

موٹر ڈرائیور انجن سپاہی

تصوراتی کھیل عموماً دریائی ڈاکو، ریڈ انڈین اور شکاریوں کی زندگی کا تجربہ ہوتے ہیں۔ بچہ ہر وقت یا تو خود کسی چیز کے پیچھے بھاگتا، دوڑتا ہوا، پیچھا کرتا نظر آتا ہے یا یہ چاہتا ہے کہ دوسرے اُس کے پیچھے بھاگیں۔ وہ گیند، جانور یا آدمی کے پیچھے بھاگتا رہتا ہے۔

اس دوران میں وہ اپنی انفرادیت اور شخصیت کی لاشعوری طور پر نشوونما کرتا ہے۔

بچہ توجہ اور دلچسپی کا مرکز بنا رہنا چاہتا ہے اور اپنے گردوپیش پر اپنا سکہ جمانا چاہتا ہے۔ لیکن اب بھی وہ نجی اور شخصی کھیل کھیلنا زیادہ پسند کرتا ہے۔ دوسرے بچوں کے ساتھ مل جل کر کھیلنے کا جذبہ ابھی پوری طرح بیدار نہیں ہوتا۔

نو برس کی عمر میں کھیل زیادہ اتفاقی ہو جاتے ہیں

اب بچہ لکڑی کا گھوڑا تصور کرکے مطمئن نہیں ہوتا اور الٹی ہوی

کرسیوں کو کشتی مان لینے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ اب وہ اصل چیز چاہتا ہے اور اُس کو ایک لیڈر کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہی وہ زمانہ ہوتا ہے کہ وہ ہیرو پرستش کرنے لگتا ہے۔ لیڈر اُس کی جذباتی نشوونما میں بہت ممد و معاون ہوتا ہے۔ تاریخ کے بہادر ہیرو اُس کو بھاتے ہیں اور مدرسہ کے بہترین اتھلیٹ سے اُس کو انتہائی لگاؤ اور دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ اُس کے لئے اعلیٰ ترین نمونہ ہوتا ہے۔

بہادری، ہمت اور برداشت کی خوبیوں کا وہ پرستار ہو جاتا ہے

اس زمانہ میں مقابلہ کرنے اور بڑھ جانے کی خواہش عروج پر ہوتی ہے۔ اس خواہش کی اگر صحیح طور پر تربیت کی جائے اور انعام کے حاصل کرنے کے اگر معیار بلند قائم کئے جائیں تو بچے کی سیرت مضبوط بنیادوں پر قائم ہو سکتی ہے۔

اشتراکی اور ٹیم کے کھیلوں کے لئے لیڈر یا کپتان کی سخت ضرورت ہوتی ہے تاکہ اس کی نگرانی میں وہ اپنی ساری توانائیوں کو بروئے کار لا سکے۔

اس زمانہ میں وہ فٹ بال، ہاکی، کرکٹ، والی بال اور اسی قسم کے دوسرے کھیل کھیلنا پسند کرتا ہے۔

ابتدائی آدمی کے لئے یہ ضروری تھا کہ وہ توجہ، مرکزیت، برداشت، اور محنت کو زندہ رہنے کی خاطر اولیت دیں۔ یہی وہ خوبیاں ہیں جو نوجوانوں کے رگ و پے میں سرایت کر جانی چاہیئے تاکہ وہ بھی خوش اسلوبی سے زندگی کی کشمکش کا مقابلہ کر سکیں۔

طاقتور اور باہمت لڑکے تو ان مردانہ کھیلوں میں حصہ لیتے ہیں اور کمزور لڑکے باہر کھڑے تماشہ بینوں میں شامل ہو کر چیختے چلاتے اور تالیاں بجاتے ہیں۔

اگر مدرسہ میں کھیلوں کی خاطر خواہ تنظیم کی جائے تو بچے بری صحبتوں سے بچ سکیں گے۔ بیکاری میں وقت کاٹنے کی بجائے ان کو فرض کی انجام دہی اور قانون کی پیروی کی عادت پڑے گی۔ مزاج میں یکسوئی اور خوشگواری پیدا ہو گی۔ انصاف کی قدر و قیمت سمجھیں گے۔ ہمت اور جرات پیدا ہو گی، اُن کی صحت اچھی ہو گی، اور مردانہ اوصاف سے مزین ہوں گے۔

کھلونے

چھٹپن میں بچے اینٹیں، پتھر، اور برتن جن میں کھانے پینے کے چیزیں رکھی جا سکیں پسند کرتے ہیں، بچہ ان سے مختلف چیزیں بنا تا رہتا ہے

اگر آپ چھوٹے سے بچے کو ایک مستولی جہاز دیں تو وہ بہت جلد اُس کو توڑ پھوڑ کر اپنی پسند کی چیز بنائے گا۔ بہت سے اڈرن کھلونے ایسے ہوتے ہیں کہ ماں باپ اُن سے کھیلتے ہیں اور بچے بغیر دلچسپی کے تماشہ دیکھتے ہیں۔

کھلونے کے مفید اور غیر مفید ہونے کا معیار یہ ہے کہ وہ بچہ کو کس حد تک سکھا سکتا ہے۔ وہ اُن کے ذریعہ مختلف شکلیں، مختلف رنگ، اُن کا حرکت کرنا اُن کا ایک دوسرے میں فٹ ہونا معلوم کرتا ہے۔ وہ اُن کی خاصیت، گرمی، سردی، سختی، نرمی، کھردراپن، چکنا پن معلوم کرتا ہے وہ خود اُن سے کھیلنا چاہتا ہے۔

دوسرے یہ کہ بچہ کھلونے کا مالک ہوتا ہے اور اُس کو قطعی اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنی مملوکہ چیز کو جس طرح چاہے استعمال کرے۔ اگر وہ اُس کو توڑنا چاہتا ہے تو اُس کو اس کی قطعی اجازت ہونی چاہیئے۔ اگر آپ اس کو پورا حق نہیں دیتے تو ایسی چیز دینے ہی سے کیا فائدہ۔

بچہ ناکامیابیوں سے سیکھتا ہے۔ وہ کوشش کرتا ہے ناکام ہوتا ہے۔ پھر کوشش کرتا ہے پھر ناکام ہوتا ہے۔ وہ کوشش کو جاری رکھتا ہے یہاں تک کہ کامیاب ہوتا ہے۔ کامیابی کا راز مسلسل کوشش میں ہے۔ یہ راز بچے کو خود کام کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ اگر آپ نے اُس کی مدد کر دی تو وہ اس تجربہ سے محروم رہ جائے گا۔ لہذا آپ چپ چاپ بیٹھے بچے کے کھیل کا تماشہ دیکھیے۔

بچہ کی فطری مشغلوں میں رکاوٹ پیدا نہیں کرنی چاہیئے۔ ہاں البتہ اُن کی رہبری اور رہنمائی کی جائے۔

فطری نمو کے لئے موافق ملازم ماحول پیدا کیا جانا چاہئیے اور اُس کو آزادانہ فضا میں بڑھنے دینا چاہئیے۔ وہ جس چیز کے ساتھ چاہے کھیلے اور جب چاہے کھیلے اُس پر پابندی نہ عاید کی جائے کہ وقت مقررہ پر ایک خاص کھلونے کے ساتھ کھیلنے کی اُسکو اجازت رہے گی۔ مختصر یہ کہ درمیانی راستہ اختیار کیا جائے۔ نہ زیادہ آزادی دی جائے اور نہ ہر قدم پر قیود عاید کی جائیں، مشکلات کے وقت رہبری کی جائے۔

چھٹا باب

قسم قسم کے بچّے

کچّے دنوں کا بچّہ

سر اسحٰق نیوٹن، چارلس، ڈارون، روسو، وکٹر ہیگو، اور ونسٹن چرچل سب وقت سے پہلے پیدا ہوئے تھے۔ باوجود ان ناموَر ہستیوں کی کامیاب زندگی کے کوئی ماں یہ نہیں چاہے گی کہ اُس کا بچہ کچّے دنوں کا پیدا ہو۔ فطرت چاہتی ہے کہ ماں کے رحم میں بچہ پورے نو مہینے نشوونما پائے۔

بعض بچے باوجود پورے دنوں میں پیدا ہونے کے کمزور ہوتے ہیں، اُن کی خاص دیکھ بھال کی جانی کی ضرورت ہے گو وہ پیدائش کے وقت ۶ پونڈ یا اس سے زیادہ وزن کے ہوتے

ہیں لیکن زندگی سے خاطر خواہ طور پر مطابقت پیدا نہیں کر سکتے۔

وقت سے پہلے پیدا ہو جانے کی کئی وجوہ ہیں۔ ان میں سے چند ماں کی بیماریاں خطرناک متعدی وبائی امراض، خون کے دباؤ کی زیادتی، گردہ کے امراض، دل کی حالت، غدودِ درقیہ کی خرابیاں، آتشک، ذیابیطس یا انیمیا۔

دردِ زہ پہلے شروع ہو جانے اور اکثر حمل کے دوران میں غیر صحت بخش غذا کے استعمال سے بھی وقت سے پہلے بچہ پیدا ہو جاتا ہے۔

جسمانی، ذہنی اور جذباتی دھچکے اور صدمات سے بھی بچہ وقت سے پہلے پیدا ہو سکتا ہے۔ بعض اوقات یہ خاندانی خصوصیت ہوتی ہے کہ اُس خاندان کا ہر بچہ وقت سے پہلے پیدا ہوتا ہے ایسی صورت میں ڈاکٹر پہلے سے احتیاطی تدبیریں اختیار کر سکتا ہے۔ ضروری دوائیں اور انجکشن دیئے جا سکتے ہیں۔

بچہ وقت سے پہلے پیدا ہونے کا امکان ہو یا نہ ہو۔ مناسب یہ ہے کہ زچگی کے لئے چھ مہینے کے بعد ہی تیار رہنا چاہیئے حمل کے دوران میں برابر وقفے وقفے سے ڈاکٹر سے معائنہ کراتے رہنا چاہیئے اور اُس کی بتائی ہدایتوں پر عمل کرنا چاہیئے۔ ڈاکٹر سے کوئی چیز نہیں چھپانا چاہیئے اور تمام علامات اور اشارات کا صاف صاف اظہار کر دینا چاہیئے۔ کوئی بات بھی غیر معمولی معلوم ہو یا محسوس ہو تو فوراً ڈاکٹر کے علم میں لائی جانا چاہیئے۔

خصوصاً دو مہینے پہلے باہر آنا جانا نسبتاً کم کر دیا جانا چاہیئے دعوتوں، پارٹیوں، سینما، تھیٹر، ناچ گانے کی محفلوں میں شریک ہونے سے جہاں تک ممکن ہو بچا جائے۔ کھیل کود، سیر سپاٹا، زیادہ دور تک موٹر میں تفریح ان تمام باتوں سے پرہیز کیا جائے۔ اور کسی حالت میں بوجھ نہ اٹھایا جائے۔ جہاں تک ممکن ہو گھر کا کام کاج بھی زیادہ نہ کیا جائے۔ اپنی توانائی کو محفوظ رکھا جائے۔ بچہ پیدا ہونے کے بعد ماں کو بہت کچھ کام کرنا ہے سات مہینے کے بعد ٹب باتھ نہیں لینا چاہیئے۔ مناسب یہ ہے کہ شاور یا اسپنج باتھ لیا جائے۔

کہا جاتا ہے کہ سات مہینے کے بچہ کے زندہ رہنے کا زیادہ امکان ہے بہ نسبت آٹھ مہینے کے بچے کے۔ اس کہاوت کی کوئی سائنٹفک بنیاد نہیں۔ ایسی بے تکی باتوں پر اعتماد نہیں کرنا چاہیئے۔ چار پونڈ کے بچے کے زندہ رہنے کا زیادہ امکان ہوتا ہے بہ نسبت اس سے کم وزن کے بچہ کے۔ بہت کچھ زچگی کے وقت کے حالات پر بھی منحصر ہے۔ اگر احتیاط برتی گئی اور دیکھ بھال معقولیت کے ساتھ کی گئی تو بچہ کے بچ جانے اور جی جانے کے امکانات پیدا ہو جاتے ہیں۔

سیلانِ خون، متعدی روگ لگنے، اور بدن کے ٹمپریچر کے قائم رکھنے کا سوال ہوتا ہے۔ بچہ کو غذا پہنچانے کا ایک بڑا اہم اور پیچیدہ مسئلہ ہوتا ہے کیوں کہ دودھ پینے اور نگلنے کے عمل اضطراری اس میں پختہ نہیں ہوتے۔ پیدائش کے وقت

اور بعد آکسیجن ہر وقت موجود رہے تاکہ وقت ضرورت بچہ کو دیا جا سکے، اور جس طریقہ سے ممکن ہو رقیق غذا بچہ کو پہنچاتا رہے۔

شروع کے ۴۸ گھنٹے قبل از وقت پیدا ہونے والے کمزور بچوں کے لئے نہایت اہم ہیں۔

کچے دنوں کا بچہ اتنا کمزور ہوتا ہے کہ وہ کسی خاص مشکل کے بغیر جلد پیدا ہو جاتا ہے۔ سب سے زیادہ ضروری چیز یہ ہے کہ بچے کو گرم رکھا جائے۔ لیکن یہ خیال رکھا جائے کہ بچے کے سر کو اور منہ کو نہ ڈھانپ دیا جائے۔ جہاں تک ممکن ہو جس چیز سے بچے کو ڈھانپا جائے نرم اور گرم ہو۔ اُس کا سر بدن کے دوسرے حصوں سے ذرا نیچا رکھا جائے تاکہ رال منہ سے بہتی رہے۔

بچہ کی سانس اور رنگ کو دیکھتے رہنا چاہیئے اور جہاں تک ممکن ہو اُس کو چھونا نہیں چاہیئے۔ اگر بچے کو دست آنے لگیں تو فوراً ڈاکٹر کو رجوع کیا جائے کیونکہ بچہ اس خطرے کا مقابلہ مشکل سے کر سکتا ہے۔

ہندستانی گھروں میں عموماً ہر ایک بچہ کی دیکھ بھال کا فریضہ ادا کرنے لگتا ہے۔ ایسا نہیں ہونا چاہیئے بلکہ صرف ایک ذمہ دار شخص کو بچہ کی دیکھ بھال کے فرائض بجالانا چاہیئے۔ سردی از کام سے بچہ کو بچایا جائے اور جس کو زکام ہو اُس کو بچے کے پاس ہرگز نہ آنے دیا جائے۔

مناسب تو یہ ہے کہ کسی قسم کا کوئی مریض بچّہ کے پاس نہ آ جا سکے۔ مہذب ممالک کے بچّوں کے اسپتال میں تو نرسیں تک منہ پر کپڑا لگائے رہتی ہیں تا کہ اُن کی سانس سے ننھا سا بچّہ متاثر نہ ہو جائے۔ بچّہ کو گود میں لیتے وقت کپڑے بھی صاف ستھرے پہننا چاہیئے۔ اور بغیر ہاتھ دھوئے ہوئے بچّہ کو گود میں نہ لینا چاہیئے۔

ظاہر ہے کہ ماں کو فطرتی طور پر قبل از وقت پیدا ہونے والے بچّہ کی صحت کی فکر دامنگیر ہوتی ہے لیکن صرف فکر سے کام نہیں چل سکتا، اس سے تو اور اعصاب متاثر ہوتے ہیں اور خون میں خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ مناسب یہ ہے کہ ماں اپنی صحت اور غذا کا خیال رکھے اور بچّہ کی خاطر فکر و تردد کو پاس پھٹکنے نہ دے، تا کہ اُن میں زیادہ سے زیادہ توانائی پیدا ہو، اور وہ بچّہ کی دیکھ بھال زیادہ اچھی طور پر کر سکے۔

بچّے کو غذا دینے کے متعلق برابر ڈاکٹر سے استفسار کرتے رہنا چاہیئے۔ بچّہ اتنا کمزور ہوتا ہے کہ وہ خود دودھ بھی نہیں پی سکتا۔ ماں کو چاہیئے کہ ڈاکٹر کی بتائی ہوئی غذا کا ردِ عمل دیکھتی رہے اور نوٹ کرتی رہے۔ ظاہر ہے کہ ڈاکٹر مختلف قسم کی غذاؤں کو آزما کر دیکھے گا۔ مقدار اور وقت کا تعین ڈاکٹر ہی کر سکتا ہے۔

بچّہ جب ۵ پونڈ یا اس سے زیادہ وزن حاصل کر لیتا ہے تو خطرے سے باہر ہو جاتا ہے۔ اصل میں بچّہ اُس وقت نارمل سمجھا جاتا ہے جب وہ غذا کو با آسانی ہضم کر سکے اور صحت مند نظر آئے۔

پہلے سال کے اختتام تک ایک نظر دیکھنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ بچہ قبل از وقت پیدا ہوا تھا۔ لیکن اس کے بعد وہ جلد موٹے تازے ہونے لگتے ہیں اور اُن کا وزن جلد جلد بڑھ سکتا ہے اور بعد میں پھر بڑھنے کی رفتار کم ہو کر نارمل ہو جاتی ہے۔

ایسے بچوں کی کھال خشک ہوتی ہے۔ ان کے بدن پر تیل ملتے رہنا چاہیئے، بچوں کو اکثر نہلاتا رہے، لیکن نیم گرم پانی سے اور جہاں تک ممکن ہو یا تو صابن استعمال ہی نہ کیا جائے اور اگر کیا بھی جائے تو برائے نام۔

گو دماغی طور پر وہ کافی چوکس اور تیز ہوتے ہیں، لیکن، جسمانی نشو و نما ایک دو مہینہ پچھڑ جاتی ہے۔ خود آپ کیلئے بغیر سہارا بیٹھنے میں دیر لگتی ہے۔ بیٹھنے سے پہلے رینگتے ہیں، وہ عموماً دیر میں چلتے ہیں، اُن کے عضلے نرم ہوتے ہیں۔ دانت دیر میں نکلتے ہیں۔

ہر مہینہ ان بچوں کے بڑھنے کا ایک تختہ بنایا جانا چاہیئے تاکہ تدریجی ترقی معلوم ہو سکے

بعض وقت قبل از وقت بچہ کا سر بہت بڑا ہوتا ہے اور اس کے ماتھے کی ہڈیاں نمایاں ہوتی ہیں۔ ان بچوں کو ہمیشہ

اینیمیا، سوکھے کی بیماری اور فسر بہی سے بچانا چاہیئے۔

اگر ماں خود دودھ پلاتی ہے تو بچہ بہت دیر میں دودھ پیتا ہے، اور اکثر دودھ اُگل دیتا ہے۔ ایسی صورت میں بار بار دودھ پلانا پڑتا ہے۔ اُس کو دودھ پینے سے پیشتر رونے نہ دینا چاہیئے کیونکہ بچہ پہلے ہی سے کمزور اور ناتوان ہے اور وہ ضرورت سے زیادہ تھک جائے گا اور تکان اور سستی کی وجہ سے کچھ بھی نہ کھا سکے گا۔

چھوٹے بچے کھنچاؤ اور تناؤ کو محسوس کرتے ہیں۔ اپنی زندگی کے چال اور رفتار کو ذرا کم اور سست کرنا سیکھنا چاہیئے۔ بچہ جب روتا ہے تو اپنا کام چھوڑ دو، اور اُس کی طرف متوجہ ہو، اُس کی ضرورت کو پہلے رفع کرو۔ ہر وقت بڑبڑ اور جلدی اچھی نہیں۔ خصوصاً کھانا کھلانے وقت نہایت سہولت سے کام لو، گڑبڑ مچانے سے اور بغیر خواہش زبردستی دودھ پلانے سے اُس کا ہاضمہ متاثر ہو جائے گا۔ بچہ دودھ کو اگل دے گا۔ یا پیٹ میں درد ہونے لگے گا یا دست آنے لگیں گے۔

ایرا، غیرا، نتھو، خیرا کے جملوں کا نام فوراً اثر لے لیتے ہو۔ خصوصاً جب وہ تمہارے بچے کی ناتوانی اور کمزوری کے متعلق باتیں کرتے ہیں۔ اُن کے جملوں کا خیال نہ کرو اور اُن سے کہہ دو کہ ہو سکتا ہے کہ تمہارا بچہ اُن کو کمزور اور بیمار نظر آتا ہو لیکن تم اپنے بچے کو اُن سے زیادہ جانتی ہو۔ اور تمہارا بچہ بالکل تندرست ہے وہ پیدائشی کمزور تھا، اور اُس کو بڑھنے اور مضبوط بننے میں یقیناً

زیادہ زمانہ لگے گا۔ اس کی عمر کا سوال نہیں۔ بہت سے کچھ دنوں کے بچے دو سال کے بعد نارمل بچوں کی طرح بڑھتے ہیں۔ اس کے بعد کوئی فرق نارمل بچوں اور ان میں نظر نہیں آتا۔ یہ ہمیشہ ذہن نشین رہے کہ بہت سے مشہور و معروف آدمی ایسے گزرے ہیں جنھوں نے زندگی کی اپنی کوتاہیوں کا کامیاب مقابلہ کیا۔

پس افتادہ بچہ

نشو و نما میں رکاوٹیں کچھ تو ورثہ سے متعلق ہوتی ہیں۔ اور کچھ ماحول، حالات اور واقعات سے۔ ورثہ میں ماں باپ سے بچہ کو کچھ خامیاں ملتی ہیں اور کچھ پیدائش کے وقت جہالتوں اور خرابیوں کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ بہت سی دماغی کمزوریاں اور جسمانی خرابیاں بچپن ہی میں آشکارا اور ہویدا ہو جاتی ہیں۔ نمایاں تخویں کو بھانپ لینا کچھ زیادہ دشوار اور مشکل نہیں۔

کچھ نارمل بچے پہلے چھ یا بارہ مہینے میں بہت آہستہ آہستہ چلتے ہیں لیکن آگے چل کر ان کا نمو تیز ہو جاتا ہے اور دو تین سال میں وہ دوسرے بچوں کی طرح تنومند اور تندرست ہو جاتے ہیں۔ پست افتادہ اور کمزور بچوں کی نگہداشت

اور بھی ضروری ہے۔ اُن کو نہایت محبت پیار اور ہمدردی سے پالنا چاہیئے۔

یہ سمجھے رہنا چاہیئے کہ جب تک بچہ جذباتی طور پر جاندار ہے چاہے وہ روئے، چاہے وہ ہنسے تندرست اور توانا ہے۔

شیر خواری اور مدرسے جانے سے پہلے کی عمر تک بعض بچے جذباتی دباؤ کا شکار رہتے ہیں جس کی وجہ سے اُن کے فطری عمل میں خلل پڑ جاتا ہے، اور یہ پیش خیمہ ہوتا ہے زیادہ پرخطر خلل کا۔

یہ نمایاں علامتیں ہیں رنج وغم کی جو دور کی جانی چاہیئے

ایک بچہ جس کی آواز مسلسل تیز، سخت، دبی دبی سپاٹ اور بے سُری ہو یقیناً جو کسی جذباتی پریشانی کا شکار ہے۔

وہ اپنے جذبات کو دبا رہا ہے یا مار چکا ہے، کھال کی بیماریاں اگر عموماً جذبات کی شدت کا نتیجہ ہوتا ہے، بدن کا کانپنا ہاتھ پیر ٹیکنا بھی شدت جذبات کی علامتیں ہیں، بعض مرتبہ ہاتھ پیر اور بدن کا کوئی حصہ سن پڑ جاتا ہے اور بے حس ہو جاتا ہے۔ سوتے میں ڈراؤنے خواب پڑتے ہیں۔ نیند سے اُچھل اُچھل پڑتے ہیں۔ بستر پر پیشاب ہونے لگتا ہے اور اکثر قے ہوتی ہیں۔

جو بچے "آزم" میں مبتلا ہوتے ہیں اُن کو اُن کے حال پر چھوڑ دیا جائے ۔ وہ پیار، چپٹانے، محبت کرنے پر ردِ عمل نہیں کرتے ۔ اُن میں زائد چستی ہوتی ہے ۔ وہ میکانی کاموں میں طاق ہوتے ہیں ۔ وہ اپنی عمر سے پہلے پھرکیاں قفل اور سوئچ وغیرہ سدھارنے اور بنانے میں مہارت دکھاتے ہیں ۔

وہ جسمانی خطروں کی پرواہ نہیں کرتے اور حادثہ اُن کو مرعوب نہیں کر سکتا ۔ وہ خطروں سے کھیلتے ہیں ۔ درد کی نہ اُن کو پرواہ ہوتی ہے اور نہ وہ خاطر میں لاتے ہیں ۔ یہ اُن کی نمایاں خصوصیت ہے ۔

تیسرے سال کے ختم پر زبان کی نارمل ترقی رک جاتی ہے

انسانی ربط میں کمی پیدا ہو جاتی ہے، جذبات پژمردہ ہو جاتے ہیں اور بے جان چیزوں سے دلچسپی بڑھ جاتی ہے ۔

اُس کو تکراری نمونے، موزوں، مناسب پسند آتے ہیں

اُس کو بند مقامات سے تنفر پیدا ہو جاتا ہے ۔ وہ اکثر پہلی اولاد ہوتا ہے

وہ اکثر ذہین لیکن سخت اور کرخت والدین کی اولاد ہوتا ہے۔
تکلیف وہ جذبات انسانی نسل سے وابستہ ہیں، اس کو بے جان مردہ دل لوگ پسند آتے ہیں اس کو جنسی مضمونوں میں لطف اور مزا آتا ہے۔ وہ انسانی صحبتوں سے جی چراتا ہے۔

اُس کا اشتراک عمل اور سماجی کاموں کیلئے دل بڑھانا چاہئیے

تلفظی غلطیاں ٹھیک کی جائیں۔ گفتگو کی خامیوں کو درست کیا جائے ۔ ہو سکتا ہے کہ یہ آلہ تکلم کی خرابی کا نتیجہ ہو۔ بچہ کی خام اور غیر پختہ باتیں ہو سکتا ہے ماں کی محبت یا زائد حفاظت یا دلکش بچپن کا نتیجہ ہوں۔ پہلے رک رک کر بات کرتا ہے پھر ہکلانے لگتا ہے۔

بچہ کو اگر اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے تو وہ ایک زمانہ گزرنے کے بعد خود اپنے آپ کو درست کر لیتا ہے۔ لیکن پُرجوش والدین ضرورت سے زیادہ زحمت اپنے بچوں کی چھوٹی خامیاں دور کرنے کیلئے اختیار کرتے ہیں ۔ وہ بلا وجہ متفکر رہتے ہیں اور ان خامیوں کو رفع کرنے کے لئے لاکھو جتن کرتے ہیں۔ ہر کس و ناکس سے ترکیبیں پوچھتے ہیں۔ نیم حکیم خطرہ جان کے ٹُچکلوں پر عمل کرنے لگتے ہیں۔

عاملوں کی ٹوہ میں لگے رہتے ہیں اور گنڈے تعویذ اور ٹوٹکے ٹونے پر اعتقاد رکھ کر اپنی اور بچّہ کی زندگی کو اجیرن بنا لیتے ہیں۔ ہم کو خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ ابتدائی بچپن کا زمانہ خصوصاً چھ برس کی عمر تک کا زمانہ اپنے خاص مسائل رکھتا ہے اور ان مسائل کو حل کرنے کے لئے کوئی خاص دوا دعا کی ضرورت نہیں۔ کسی قسم کے علاج کی ضرورت نہیں۔ مشکلات کئی وجوہ سے پیدا ہو جاتی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ مشکل ذہنی پستی یا دماغی پس ماندگی کا نتیجہ ہو۔ ممکن ہے کہ بچپن میں اُس کے ذہن کے سنوارنے کے ذریعے اختیار نہ کئے گئے ہوں۔ اُس کی طرف سے لاپرواہی برتی گئی ہو اور اُس کو اچھوت سمجھا گیا ہو۔

وہ یا تو بے مزاحمت منفعلانہ اُس کو قبول کر لیتا ہے یا بغاوت کرتا ہے اور مجرم ہو جاتا ہے۔ ہمدردانہ طور پر اُس کا دل بڑھانا چاہیئے۔ اُس کو اپنی قابلیتوں اور صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کے لئے بڑھاوے چڑھاوے دینا چاہیئے۔ انعام اور شاباشی سے اُس کے حوصلوں کو بلند کرنا چاہیئے۔ غلطی اصل میں یہ ہے کہ اس میں کمی اور خامی کا احساس تو پیدا کر دیا گیا لیکن اُس کو یہ نہیں باور کروایا گیا کہ اُس میں چند خوابیدہ قابلیتیں اور صلاحیتیں بھی ہیں جن کو اگر وہ کام میں لائے تو کام کا آدمی بن سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ خام غذا اور نا مکمل خوراک کی وجہ سے اُس میں سیکھنے کی صلاحیت جیسی کہ پیدا ہونی چاہیئے تھی پیدا نہ ہوئی ہو۔ غریب گھر میں پیدا ہونے کی وجہ سے اُس کو وہ سہولتیں نہ ملی ہوں

جو کام کی باتیں سیکھنے اور زندگی میں ترقی کرنے کے لئے ضروری ہیں ممکن ہے کہ اُس کی ذہنی پستی کا سبب اُونچا سننا یا نظر کی کمزوری ہو۔ جو کچھ پڑھایا جا رہا ہے۔ اُس کو اچھی طرح سنائی نہ دیتا ہو۔ تختہ سیاہ پر لکھا ہوا اُس کو واضح طور پر نظر نہ آتا ہو' وہ شرم یا ڈر کی وجہ سے دوسروں سے پوچھ نہیں سکتا ہو اصل سبب کو جانتا نہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دن بدن وہ اپنے ساتھیوں سے مسابقت کی دوڑ میں پچھڑتا جاتا ہے۔ پھر مایوس ہو کر اپنے آپ کو نکما سمجھنے لگتا ہے۔

اُس کی پس ماندگی کی وجہ جذبات کا ہیجان بھی ہو سکتا ہے گھر کی آئے دن کی چخ چخ تو تو، میں میں تضا فضیحتی، بچہ کو سکونِ قلب سے اپنے مفوضہ کام دلجمعی سے کرتے رہنے سے باز رکھتی ہے۔ وہ ناکام ہوتا ہے اور ہر ناکامی فرہبڑ ناکامی کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے۔ لعنت ملامت کرنے والے سب ہوتے ہیں کوئی اُس کا دل بڑھانے والا نہیں ہوتا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُس کے جذبات میں الجھاؤ پیدا ہو جاتا ہے۔

تباہ حال اور برباد گھر، گھر جو جنت کا نہیں دوزخ کا نمونہ ہوتے ہیں بچوں کی بربادی کا سبب ہوتے ہیں۔ ماں باپ میں اَن بن، آئے دن کا جھگڑا فساد، طلاق اور اسی قسم کی دوسری چیزیں بچوں میں نفسیاتی امراض پیدا کرتی ہیں۔ معاشی پستی، غربت و مفلسی بچہ کی نمو پر یقیناً اثر انداز ہوتے ہیں۔

کمزور بچے

کمزور بچے فطرتاً سست اور مجہول ہوتے ہیں۔ سستی اور آرام طلبی کی وجہ سے وہ ہر چیز بغیر اپنی فاتی محنت اور کوشش کے حاصل کرنے کے لئے روتے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ دوسرے اُن کا ہر وقت ہاتھ منہ پیتے رہیں اور اُن کی ضرورتوں کو پورا کریں، وہ جلد تھک جاتے ہیں، اُن کی طبیعت جلد اُچاٹ ہو جاتی ہے وہ چاہتے ہیں کہ دوسرے اُن کا دل بہلائیں اور تفریح کا سامان مہیا کریں، وہ ہر چیز سے ڈرتے ہیں اور بڑوں کا سہارا ڈھونڈتے ہیں۔ وہ اکثر جھوٹ بولتے ہیں اور چیزیں چراتے ہیں۔ اُن میں بعض وقت جسمانی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں جو دراصل نفسیاتی الجھنوں کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ مثلاً کھانا نہیں کھاتے یا بہت زیادہ کھانے لگتے ہیں، جس کی وجہ سے اُن کا ہاضمہ بگڑ جاتا ہے۔ ڈراؤنے خواب، اندھیرے سے خوف اور اُچاٹ اچاٹ نیند سے بے خوابی کی بیماری پیدا ہو جاتی ہے اور اکثر گردہ کی بیماری کا شکار ہو جاتے ہیں۔ وہ اعصابی امراض میں بھی مبتلا ہو جاتے ہیں یہ تمام بیماریاں ڈاکٹر حکیم اور وید کے علاج سے دور نہیں ہو سکیں۔ یہ نفسیاتی بیماریاں ہیں اور ان کا علاج طب میں نہیں بلکہ تجزیہ نفس میں ہے۔

ایک کمزور بچہ یا تو دبو، ڈرپوک ہو کر اپنے ہی خول میں گھس جاتا ہے۔ وہ دوسروں سے ملتے جلتے ہوئے گھبراتا ہے۔ وہ چوں کہ دوسروں سے اسی طرح پر مقابلہ نہیں کر سکتا لہٰذا وہ مکروہ و دیگر اخلاقی اور غیر سماجی ذریعے اپنی ترقی اور اہمیت جتانے کے اختیار کر لیتا ہے۔ یا سماج میں اپنی جگہ حاصل کرنے کے لئے وہ جابر، مغرور، اور خود پسند ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات جسمانی اعتبار سے کمزور یا معذور بچے ضرورت سے زیادہ محنتی اور کتاب کے کیڑے بن جاتے ہیں۔ وہ اپنی جماعتوں میں اول آتے ہیں۔ سالانہ جلسوں میں انعامات پر انعامات پاتے ہیں اور اس طرح اپنی برتری کا سکہ دوسروں کے دلوں پر جماتے ہیں۔ انہی میں سے نامور مصور، سنگ تراش، شاعر، مصنف، اور موسیقی داں نکلتے ہیں جن کے کارہائے نمایاں سے دنیا جہاں جگمگا اٹھتی ہے۔ اور اُن کے نام امر ہو کر رہتی دنیا تک کے لئے قائم ہو جاتے ہیں۔

کمزور لڑکے کا کوئی مسئلہ نہیں۔ وہ کسی کو نہیں ستاتا۔ ماں باپ کے کہنے پر چلتا ہے۔ ماں سمجھتی ہے کہ اُس کا لاڈلا بیٹا بہت سعید اور بڑا فرمانبردار ہے۔ وہ سمجھتی ہے کہ بچہ اُس کو اتنا چاہتا ہے کہ بغیر اُس کے سوتا نہیں، لیکن، بعد میں اُسکو معلوم ہوتا ہے کہ اُس کے حرکات، و سکنات نارمل بچوں کی طرح نہیں، اور قوت تکلم میں بھی وہ اپنے ہم عمر بچوں سے پچھڑ گیا ہے۔ وہ ڈگمگا ڈگمگا کر چلتا ہے۔ اور گر گر پڑتا ہے

طاقتور بچہ

طاقتور بچے کی علامتیں تشدّد، غصّہ کے دورے، تلوّن مزاجی حکم عدولی، اور حملہ ہیں۔ نافرمانی نمایاں خصوصیت ہے۔ قبضہ، خودغرضی، حسد جیسی تخریبی جبلتیں پائی جاتی ہیں۔ دوسروں کی چیزوں کو زبردستی حاصل کرنا طاقتور بچوں کی نمایاں خصوصیت ہے۔ وہ اپنے مقصد کو بدلتا رہتا ہے۔ توجہ کو ایک چیز پر زیادہ دیر تک مرکوز نہیں کرسکتا، توجہ کے فقدان کی وجہ سے ہاتھ کی حرکتوں کو ہم آہنگ کرنے میں دقّت محسوس ہوتی ہے۔ اور اس سے چیزیں ہاتھ سے گر جاتی اور ٹوٹ جاتی ہیں۔

ذہنی الجھاؤ تصور کی زیادتی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ یہ بچے عموماً چیختے، چلاتے اور گڑبڑ مچاتے رہتے ہیں۔ وہ دوسروں کو ستاتے اور پریشان کرتے ہیں۔

دوسروں کے کام میں مخل ہوتے ہیں۔ کمزور بچوں اور جانوروں پر ظلم وزیادتی کرتے ہیں۔ کھانے کے شوقین اور لالچی ہوتے ہیں۔ دسترخوان پر مزیدار چیز پر بڑھ بڑھ کر ہاتھ مارتے ہیں اور سب کچھ خود کھا جانا چاہتے ہیں

طاقتور اور شریر بچوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے یا تو کمسنی ہی میں مدرسہ بھیج دیئے جاتے ہیں، یا نرسوں، کھلائیوں اور معلانیوں کے سپرد کر دیئے جاتے ہیں، غرض یہ کہ والدین کی زندگی ہی میں وہ یتیمی کی زندگی بسر کرنے لگتے ہیں۔ بعض اوقات ماں باپ اور استادان شریر بچوں کو درست کرنے کی خاطر سختی کرتے ہیں اور سخت جسمانی سزا دیتے ہیں جس سے معاملات سدھرنے کے بجائے اور بھی بگڑ جاتے ہیں، بعض والدین شریر بچوں کی خوشامد اور التجائیں کرتے ہیں۔ قسمیں اور واسطے دلاتے ہیں، اور آخر کار تھک کر اور ہار مان کر خاموش ہو بیٹھتے ہیں۔

والدین کو چاہیئے کہ بچے جب کوئی کام کریں تو اُن کو وہ کام خود کرنے دیں۔ اُن کا کام خود کبھی نہ کریں، اور نہ بلا وجہ مدد کرنے کے لئے پہنچ جائیں۔ وہ آپ کی مدد سے خوش نہیں ہوگا، ملامت، سختی یا علاج کارگر نہیں ہوگا کیونکہ اصل میں بچہ ذہنی طور پر بھوکا ہے، اور اگر کوئی بھوکا ہو تو خوشامد، سختی یا دوا سے اُس کی بھوک دور نہیں ہوسکتی۔ اسکو کھانا چاہیئے۔ اسی طرح ذہنی بھوک کو ذہنی غذا چاہیئے۔ وہ جانور نہیں بلکہ آدمی ہے، اور وہ اپنی شخصیت اپنے کردار سے بناتا ہے

اکلوتا بیٹا

اکلوتا لڑکا کیونکہ لاڈ و پیار کی گود میں پلتا ہے اس لئے دنیا کے سرد و گرم سے ناموافق رہتا ہے۔ بڑے ہونے پر مدرسے کے لڑکے اُس کو ستاتے ہیں۔ وہ انتہائی حساس ہوتا ہے، گھر میں اُس کی ہر ضد پوری کی جاتی تھی۔ ہر کام کے کرنے سے روکا جاتا تھا۔ مٹی میں کھیلنے سے منع کیا جاتا تھا۔ ہر وقت بنا سنورا گڈا بنا رہتا تھا۔ اب ساتھی چھیڑتے ہیں۔ یہ بگڑتا ہے، غصہ ہوتا ہے، روتا ہے، وہ اور چھیڑتے ہیں۔ اس بیچارے کی جان ضیق میں ہو جاتی ہے، فریاد کرے تو کوئی سننے والا نہیں ہوتا۔ اُس کو اب محسوس ہوتا ہے کہ اُس کی تربیت ٹھیک طور پر نہیں کی گئی۔ وہ کشمکش زندگی کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار نہیں کیا گیا۔ اُس کو شیشہ کے گھر میں رکھ کر پرورش کی گئی۔ یہ شمع فانوس میں منور تھی، اب فانوس نہ رہا تو ہوا کے ہلکے سے جھکولے سے جھلملانے لگی گھر میں جن حرکتوں پر واہ واہ ہوتی تھی، اب ٹولی میں اُنہیں حرکتوں کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ اور گھر پر جن کاموں کے کرنے سے منع کیا جاتا تھا جتھہ میں وہی کام فخریہ طور پر کئے جاتے ہیں۔ بیچارہ بچہ عجب گو مگو کے عالم میں ہوتا ہے۔ کچھ کرتے دھرتے نہیں بنتی۔

اخلاقی معیاروں کمیں تصادم پیدا ہوتا ہے۔ وہ ماں باپ کی،

حکم عدولی کرنے لگتا ہے، اور مدرس کے احکامات کا مذاق اڑاتا ہے کم سے کم کام کرتا ہے۔ اخلاق کے تمام اقدار کو ٹھکرا دینا چاہتا ہے اُن کی وقعت اُس کی نظر سے گر جاتی ہے۔

اگر وہ بغاوت نہیں کرتا اور اسی طرح اپنے ماں باپ کے بتائے ہوئے اصولوں پر چلتا رہتا ہے تو وہ بزدل، گھُرگھُسو بن جاتا ہے اور مدرسہ کے لڑکے اُس کو طعن و تشنیع کے تیر دل کا نشانہ بناتے ہیں، وہ امتحان میں اول ہو کر چاہے کامیاب ہو، لیکن ٹولی میں عزت کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ وہ اپنے علم اور قابلیت سے زیادہ فائدہ نہیں اٹھا سکتا کیونکہ سوسائٹی میں اُس کا کوئی درجہ نہیں ہوتا۔ اُس کو اپنے اوپر اعتبار نہیں ہوتا۔ اُس کو دوسروں سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔

لاڈلے بچے

خاندان میں ایک دوسرے سے جُوتا چلتا ہی رہتا ہے۔ شاید ہی کوئی ایسا خاندان ہو جس کے افراد ایک دوسرے سے جھگڑتے نہ رہتے ہوں۔ مثل مشہور ہے کہ جہاں ایک سے زیادہ برتن ہوتے ہیں وہاں برتنوں کے بجنے کی آواز آتی ہی رہتی ہے۔ رشک و حسد کی آگ بھڑکتی رہتی ہے۔ گھر والوں میں کوئی لڑکے کو زیادہ چاہتا ہے کوئی لڑکی کو۔ کوئی بڑے پر فریفتہ ہوتا ہے کوئی چھوٹے پر۔ چھوٹے کی شرارتیں نظر انداز کر دی جاتی ہیں اور بڑے کو ذرا ذرا سی غلطی پر ٹوکا جاتا ہے ایک لڑکے کا ایک کام سراہا جاتا ہے جبکہ اُسی کام پر دوسرے کو تنبیہ کی جاتی ہے۔

بچہ کو یہ احساس نہ پیدا ہونے پائے کہ اُس کے ساتھ انصاف نہیں برتا جا رہا ہے۔ یا اُس کے ساتھ زیادتی کی جاتی ہے۔ وہ اِس خیال کو لے کر بڑا ہوتا ہے کہ دنیا ناانصافی اور زیادتی سے بھری پڑی ہے دنیا اُس کے خلاف ہے۔ اُس کے راستے میں روڑے اٹکاتی ہے۔ اُس کی ترقی کی سد راہ ہوتی ہے۔ اُسکو نیچے دیکھانا چاہتی ہے۔ اُس کو زندگی کی دوڑ میں ناکام بنانا چاہتی ہے اور اُس کی خوبیوں اور محنت کو نہیں سراہنا چاہتی۔

پھر مشکل یہ ہے کہ لاڈلا بچہ یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ ہر چیز کے

حاصل کرنے کا استحقاق رکھتا ہے۔ اُس کا اعلیٰ منزلوں پر پہنچنا پیدائشی حق ہے۔ کیونکہ اُس کی شخصیت خاص شخصیت ہے۔ وہ عام لوگوں سے مختلف ہے۔ بچپن میں اُس کو خاص مراعتیں نصیب ہیں، اب بڑا ہونے کے بعد بھی وہ خاص مراعات سے مستفید ہونا اپنا حق سمجھتا ہے زیادہ لاڈ پیار میں پلے ہوئے بچّے کی شخصیت غیر متوازن ہو جاتی ہے وہ بغیر ماں باپ کے سہارے کے اپنے آپ کو غیر محفوظ متصور کرتا ہے

ناپسندیدہ بچّہ

جس بچّہ کو پسند نہیں کیا جاتا اُس کی طرف توجہ کم دی جاتی ہے اُس کی ضروریات کا خیال نہیں کیا جاتا۔ اُس سے کوئی محبت نہیں کرتا کوئی پیار نہیں کرتا۔ کوئی گلے نہیں لگاتا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو حقیر و کمتر محسوس کرنے لگتا ہے۔

وہ سمجھ جاتا ہے کہ ع

نہ کسی کی آنکھ کا نور ہوں نہ کسی دل کا قرار ہوں

وہ بہت کم توقع کرتا ہے اور جو کچھ مل جائے اُس پر شکر گزار ہوتا ہے۔ وہ جھڑکی اور بُرا بھلا کہے جانے کو بہت محسوس کرتا ہے دوست اُس سے متنفر ہو جاتے ہیں اور وہ آخر میں تنہائی پسند ہو جاتا ہے۔

اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ باغی ہو جاتا ہے، غیر ضروری بہادری،

اور جرأت کا مظاہرہ کرنے لگتا ہے اور خود مختار بن جاتا ہے۔ وہ کسی کی پرواہ نہیں کرتا کیونکہ اس کو یقین ہوتا ہے کہ اس کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔

وہ صرف دوسروں کو مشتعل کرنے کے لئے زبون حرکات کرتا رہے۔ نہ خوشامد کا اُس پر اثر ہوتا ہے نہ ڈر کا۔ نہ وہ مدد کا متمنی ہوتا ہے اور نہ عزیزوں کے سہارے کا وہ اپنے پیروں پر اکیلا کھڑا ہونا چاہتا ہے۔ وہ محنت شاقہ کرتا ہے کہ اُس کو اتنی قوت نصیب ہو جائے کہ اُس کو کسی مدد کی ضرورت نہ پڑے۔ وہ دوستی کے بڑھتے ہوئے ہاتھ کو بھی شک وشبہ کی نظر سے دیکھتا ہے اور مشفقانہ مشورہ یا مدد کو بھی ٹھکرا دیتا ہے۔

حقیقت میں ایسا آدمی ہمیشہ غیر مطمئن اور غیر مسرت بخش زندگی بسر کرتا ہے اُس کو خدشہ لگا رہتا ہے کہ کہیں پھر اُس کو دھوکہ نہ دیا جائے۔

چاہتے اور منت مرادوں کے بچے ان خامیوں اور کمزوریوں کے شکار نہیں ہوتے۔

ماں کا رویہ بچہ کی زندگی کی کایا پلٹ کر سکتا ہے۔ ناپسندیدہ بچہ جب محسوس کرتا ہے کہ ماں یا گھر والے اس سے محبت نہیں کرتے تو کھانا پینا کم کر دیتا ہے اور اکثر بھوکا رہتا ہے۔ وہ بھوک ہڑتال کے حربے سے اُن کی توجہ اپنی طرف مبذول کرتا ہے۔ والدین پریشان رہتے ہیں اور ہر وقت اور ہر محفل میں اُس کے غذا سے بیزارگی کا ذکر کیا کرتے ہیں۔ جس وقت بچے ماں باپ اور

گھر والوں کو ستانے کے لئے ضرورت سے زیادہ دیر تک کھاتے رہتے ہیں بعض وقت ایسے بچے باپ کے بھی کام میں مخل ہو کر ستاتے ہیں اُن کے مطالعہ کے کمرے میں ڈٹے رہتے ہیں۔ قلم یا لکھنے پڑھنے کی چیزیں چھپا دیتے ہیں۔ عینک چھتری اور ٹوپی کو چھپا کر وہ باپ کی بدحواسی اور پریشانی سے بےحد محظوظ ہوتے ہیں، اُن کی خوشامدیں کی جاتی ہیں لیکن وہ نہیں بتاتے۔ وہ سزا کی پروا نہیں کرتے اور اس راہ میں پٹنے تک کو ترجیح دیتے ہیں۔ ماں باپ کی بیزارگی اور ناپسندیدگی بچہ میں پس پائی اور ناکامی کا احساس پیدا کر دیتی ہے
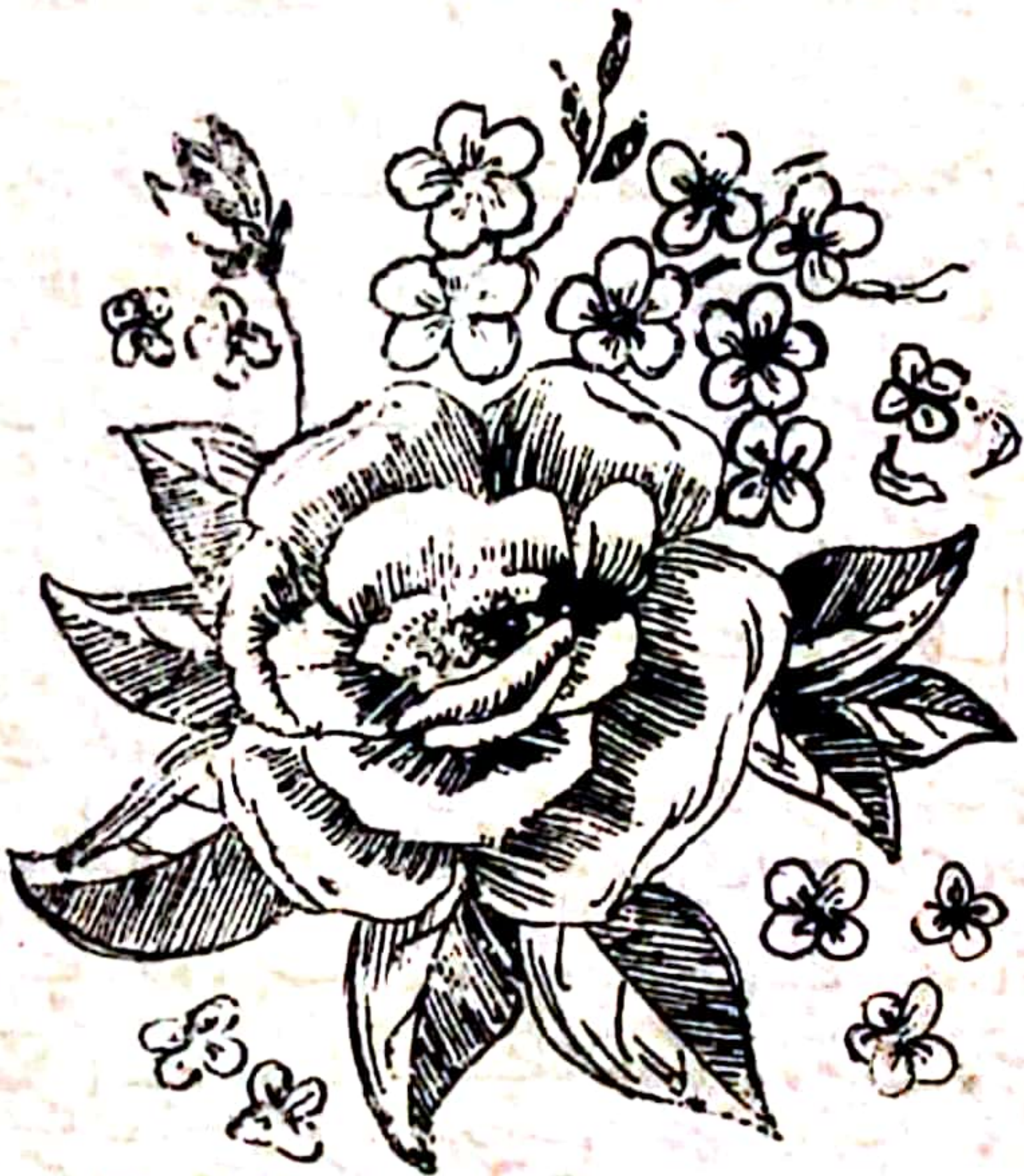
پہلا بچّہ اور سب سے چھوٹا بچّہ

سب سے بڑے اور پہلے بچّہ کو بہت سی مراعات ہوتی ہیں اور دشواریاں بھی! ایک دو سال تک تو کم از کم وہ گھر میں واحد لڑکا ہوتا ہے۔ اور جب دوسرا بچہ پیدا ہوتا ہے تو ماں کی توجہ اُس کی طرف سے ہٹ جاتی ہے۔ اگر بچّہ پہلے سے اس حادثہ کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار کر دیا جائے تو خیر ورنہ بہت سی نفسیاتی الجھنیں پیدا ہو جاتی ہیں۔

اکثر وہ بستر خراب کرتا ہے۔ یا غصہ سے بپھر جاتا ہے۔ ناخن کاٹنے لگتا ہے یا ہکلانے لگتا ہے۔ اور اُس کی ماں جیسے کام کاج کی زیاتی اور مصروفیت کی وجہ سے دم لینے کی فرصت نہیں ملتی بچہ کی ان نازیبا حرکتوں پر چیں بجبیں ہوتی ہے۔ اُس کو غصہ آتا ہے مار دھاڑ کرتی ہے۔ بُرا بھلا کہتی ہے۔ جس سے معاملہ بجائے سلجھنے کے اور الجھنے لگتا ہے۔

بچہ سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے نرسری اسکول میں داخل کر دیا جاتا ہے۔ وہ مدرسے سے نفرت کرنے لگتا ہے اپنے ساتھیوں سے لڑتا جھگڑتا ہے۔ مارتا پیٹتا ہے اُستاد عموماً کی نوعیت کو نہیں سمجھتے اور اُس کو معمہ بچہ تصور کرنے لگتے ہیں۔

خاندان میں سب سے چھوٹا بچہ بھی بہت سی پیچیدگیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی ماں کا چہیتا ہوتا ہے باپ کا لاڈلا ہوتا ہے۔ بڑے بھائی بہن کبھی اُس کو پیار کرتے گلے لگاتے ہیں اور کبھی اُس کو ڈرانے دھمکاتے ہیں۔ اکثر بڑے بھائی بہن چھوٹے بھائی کی ٹھکائی بھی کرتے ہیں۔ اِدھر اُدھر آتے جاتے ایک دو دھول رسید کرتے ہیں۔

یتیم بچے

ماں یا باپ میں سے کوئی ایک اگر مر جائے تو اُس کا اثر بچہ کی زندگی پر اِس لئے اور بھی پڑتا ہے کہ والدین میں سے جو بچا ہے مغموم زندگی بسر کرتا ہے۔ آہیں بھرتا رہتا ہے۔ افسوس کرتا ہے اور کبھی کبھار روتا رہتا ہے۔ بالغ لڑکا اپنے ماں کے غم سے بہت متاثر ہوتا ہے۔ اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرتا ہے اور تہیہ کر لیتا ہے کہ تمام عمر ماں کی خدمت کرے گا۔ اُس کی زندگی کو خوشگوار بنانے کی کوشش کرے گا اور ماں کی خبر گیری اور خدمت کو مقدم سمجھے گا۔ وہ یہ بھی مصمم ارادہ کر لیتا ہے کہ زندگی بھر شادی نہیں کرے گا۔ لڑکی باپ کو آرام پہنچانے کی خاطر، اُس کی زندگی کو مسرت بخش بنانے کی خاطر شادی سے انکار کر دیتی ہے، کیونکہ وہ محسوس کرتی ہے کہ باپ کو ایسی حالت میں اکیلا چھوڑ دینا انتہائی

خود غرضی اور ناسپاسگزاری ہے۔

اگر ماں کام کاج کرکے بچوں کا پیٹ پالتی ہے تو بچے اور بھی ماں سے لاگو ہو جاتے ہیں اور جذباتی اور اقتصادی جذبات پیدا ہو جاتے ہیں۔

اعداد و شمار سے ثابت ہے کہ والدین کے انتقال کی وجہ سے بچے کی تعلیم کا معیار متاثر ہوتا ہے۔ یتیم بچے دوسرے بچوں سے پچھڑ جاتے ہیں۔ اُن کی توجہ میں ۵۰ فیصد کمی ہو جاتی ہے۔ وہ اپنی روزی خود اپنے آپ کمانے کے قابل نہیں ہوتے۔ لہٰذا یہ سماج کا فرض ہے کہ وہ اُن کے آسائش و آرام کا خاطر خواہ انتظام کرے تاکہ وہ اِس کمی کو پورا کر سکیں۔

گود لئے بچے

گود لئے بچے اندھیرے میں پرورش پاتے ہیں۔ جب بڑا ہو کر بچہ کو مدرسہ یا ہمسایہ کے لوگوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ماں باپ اُس کے اصلی ماں باپ نہیں تو اُس کو دھچکا پہنچتا ہے۔ اکثر وہ چوری شروع کر دیتا ہے اور دیگر نفسیاتی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ گود لیا لڑکا بڑا ہو کر غیر سماجی فرد بن جاتا ہے۔ زندگی کے تلخ تجربے اُس کو نفرت کرنا سکھا دیتے ہیں۔ وہ سخت گیر ہو جاتا ہے۔ بہت سے ذہین بچے ٹھٹھر کر رہ جاتے ہیں۔ وہ اصل

میں غبی اور کند ذہن نہیں ہوتے بلکہ اُن کے ذہن کو نشو و نما کے موقعے بھی نہیں ملتے۔

کم سن مجرم

شہروں میں کم سن مجرم زیادہ تعداد میں پائے جاتے ہیں بہ نسبت گاؤں کے شہروں میں بھی اسلم کم سن مجرموں کے اڈے ہیں۔

کم سن مجرم بن جانے کی صرف ایک وجہ نہیں ہوتی۔ لڑکے لڑکیوں سے زیادہ تعداد میں مجرم نظر آتے ہیں۔ البتہ شہوانی جرم لڑکیوں سے زیادہ سرزد ہوتے ہیں۔ کم سن مجرم ایک تو ایسے ہوتے ہیں کہ اُن کی پرورش ہی مجرموں میں ہوتی ہے لہٰذا جب وہ خود مجرم ہوتے ہیں تو بہ نظرِ تحسین دیکھے جاتے ہیں۔ اور اُن کے ہم عمر اور ہم صحبت واہ واہ کرتے ہیں۔

دوسرا وہ کم سن مجرم ہوتا ہے جس کا سماج مجرم نہیں ہوتا لیکن اُس کی ضرورتوں اور صحبتوں نے مجرم بنا دیا۔

پہلے قسم کے مجرم کو ضرورت اِس امر کی ہے کہ اُس کا ماحول بدلا جائے اُس کو اچھی صحبت میں رہنے، اُٹھنے، بیٹھنے کا موقع دیا جائے۔ اُس کو اخلاقی اقدار سمجھائے جائیں اچھے اور نیک لوگوں کے نمونے دیکھنے اور اُن کی صحبت سے فیضیاب ہونے کا موقع دیا جائے۔

دوسرے قسم کے مجرم کے لئے نفسیاتی تحلیل اور تجزیہ کی ضرورت ہے

کہ کن وجوہ کی بناء پر وہ مجرم ہوا اور مجرمانہ عادتوں کا خوگر بنا۔ یقیناً
اُس کے مجرمانہ افعال نتیجہ ہیں کسی نہ کسی نفسیاتی الجھن کا۔ اور جب
تک یہ گتھی نہ سلجھائی جائے کم سن مجرم راہ راست پر نہیں آسکتا۔ اِس
گرہ کا کھولنا ماہرِ نفسیات کا کام ہے۔ مجرم دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک
وقتیہ دوسرے پیشہ ورانہ جن کی جرم عادت ثانیہ بن جاتی ہے۔ پیشہ ور
مجرم عموماً پہلے کم سن مجرم رہ چکے ہیں۔ اُن کے ساتھی اُن کو ایک خاطر
مجرم ہونے کی وجہ سے عزت سے دیکھتے ہیں۔

مجرم کی سزا اُس کے جرم کی مناسبت سے دینا چاہیئے۔ دوسروں
کی تنبیہ کی خاطر سزا نہیں دینا چاہیئے۔ مجرم کو اُس وقت تک سماج سے
علیٰحدہ رکھنا چاہیئے جب تک وہ سدھر جائے اور سماج کے لئے خطرہ
نہ ہو۔ قید کے زمانہ میں مجرم کی اخلاقی اور معاشی حالت کے سنبھالنے
کے ذرائع بہم پہونچائے جائیں تاکہ قید سے نکلنے کے بعد وہ ایک
امن پسند شہری کی طرح زندگی بسر کر سکے۔

سب سے زیادہ سنگین جرم زنا بالجبر ہے۔ یہ ناقابل عفو جرم
تصور کیا جاتا ہے۔ قید و بند سے اِس جرم کے عادتی مجرم اپنی
حرکات بہیمانہ سے باز نہیں آتے چاہیئے یہ کہ اِن کا نفسیاتی علاج
کیا جائے۔

رنڈیاں اِس لئے ہیں کہ مرد ایک سے زیادہ عورتوں سے مباشرت
کے دلدادہ ہوتے ہیں۔ وہ تبدیلی چاہتے ہیں۔ عورت کی فطری
خواہش اور کبھی معاشی مجبوریاں اُس کو اپنی جنس کے بیچنے کے لئے
[illegible]

کے اڈے قائم کرتے اور اُن سے مالی استفادہ کرتے ہیں۔ ملک کے گوشے گوشے میں اِن زناگھروں کا جال بچھا ہوا ہے۔ امراض خبیثہ اِن کے ذریعہ سے پھیلتے ہیں۔

کم سن مجرم اور ماحول میں قریبی تعلق ہے۔ بچّہ کی تعمیری جبلتوں کو جب اوائل عمری میں نکاس کے موقعے نہیں ملتے، اور اُن میں رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں تو وہ تخریبی ذریعے اختیار کرلیتی ہیں جب اُس کی فطری ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں تو وہ اِس کو بڑوں کی زیادتی تصور کرتا ہے اور اُن کے خلاف بغاوت کرتا ہے۔

وہ عموماً تین قسم کے جرم کرتے ہیں۔ اول۔ جان اور مال کا نقصان۔

دوسرے جنسی بے اعتدالی۔ تیسرے ماں باپ، اُستاد یا پولیس کے خلاف حرکات۔

بچّہ چھٹپن میں اگر والدین کی توجہ کا مرکز باقی نہ رہے اور وہ اُس سے دلچسپی لینا کم کر دیں۔ گود میں نہ لیں، پیار نہ کریں، سر پہ ہاتھ نہ پھریں، اُس کے کھانے پینے، پہننے اوڑھنے، کھیلنے کودنے کا خاطر خواہ خیال نہ کریں تو بچّہ اپنے آپ کو غیر محفوظ محسوس کرنے لگتا ہے اور غیر ذمہ دارانہ حرکتیں کرنے لگتا ہے۔

۶- ۳ برس کا بچّہ والدین اور گھروالوں کے تعلقات کے بموجب ردِ عمل کرتا ہے۔ اِس زمانہ میں اگر ماں باپ کے تعلقات خراب ہوں، یا اگر قطع تعلق ہو جائے تو بچّہ کی زندگی پر یقیناً اثر پڑتا ہے۔ اُس کے جذبات متاثر ہوتے ہیں۔ گو اِس عمر تک وہ

اپنے حرکات و سکنات پر بڑی حد تک قابو پا لیتا ہے۔ لیکن پھر بھی اُس کو والدین کی رہبری اور رہنمائی کی ضرورت ہے۔

۶ برس کے بعد اُس کے سماجی تعلقات میں اگر رکاوٹیں حائل ہوتی ہیں تو اُس کے جذبات مشتعل ہو جاتے ہیں۔ اِس زمانے میں وہ جسمانی ذہنی، جمالیاتی اور روحانی طور پر نشو و نما کرتا رہتا ہے۔ آزادی کی فضا میں نشو و نما ممکن ہے، پابندی، سختی، اور جبر سے ٹیڑھ پن پیدا ہو جاتا ہے۔

بلوغیت عمر کا نہایت نازک زمانہ ہے۔ اِس زمانے میں وہ بڑپن کے حدود میں داخل ہو رہا ہے، اور اپنے اطراف و اکناف کی دنیا پر قابو حاصل کرنا چاہتا ہے۔

جسمانی طاقت کا بڑھنا، سماجی لین دین اور تعلقات کا پیدا ہونا، دوسروں سے روابط اور تعلقات کا بڑھنا اُس کے آنے والی زندگی کا ریہرسل کر رہا ہے۔ بہت سی تہذیبوں میں اِس زمانہ میں اُس کو بڑپن کی سند دی جاتی ہے۔ ہمارے یہاں بھی ۱۳ یا ۱۴ برس کا لڑکا اور لڑکی سماج کے ذمہ دار رکن سمجھے جاتے ہیں۔ بعض اوقات اُن کو اپنی زندگی اپنے آپ بسر کرنی پڑتی ہے۔ وہ اپنی مرضی یا اپنے ماں باپ کی مرضی سے اِس عمر میں شادی کر سکتے ہیں۔ گھر بساتے اور اولاد پیدا کرتے ہیں۔

ذمہ دار ملازمتیں کرتے ہیں۔ ہاتھ پاؤں کے مضبوط ہوں اور تندرستی غیر معمولی اچھی ہو تو جھوٹی عمر لکھا کر فوج میں بھی بھرتی ہو جاتے

عموماً سوسائٹی بالغ کو زیادہ آزادی دینے کے خلاف ہے۔ اور اُس پر حد بندی کرتی ہے۔ وہ صرف ایک خاص دائرہ کے اندر آزاد رہ سکتا ہے۔ پھر مزا یہ کہ اس فرمانبرداری کا اُسے کچھ انعام نہیں ملتا۔ آیندہ کے فائدہ کی ایک موہوم سی آس، فائدہ بھی غیر یقینی، حاصل ہو، یا نہ ہو، آیندہ کا انعام اخلاقی اور تصوراتی بنیادوں پر مبنی ہوتا ہے۔

کم سن مجرم عموماً اقتصادی، اور سماجی خامیوں، کا شکار ہوتے ہیں تنگ و تاریک مکان، بیہودہ ماحول، گندے، مدرسے، مہذب تفریح کا فقدان، طبی امداد سے محرومیت کی وجہ سے وہ جرم کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ نہ کام کے انتخاب میں اُن کو اختیار حاصل ہے اور نہ پڑھنے اور ترقی کرنے کے دروازے اُن کے لئے کھلے ہوئے ہیں، اُن کے والدین ہر وقت سماج، حکومت اور تقدیر کے شاکی رہتے ہیں، کیونکہ اُن کے خیال میں ان تینوں نے اُن کے خلاف باقاعدہ سازش کر رکھی ہے، اور اُن کے فلاح و بہبود کے راستہ میں حائل ہیں۔

کیمونٹی میں وہ ادنیٰ ترین طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ اس قدر بے حس ہیں کہ اپنی بہتری کے نہ کوئی ذرائع سوچتے ہیں اور نہ سماجی کارکنوں کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ دن بدن بد سے بدتر ہوتے جاتے ہیں۔ اُن کی حالت ناگفتہ بہ ہے جسمانی اور جذباتی طور پر وہ سرعت کے ساتھ مائل بہ انحطاط ہیں۔ اِس تمدنی گراوٹ کی وجہ سے وہ اپنے سے بہتر سماج کے دشمن بن جاتے ہیں، اُن کی دیکھا دیکھی اُن

کو توڑتے اور مجرم قرار پاتے ہیں تو اِن والدین کو صدمہ ہوتا ہے لیکن پھر بھی وہ اِن کم سن مجرموں کو راہ راست پر لانے کے لئے عدالت یا سماجی کارکنوں کی مدد نہیں کرتے، کیوں کہ وہ نہیں چاہتے کہ اُن کی اولاد کی اُن کے علاوہ کوئی دوسرا سرپرستی کرے وہ اُن کو رقیب سمجھنے لگتے ہیں۔

کم سن مجرم ایک سماجی وبا کی طرح وبائی بیماری ہے۔ یہ بیماری کمیونٹی سے خاندان میں اور خاندان سے فرد کو لگتی ہے۔ لہذا ہر منزل پر اِس کے زہریلے جراثیم کو ختم کئے جانے کی ضرورت ہے۔۔ کم سن مجرم میں تمدنی، تعلیمی، اور جذباتی کج روی پیدا ہو جاتی ہے۔ ماحول کی خامیوں کے ساتھ وہ اپنی طور پر بھی نارمل، نہیں ہوتا،

ساتواں باب

بچّہ کی تربیت کے چند اصول

بچّوں کو اُن کے دلچسپ مشغلوں سے باز رکھنا اور اُن کو از خود تجربہ نہ حاصل کرنے دینا خطرناک ہے۔ جن تجربوں کو حاصل کرنے کے لئے وہ بے چین ہوں اُن سے روکے رکھنا اور اپنے نقطہ نظر سے بچّوں کو خطرے سے حفاظت کرنا عقلمندی نہیں بلکہ حماقت ہے۔ اس سے بچّہ کو فائدہ نہیں ہوتا بلکہ اُلٹا سخت نقصان پہنچتا ہے۔ ہماری یہ بھی بے وقوفی ہے کہ ہم چاہتے ہیں کہ بچّوں کے باب میں بھی نتیجہ بہت جلد برآمد ہو جائے۔ بچہ کتنا بھی انہماک کرے۔ کتنی بھی کوشش کرے لیکن کسی نئی چیز کے سیکھنے میں اور نئے طور طریقے اختیار کرنے میں وقت لیتا ہے۔ اُس کی خاطر خواہ نشو و نما کے لئے قدرت نے وقت کا تعین فرمایا ہے بیج کے بونے سے تناور درخت ہونے تک ایک مقررہ عرصہ درکار ہے۔

بچّہ کی تمام خواہشوں کو پورا کیا جانا خطرناک ہے۔ اِس طرح وہ بغیر محنت اور کاوش کے اپنی ضرورتوں کی تکمیل کا عادی ہو جائے گا اور اگر اُس کے راستہ میں کوئی رکاوٹ ہوئی تو وہ نہایت ظلم و ستم اور بے دردی سے اُس کو دور کرے گا۔ ایسے ہی بچّے آگے چل کر ظالم اور جابر فرمانروا بن جاتے ہیں۔ حلال، حرام جائز نا جائز اُن کی نظر میں نہیں سماتا، وہ صرف ایک بات جانتے ہیں۔ حصولِ مدعا۔ لہٰذا اجتماعی زندگی کی فلاح و بہبود کی خاطر یہ ضروری ہے کہ بچّہ کو بچپن سے یہ محسوس کرایا جائے کہ ہر خواہش پوری نہیں ہوا کرتی۔ و نیز خواہشیں اچھی بھی ہوتی ہیں اور بُری بھی۔ اچھی خواہشوں وہ ہوتی ہیں جن میں اپنی بھلائی کے ساتھ دوسری کی بھی بھلائی ہو اور بُری خواہشیں وہ ہیں جن سے دوسروں کو نقصان پہنچتا ہے۔ انسان ایک سماجی جانور ہے لہٰذا اُس کا یہ فرض منصبی ہے کہ وہ سماج کی بھلائی کا ہر لمحہ خیال رکھے اور ایسا کام کسی حالت میں نہ کرے جس سے سماج کو نقصان پہونچے۔

یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ بچّہ کی ہر ضرورت کو پورا نہ کیا جائے اُس کی جائز خواہشوں کو پورا کیا جائے اور نا جائز خواہشوں کو رد کر دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ بچّہ اپنی ہر ضرورت کے پورا کئے جانے کے لئے ضد کرے گا، مچلے گا، واویلا مچائے گا۔ سارا گھر سر پر اٹھائے گا رو رو کر بری حالت کرے گا۔ مختصر یہ کہ وہ ہر آزمودہ حربہ اپنی خواہش کے پورا ہونے کے لئے استعمال کرے گا۔ لیکن بچّہ کے ہٹ اور ضد

سکونِ قلب سے برداشت کرنے کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ یہ فطرتی
ردِ عمل ہیں۔ ان کو خاطر میں لانے کی ضرورت نہیں۔

کھانے کی میز پر اگر بچہ بدتمیزی کرتا ہے تو ہمیں خواہ مخواہ
چراغ پا ہونے کی ضرورت نہیں۔ اُس کے نمائشی حرکات اُس کا کھُل
کھیلنا، اُس کا شخصی بے ڈھنگا پن اُس کی اظہاری بھو ہر بول چال
یہ تمام حرکات اُس کے سن سے تعلق رکھتے ہیں۔ پریشانی کی کوئی بات
نہیں۔ عمر کے ساتھ ساتھ یہ خفیف الحرکتی خود ختم ہو جائے گی۔

والدین کو ناصحانہ طریقہ کار کبھی اختیار نہیں کرنا چاہیئے۔
حُسنِ عمل اور اخلاقیات اور رویہ، انسانی کردار اور وتیرہ سے ہے
اور مختلف عمروں کے لئے مختلف رویہ ہوتا ہے اور آدمی اُس ہی سے
متعلق مناسب یا موزوں اور نامناسب اور ناموزوں عمل کرتا ہے

بچہ اخلاق کے ابتدائی سبق اپنی ماں کی گود میں سیکھتا ہے
ماں باپ کا نمونہ چوبیس گھنٹے اُس کی نظروں کے سامنے رہتا ہے

بیت الخلاء کے آداب

بچہ کو شیر خواری اور جھولے
ہی سے سکھانا چاہیئے کہ وہ بستر
پر پیشاب نہ کرے ایک سال کی عمر سے اُس کو اپنے مثانے پر قابو
آجانا چاہیئے۔ یہ ماں باپ کا فرض ہے کہ وہ بچوں پر نظر رکھیں
اور جوں ہی اُن کو دبائے ہوئے دیکھیں کرسی پر یا پیروں پر بٹھا دیں
تاکہ وہ اپنے مثانے کو خالی کرسکیں یہ عموماً دیکھا جاتا ہے کہ اِس
زمانہ میں والدین یہ داد نہیں کرتے۔ بچے گھنٹوں چیختے رہتے ہیں

اعلان پرا علان کرتے ہیں، لیکن سرپرستوں کے کان پر جوں نہیں رینگتی
نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بستر پر ہی فارغ ہو جاتے ہیں۔ قصور ہوتا ہے
والدین اور بڑوں کا اور سزا ملتی ہے بے زبان بچہ کو۔ غصہ اور سزا
کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ عادت آہستہ آہستہ راسخ ہو جاتی ہے۔ مناسب
یہ ہے کہ بیت الخلا کے طریقوں کو بدلا جائے۔

اصل میں بچہ غیر شعوری طور پر سوچتا ہے کہ اپنی طاقت اور قوت
کا اظہار کر دوں، اور یہ امر دوسروں پر ثابت کر دوں کہ میں جب چاہوں پیشاب
روک لوں۔ بہتر یہ ہے کہ پیشاب پاخانہ کے معاملہ میں شدت
زبردستی نہ کی جائے۔ یہ ملحوظ خاطر رہے کہ مثانے پر قابو پانے میں
ذرا دیر لگتی ہے۔ لڑکیاں جلد قابو پا لیتی ہیں بہ نسبت لڑکوں کے
دونوں عموماً بیٹھ کر پیشاب کرتے ہیں۔ پیشاب کرنے کے بعد
تھوڑی سی شاباشی دے دی جانی چاہیئے۔ بیماری، تھکاوٹ
اور کھیل کود میں کبھی کبھی اگر بچہ پیشاب کر دے تو نظر انداز کر دینا
چاہیئے۔ اس امر کو ضرورت سے زیادہ اہمیت نہ دی جائے، اور
خواہ مخواہ رائی کا پربت نہ بنایا جائے۔ اس سے بچہ پریشان ہو جاتا
ہے اور اس کو اپنے اوپر قابو پانا مشکل ہو جاتا ہے۔ اکثر بچے بستر میں پیشاب
جذباتی ہیجان کی وجہ سے کرتے ہیں۔

بچپن کی رقابت مقابلہ کی اسپرٹ بچوں میں بھی پائی
جاتی ہے۔ حسد اور عداوت،

بچہ محسوس کرتا ہے کہ چھوٹے بھائی نے اُس کو ماں باپ کی محبت سے ایک حد تک محروم کر دیا ہے یا کم از کم جو امتیازی حیثیت اُس کو حاصل تھی اب باقی نہیں رہی، علاوہ بریں چھوٹا بچہ بڑے بچے کی قوت قد و قامت اور خاص رعائیتوں کے خلاف رشک کرتا ہے۔ تین برس کی عمر کے بچہ کے لئے چھوٹے بھائی کی پیدائش ایک عجیب و غریب واقعہ نہیں ہونا چاہیئے۔ ماں باپ کو چاہیئے کہ وہ بچہ کو پہلے سے آہستہ آہستہ چھوٹے بھائی کو خوش آمدید کہنے کے لئے تیار کرتے جائیں۔ وہ ایک ننھے منے ساتھی کیساتھ کھیلنے، کھانے پینے کے لئے مستعد ہو۔ ماں باپ کو چاہیئے کہ وہ چھوٹے بچے میں ہمہ تن مشغول نہ ہو جائیں۔ اپنا تمام کام اُسی کے لئے وقف نہ کر دیں۔ صرف اُسی کی خوشی اور فلاح و بہبود کا خیال نہ کریں بلکہ بڑے بچہ پر بھی حسب ضرورت اپنی توجہ مرکوز کرتے رہیں، اور خیال رکھیں کہ وہ یہ نہ محسوس کرنے پائے کہ اب اُس کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ کوئی اُس کو نہیں پوچھتا، ہر لمحہ اور ہر گھڑی میں ہر کس و ناکس چھوٹے بچے کے ناز اٹھاتے ہیں۔ سب اُسی کا ہاتھ منہ دیکھتے ہیں۔ یہ امر ہمیشہ یاد رکھا جائے کہ بچہ چھوٹا ہو یا بڑا چاہتا ہے کہ اُس سے محبت کی جائے۔ چھوٹے بچے کی موجودگی میں بڑے بچے سے غفلت برتنا نادانی ہے۔ اس نادانی کا آگے چل کر نہ صرف بچہ کو بلکہ ماں باپ کو بھی سنگین خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔

بچہ اپنے حسد کو کئی طرح سے ظاہر کرتا ہے۔ وہ بڑا ہو کر چھوٹے بچوں کی طرح حرکتیں کرنے لگتا ہے۔ وہ بات بات پر روتا ہے ہاتھ پیر رگڑتا ہے۔ ڈھکوسلے کرتا ہے۔ ماں باپ کی گود میں چڑھ کر بیٹھنا چاہتا ہے۔ ساتھ سونے کے لئے مچلتا اور ضد کرتا ہے۔ بستر پر پیشاب کرنے لگتا ہے۔ تو تلا کر بولتا ہے اور ایسی قسم کی بیسوں حرکتیں کرتا ہے جو اُس کی عمر سے میل نہیں کھاتیں۔ بجائے ڈانٹنے پھٹکارنے اور مار پیٹ کرنے کے محبت اور پیار سے کام لینا چاہیے۔ اُس پر ذرا زیادہ توجہ مبذول کی جانی چاہیئے۔

اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ بڑا بچہ جل کر چھوٹے بچے کو جسمانی نقصان پہنچاتا ہے اور اُس کو اپنے راستہ سے ہٹانا کے ذریعے اختیار کرتا ہے۔ وہ ماں باپ سے اپنی دلی تمنا کا اظہار کرتا ہے۔ کہ بچے کو فقیر کو دیدو۔ کنواں یا ندی میں میں ڈال دو۔ موقع ملتے ہی خود اُس کو نقصان پہنچاتا ہے۔ وہ اِس غاصب سے کسی نہ کسی طرح چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا ہے۔

کھانا:-

بچہ جب بڑھتا ہے تو کھانا کم کر دیتا ہے۔ متوازن غذا کا انتظام کیا جانا چاہیئے۔ کھانے کے لئے کسی قسم کی تحریص، اور زبردستی ضروری نہیں۔ بچہ خود اپنی خواہش کی چیزیں شوق سے

کھاتا ہے۔ قدرت اُس کے نشو ونما کو پیشِ نظر رکھ کر اُس کو ایسی چیزیں کھانے کا حریص بناتی ہے جو اُس کی نمو کی ذمہ دار ہوتی ہیں بچہ ایک حد تک تجسسی، ایجادی، کام کاجی، پھرتیلا جانور ہے۔ وہ تجربے کرتا ہے اور نئی نئی معلومات حاصل کرتا ہے۔ لہذا خود اُس کی حفاظت کی خاطر اور مکان کی قیمتی اور نادر چیزوں کو محفوظ رکھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ بچے کی حرکات و سکنات پر ایک حد تک تحدید عائد کی جائے۔ بچہ کے رویہ کی صحت بخش نکاس کے لئے مواقع بہم پہنچائے جائیں۔ اُس کے لئے صحیح راستے فراہم کئے جائیں۔ اُس کو بچپن سے یہ بتایا جائے کہ اُس کی فعلیت کی کیا حدیں ہیں۔ حد سے بڑھنا اچھی بات نہیں۔ لیکن حدیں کم سے کم ہوں۔ نہیں، کم سے کم صورتوں میں استعمال کی جائے۔ ہر بات پر نہیں بچہ کو بھونچکا کر دیتا ہے۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر کیوں نہیں ؟۔ چیزیں اُس کی نظر کے سامنے رکھی جاتی ہیں اور اُس کو چھونے سے منع کیا جاتا ہے۔ اگر وہ اُن کو چھوئے اور توڑ دے تو سزا دیجاتی ہے۔ یہ تو بڑی زیادتی ہے۔ مناسب یہ ہے کہ قیمتی اشیاء کو بچہ کی پہنچ سے باہر رکھا جائے۔

گھر میں ایسے مقامات کا ہونا ضروری ہے جہاں بچہ آزادانہ آجا سکے۔ ایسی چیزیں ہونی چاہیئے جن کو وہ اُٹھا سکے، دیکھ سکے، جن سے کھیل سکے، پابندیاں اور ہر وقت اعتراض اور اُس کو

پریشان کر دیتے ہیں۔ اور وہ فطرتاً بغاوت کرنے پر کمر بستہ ہو جاتا ہے۔

بچہ کو خطرہ سے بچانے کے لئے جزوی انتظام کیا جانا چاہیئے اُس میں ضرورت سے زیادہ غلو کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ ضرورت سے زیادہ احتیاط کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بچہ ڈرپوک، بزدل نکما بن جاتا ہے۔ اُس کو اپنے اوپر اعتماد نہیں رہتا۔ وہ کسی نہ کسی کی امداد کا طالب رہتا ہے۔ زمانہ کے سرد و گرم کا تھوڑا بہت تو اُس کو تجربہ ہونا ہی چاہیئے۔ چیزوں کی ماہیت کا کچھ نہ کچھ اندازہ اُسکو از خود حاصل کرنا چاہیئے۔ اُس کو خود بھی سیکھنا چاہیئے۔ عقل کا تقاضہ یہ ہے کہ سختی اور نرمی کا متوازن برتاؤ کیا جائے۔ کبھی رسی ڈھیلی چھوڑ دی جائے اور کبھی کس لی جائے۔

شروع شروع میں ممنوع، حرام، امتناع، تحریم، ہونا ضروری ہیں، ابتداء میں حکم دیا جائے۔ چھوٹے سے بچے کو بحث و مباحث کے ذریعہ سے کسی فعل کے اچھے اور بُرے ہونے کو سمجھایا نہیں جا سکتا ہے۔ اِس منزل پر اُس کو ماں باپ کے حکموں اور اشاروں کو ماننے کا عادی بنایا جائے۔

بچے کسی کام میں صرف تھوڑی دیر کے لئے متوجہ ہو سکتے ہیں، اُن کی توجہ کا وقفہ بہت مختصر ہوتا ہے، اور اُن کی دلچسپی کی چیزیں بکثرت ہوتی ہیں اسی لئے اُن کی توجہ فوری ایک چیز سے دوسری چیز کی طرف منتقل ہو جاتی ہے،

بہتر یہ ہے کہ موضوع کو بدل دیا جائے یا کوئی دوسری نئی دلچسپ چیز اُس کے سامنے پیش کردی جائے۔ زبردستی غیر دلچسپ بات یا کام پر اُس کو لگائے رکھنا وقت کو بیکار ضائع کرنا ہے۔ اِس سے بجائے فائدہ کے نقصان ہوتا ہے۔ بچّہ بیزار ہو جاتا ہے۔ اُس کو اُس مضمون سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ ضرورت سے زیادہ اخلاق کا پرچار بھی نہیں کرنا چاہیئے۔ ورنہ اخلاقی باتیں بھی مذاق بن کر رہ جاتی ہیں۔

بچّہ کی بعض وقت کی بغاوت کو ہمیں ہنسی خوشی برداشت کر لینا چاہیئے۔ اُس پر غصّہ ہونے یا رنجیدہ ہونے کی ضرورت نہیں بعض وقت بچّہ والدین کو مارنے، نوچنے، کاٹنے اور چیزوں کو توڑنے پھوڑنے لگتا ہے ایسی حالت میں اُس پر زیادتی یا سختی کرنے کی ضرورت نہیں اور نہ اُس کو زیادہ اہمیت دی جائے۔ مار پیٹ سے بچّہ بے حیا ہو جاتا ہے۔ اُس کا ڈر نکل جاتا ہے۔ اور جسمانی سزا دینے والے کے خلاف اُس کے دل و دماغ میں نفرت، کدورت اور غصّے کے نقوش مرتسم ہو جاتے ہیں۔

آٹھواں باب

بچّہ کی بنیادی نفسیاتی ضرورتیں

ضمانت، کفالت، سلامتی،۔ بچّہ اپنے آپ کو تمام خطرات اور تفکرات سے محفوظ محسوس کرے۔ اول توماں باپ بچّہ کی صلاحیتوں سے زیادہ توقعات اُس سے وابستہ کر لیتے ہیں۔ مدرسین بغیر صلاحیتوں کا اندازہ کئے ہوئے کام کا ضرورت سے زیادہ بوجھ ڈال دیتے ہیں۔ بچّے ابتداہی سے سمجھنے لگتے ہیں کہ کتنی بھی محنت شاقہ کی جائے مدرس کو مطمئن نہیں کیا جاسکتا۔ بیجا ملامت کا تختہ مشق ہوتے ہوتے وہ بزدل ہوکر کام کرنا ہی چھوڑ دیتے ہیں۔ بعض باغی ہوکر مدرسہ سے بھاگ جاتے ہیں۔ لہٰذا ماں باپ اور مدرسین کا یہ فرض ہے کہ بچّہ کی قابلیت، اُس کے ماحول اور اُس کی صلاحیتوں کو سمجھ کر

اس پر کام اور ذمہ داریوں کا بار ڈالیں۔ کام کی نوعیت ہمیشہ ایسی ہو کہ تھوڑی سی کوشش سے بچہ کر سکے۔

(۲) مسلسل۔ کامیابی بچہ کا دل بڑھاتی ہے۔ کام پیدا دبھارتی ہے۔ کامیابی کے موقعے پر تعریف کی جانی ضروری ہے، لیکن، محنت، اور مشقت کی تعریف کی جانی چاہئیے، ورنہ بغیر محنت کے ذہین طلباء انعامات حاصل کرنے کے عادی ہو جائیں گے۔ کامیابی بھی انسان میں کرداری خرابیاں پیدا کر دیتی ہے۔ وہ ہر اچھی چیز کو اپنے لئے چاہنے لگتا ہے۔ خودغرض ہو جاتا ہے۔ کامیابی اور ناکامی میں ایک نسبت ہونی چاہئیے۔ کردار کے بنانے کے لئے کبھی کبھی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑنا ضروری ہے۔

اسی طرح ہر لحظہ اور ہر قدم پر مسلسل ناکامی انسان کا دل توڑ دیتی ہے۔ وہ ہمت ہار بیٹھتا ہے۔ اپنے پر سے بھروسہ جاتا رہتا ہے۔ اور خود کو نکما اور بیکار سمجھنے لگتا ہے، لہذا مدرسوں میں کام کو ایسا ترتیب دیا جائے کہ محنت سے کام کرنے والا ہر بچہ ایک آدھ مرتبہ ناکام ہونے کے بعد کامیاب ہو سکے۔ ناکامی پر سخت وسست نہ کہا جائے بلکہ دل بڑھایا جائے۔ ہمت دلائی جائے۔ زیادہ محنت اور مسلسل کوشش کے لئے اکسایا جائے۔ یہ بات واضح کی جائے کہ کامیابی اور ناکامی ہر ایک کی زندگی کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ دنیا میں کوئی بھی ایسا نہیں کہ جو چاہے وہ ملتا رہے اور کبھی نہ کبھی مایوسی کا سامنا نہ کرنا

پڑے۔ محنت کرنا ایماندار آدمی کا فرض ہے۔ نتیجہ بعض وقت اپنے ہاتھ میں نہیں ہوتا۔ مختصر یہ کہ احساس کمتری پیدا نہ ہونے دے۔

اعتراف یا قدر شناسی

بچوں کے کام کو سراہنا چاہیئے۔ اگر انہوں نے کوئی کام اپنی صلاحیتوں اور قابلیت کے لحاظ سے ایمانداری اور محنت سے کیا ہے تو یہ بڑوں کا فرض ہے کہ اُن کی تعریف و توصیف کریں۔ یہ بڑی زیادتی ہے کہ آپ ایک مطلق معیار بنالیں، اور اُس مطلق معیار پر ہر ایک کے کام کو جانچیں، بغیر یہ دیکھے ہوئے کہ کام کرنے والے کی صلاحیتیں کیا ہیں۔ ہر شخص اپنی صلاحیت ہی کے موافق کام کر سکتا ہے۔ دیکھنا صرف یہ ہے کہ کام دل لگاکر، توجہ، محنت اور ایمانداری سے کیا گیا ہے یا نہیں۔

ظاہر ہے کہ ایک ذہین بچہ اور ایک غبی بچہ کے کام میں فرق ہے ایک ماہر فن اور چابک دست فنکار اور ایک مبتدی کے کام میں فرق ہو تو کیا تعجب ہے۔ آپ کہیں گے کہ پھوہڑ اور غیر معیاری کام کی وقعت و قیمت ہی کیا ہے۔ جس کی تعریف کی جائے۔ بات یہ ہے کہ کام کے معیاری اور غیر معیاری ہونے کا سوال نہیں بلکہ ایمانداری سے محنت

کئے جانے کا سوال ہے۔ دزا قہ رشناسی بچّہ کی زندگی کا کایا پلیٹ کر سکتی ہے۔

بچّہ کی تربیت کے چند اصول

ہم سب کو معلوم ہے کہ بچّہ چار پانچ سال کی عمر میں کس قدر محو بالذات ہوتا ہے۔ اگر اُس کے سامنے کوئی نئی بات کہی جائے یا کوئی نئی چیز لائی جائے تو وہ کہتا ہے کہ میں اُس کو پہلے سے جانتا ہوں۔ مجھے اِس کی بابت علم ہے۔ میں جانتا ہوں۔ میں دیکھ چکا ہوں میں نے اپنی ماں یا باپ کو اِس کا تذکرہ کرتے سنا ہے۔

اُس کا دائرہ زیادہ وسیع نہیں ہوتا۔ تجربہ ایسا ہونا چاہیئے کہ وہ فوراً سمجھ لے۔ اُس کی دلچسپی کا مرکز ہو تب ہی وہ اِس تجربہ کو دوسروں سے بیان کرتا ہے۔ اور نہ وہ مردوں کے تجربوں کی بابت سننا چاہے گا چھوٹے بچّوں کی دلچسپیاں محدود اور خود غرضانہ ہوتی ہیں البتہ اُن میں پھیلاؤ کی گنجائش ہوتی ہے۔

بچّوں میں سماجی جبلّت ہوتی ہے جس کا اظہار آپس میں ملنے جلنے لین دین اور گفتگو کے وقت ہوتا ہے۔

زبان کی جبلّت سب سے سیدھی سادھی جبلّت ہے۔ اِسی کے

ذریعہ سے وہ اپنے خیالات دوسروں تک پہنچاتا ہے۔ اپنی کہتا اور دوسروں کی سنتا ہے۔

دوسری سماجی جبلّت، جبلّت تعمیر ہے۔ جس کی مدد سے وہ نئی نئی چیزیں بناتا ہے۔ اختراع و ایجاد اسی جبلّت کے مرہونِ منت ہیں۔

تیسری جبلّت کھوج، تفحص، تجسّس ہے

بچّے کچھ نہ کچھ کرتے رہنا چاہتے ہیں اور اپنے کام کا نتیجہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ اب یہ ہمارا کام ہے کہ اُن کی رہنمائی اور رہبری کریں اور اُن کو ایسے کاموں پر لگا دیں جن کا نتیجہ اُن کے اور سماج کے لئے مفید ہو۔

بچّوں کی اظہار کی جبلّت۔ ارٹ کی جبلّت نتیجہ ہوتی ہے، اظہار اور تعمیر جبلّت کا۔

ارٹ کی جبلّت یقیناً سماجی جبلّت ہے کیونکہ کچھ کہنے کی تمنا کچھ کر گزرنے کی خواہش کی نمایندگی کرتی ہے۔

بچّے عام لوگوں کی بابت اور عام چیزوں کی بابت کچھ نہ کچھ کہنا چاہتے ہیں اِن موقعوں کا استحصال کیا جانا چاہئیے۔ ان سے فائدہ اٹھانا چاہئیے تاکہ وہ بنی نوع کی ترقی، فلاح و بہبود کے لئے کام آسکیں۔

بچہ کو چیزوں کے متعلق معلومات مقررہ طرز پر نہیں دینا چاہیئے پہلے بچہ خود اِس کی ضرورت محسوس کرے اور پھر تجربے کے ذریعے سے اُس کو ضروری معلومات بہم پہنچائیں جائیں۔

وہ اُس کو اپنی آنکھوں سے انسان کی ضرورتوں کے ساتھ وابستہ کرے تاکہ وہ صرف باہر کی چیز نہ ہو جائے جو اوپر سے تھوپ دی گئی ہو بلکہ سماجی تصورات کے ساتھ گھل مل گئی ہو اور انسان کی ترقی اور ارتقاع سے قریبی تعلق رکھتی ہو۔

یہ امر ہمیشہ ذہن نشین رہنا چاہیئے کہ زبان نہ صرف اظہار خیال کا ذریعہ ہے بلکہ اِس کے ذریعہ سے ہم اپنے تجربے دوسروں تک پہنچاتے ہیں اور دوسروں کے تجربوں سے فیضیاب ہوتے ہیں۔ یہ سماجی صلاح و فلاح کا ذریعہ ہے اور اسی کے توسط سے قومیں ترقی کرتی اور متمدن بنتی ہیں بچہ کو اگر حقایق سے روشناس کر دیا جائے تو اس کی زبان مہذب بن جاتی ہے اور اُس کو اظہار خیال پر زیادہ قابو حاصل ہو جاتا ہے جو نہیں سمجھتا وہ سمجھا بھی نہیں سکتا اور جو سمجھتا ہے وہ سمجھا سکتا ہے۔

بچہ کو ہمیشہ سچی اور حقیقی بات اس طرح بتائی جائے کہ حقیقت حال اور امر واقعہ اور اثرات دعوا جس سے وہ بات عبارت ہے واضح ہو جائے۔

بچے کو ٹھونک ٹھانک اور چھیل چھال کر ہر مواقع اور ہر حالت میں زبردستی نہیں ٹھونس دینا چاہیئے۔ وہ کوئی بے جان لکڑی یا پتھر

کا ٹکڑا نہیں کہ جہاں تمہارا دل چاہے لگا دو۔ وہ ایک جیتی جاگتی اپنی خود کی انفرادیت رکھنے والی ہستی ہے۔

معمر حضرات کا ضبط اور اُن کی ڈسپلن، اُن کی معلومات، اُن کا کلچر سب اپنے وقت پر بچہ حاصل کرلے گا۔ ہڑبڑانے اور جلدی کرنے کی ضرورت نہیں، جلدی کا کام شیطان کا ہوتا ہے اور پھر جلدی میں کوئی کام سدھرتا نہیں، کام بگڑ جاتے ہیں، لہٰذا شانتی سے کام لو۔

بچہ تصورات کی دنیا میں رہتا ہے۔ اقدار اور خیالات ابھی واضح نہیں ہوتے۔ اس کے خیالات دھندلے دھندلے سے ہوتے ہیں۔ ہم کو چاہیئے کہ اس زمانہ میں اُس کو زیادہ سے زیادہ کھیل کود کا موقع دیں اُس کو سکون کی بہت ضرورت ہے۔ ارادہ اور ہمدردی دونوں میں تخیل کی ترقی بحکدار ہوتی ہے۔

بچہ کو معمولی ادنیٰ چیزیں پڑھائی جانے کے بجائے اُس کا اُفق وسیع کرنا چاہیئے۔ اُس کو اسباب اور معنی سمجھائے جانا چاہیئے۔

اُس کو سچائی اور حقانیت سے دوچار کرایا جائے۔ اُس کی مدد سے معنی اور عمومی قدر سمجھ سکے گا۔ نظریہ اور عمل میں ربط ہونا چاہیئے۔

بچہ نہ صرف کام کرے بلکہ کام کے دوران میں یہ بھی سمجھتا جائے کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ اُس کا ہر تخیل تجربہ کی کسوٹی پر کسا جانا چاہیئے تاکہ اُس کے اثرات اُس کی زندگی پر مرتب ہوسکیں۔

اصل آرٹ آرٹسٹ کے کام کا نتیجہ ہوتا ہے۔ وہ اُس کے کام

ہی سے وجود میں آتا ہے - آرٹ سے ہٹ کر نہ آرٹ کوئی حقیقت رکھتا ہے نہ آرٹسٹ۔ خود ان دونوں میں سے کسی کا علیحدہ کوئی وجود نہیں -

مدرسہ کو زندگی کے ساتھ مربوط کر دینا چاہیئے - اور تمام ضروریاتِ زندگی سے متعلقہ معلومات کو نصاب میں شامل کرنا چاہیئے - اِن مضامین کو اس طرح پڑھایا جانا چاہیئے کہ علیحدہ علیحدہ کبوتر خانے نہ معلوم ہوں بلکہ ایک دوسرے میں سموئے ہوئے ہوں -

بچہ نقل - تاثر آفرینی، بالراست تعلیم اور زیادہ تر بالواسطہ ضمنی یا ذیلی لاشعوری ذریعہ سے سیکھتا ہے - وہ مادی تہیجات سے متاثر ہوتا ہے -

سوشل ایجنسی کے ذریعہ سے وہ چند سال میں اُن مدارج ارتقاء کا اعادہ کرتا ہے جسکو انسانی نسل نے برسوں میں پورا کیا ہے -

علم مدرسوں میں جُدا کر دیا گیا ہے اور اُس کو ذریعہ ہونے کے بجائے مقصد سمجھ کیا گیا ہے - نصاب معلومات، قوانین اور امر واقعہ کا مجموعہ ہے اور کچھ بھی نہیں -

دماغ ایک بڑھتی ہوی چیز ہے - وہ کوئی جمودی اور ٹھہری ہوئی چیز نہیں - لہٰذا اُس کی ترقی کے لئے بدلتے ہوئے مختلف طرح اور ادوار زندگی اُس کے لئے پیش کئے جانے چاہیئے جو اُس کی صلاحیت اور قابلیت کے مطابق ہوں اور جن میں صحیح معنی میں وہ دلچسپی لیتا ہو -

۴ سے ۸ سال کا بچہ اپنی ذات اور اپنی سماج میں دلچسپی رکھتا ہے وہ حرکی عضلاتی نکاس کے لئے بیقرار رہے۔ وہ کچھ نہ کچھ کرنا چاہتا ہے اظہار اُس کی فوری محرک ہے۔ لہذا نصاب کا مواد بچے کے گوشوں سے ہم پہنچانا چاہیئے۔

اول اول تو مواد ایسا ہو جو بچہ سے نزدیک ترین ہو۔ پھر گھر پھر خاندان، پھر ہمسایہ، پھر محلہ، پھر شہر، اور اسی طرح حلقہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جائے۔ قریب سے دور کا اصول مدنظر رہے۔

مادی مواد اسباق کی طرح نہ پیش کیا جائے جس کو بچہ کو زبردستی مارمار کر پڑھایا جائے بلکہ یہ معلومات ایسے مشغولوں کے ذریعہ دی جائیں جن کو حرکی یا پُر معنی مشغلوں کے ذریعہ حاصل کر سکے۔

مقصد یہ ہے کہ وہ خود اپنے تجربوں کو بڑھا سکے۔ اور بتدریج اپنے تجربوں سے اپنی معلومات کے خزانے میں مفید اضافہ کر سکے۔

۸ برس سے ۱۲ برس کی عمر تک دوسرا دور ہوتا ہے جب بچہ چاہتا ہے کہ اُس کی ہستی بحیثیت ایک فرد کے تسلیم کی جائے۔ صرف تفریحی کام سے وہ مطمئن نہیں ہوتا۔ وہ کچھ ایسے کام کرنا چاہتا ہے جو نتیجہ خیز ہو اس خواہش کی تکمیل کی خاطر وہ کسی ہنرمندی کے سیکھنے کے لئے اُس کے معرض طریق عمل بھی خوشی خوشی حاصل کرتا ہے۔

بچہ اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے کام پر عملی اور ذہنی قابو حاصل کرتا ہے اور اس طرح سماجی معرض اور نکلیکے اصلیتیں بن جاتی ہیں

بچہ معمولی یا پیچیدہ مسلوں کو ڈھونڈتا ہے اور اُن کو حل کرتا ہے

اِس منزل پر زبان پر قابو ضروری ہے

بچہ کو بہت سی معمولی اور پیچیدہ مسلوں سے سامنا پڑے گا جن کو کتابیں پڑھ کر سلجھایا جاسکتا ہے لہٰذا اُس کو پڑھنا سیکھنا پڑے گا۔ اب وہ پڑھنے کی ضرورت اور افادیت کو سمجھ جائے گا اور دل لگا کر اور محنت کر کے پڑھے گا۔ وہ ایک مقصد کے تحت پڑھے گا اور پڑھائی واقعی وہی پڑھائی کہی جا سکتی ہے جو مقصد کے تحت ہو ورنہ ذہنی عیاشی اور دماغی تعیش ہے جس سے سوائے تضیع اوقات کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

جب تک پڑھنے میں ذہنی اشتہا، چوکسی اور استفہامیہ رجحان سوال کرتے رہنے کا میلان نہو پڑھائی بیکار محض ہے۔

تیسری منزل وہ ہے جب وہ اعلیٰ ثانوی جماعتوں میں قدم رکھتا ہے۔ اب بچہ کی معلومات کافی وسیع ہوتی ہیں وہ کافی مسلح اور تیار و آراستہ ہوتا ہے اُس کو طریقہ کار پر قابو ہوتا ہے وہ چھان بین کرنے کے طریقوں سے آگاہ ہو چکتا ہے اور مشغلوں کی قدر و قیمت کو سمجھتا ہے۔

کنڈرگارٹن کی مصروفیتیں زیادہ فطری ہونی چاہئیں۔ وہ زندگی

کی صحیح عکاسی کرسکیں۔ اُن میں جہاں تک ممکن ہو کم سے کم مصنوعیت ہو اور مروجہ سماجی زندگی کا صحیح مرقع ہوں۔

چھوٹا بچہ اپنی تخیلی دنیا میں رہتا ہے۔ وہ اپنی خیالی دنیا میں مست ہے۔ اور خیالی پلاؤ پکاتا رہتا ہے مشغلے۔ اس کی اطراف واکناف کی زندگی کا ہو بہو نمونہ ہوتے ہیں۔

(۱) مدرسہ کا فرضِ منصبی یہ ہے کہ وہ بچوں کو آپس میں اشتراکی زندگی کے لئے تربیت دیں۔ اُن میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کا جذبہ پیدا کریں۔ اُن کو یہ احساس دلائیں کہ بغیر ایک دوسرے کی مدد کے اور اعانت کے دنیا میں زندگی خوشگوار بسر نہیں ہو سکتی۔ انسانی سماج کی ترقی کا راز ایک دوسرے کی مدد پر ہے۔

(۲) تمام تعلیمی مشغلے بچے کے من موجی اضطراری رجحان اور مصروفیتوں پر منحصر ہیں۔

اور ساز و سامان اور آلات اُن کا پیش کش اور اُن کی تطبیق مفید ثابت ہوتی ہے۔

اسی وجہ سے بچے کی لاتعداد خود بخود بلا قصد مشاغل کو اس کی تعلیم و تربیت کا اساس بنایا جانا چاہیئے۔

(۳) ان انفرادی میلان و رجحان کو منظم کر کے مفید راستے نکالے جائیں اور کارآمد سمتوں میں اُن کا رُخ پھیر دیا جائے!

یہ سمجھے رہنا چاہیئے کہ بچے جو کام کرتے رہتے ہیں وہ فضول اور بیکار

نہیں ہوتے بلکہ اُن کے نشوونما کے لازمی جزو ہوتے ہیں۔

کنڈرگارٹن میں سامان جہاں تک ممکن ہو اصلی ہو

کنڈرگارٹن میں وہی کام کرائے جائیں جو گھر میں یا ہمسایہ میں ہوتے ہیں
بچہ نئی نئی چیزیں پسند کرتا ہے۔ وہ تنوع اور رنگا رنگی پسند کرتا ہے
وہ اُس کام سے جلد تھک جاتا ہے۔ جس میں نئی راہیں نہیں نکلتیں اور
اُس کو تلاش و جستجو کے نئے نئے مواقع نہیں ملتے، کام میں تسلسل کا ایک
دھارا ہونا چاہیئے۔

بچہ ایک اکائی کے اندر کام کرتا ہے۔ اُس کے کام میں مربوط
رشتہ لگاؤ یا تعلق ہوتا ہے۔

اِس منزل پر بچہ کے قدرتی رجحانات اور جبلتوں کو کام میں
لانا چاہیئے تاکہ بچہ میں اعلیٰ ادراک، احساس اور شعور پیدا کیا جا سکے،
اُس میں کام کی عادتیں پیدا کی جائیں تاکہ اُس کو اپنے کام پر شعوری طور
پر زیادہ قابو حاصل ہو۔

بچہ کو اس منزل پر طرح طرح کے ساز و سامان اور آلات سے سابقہ
پڑتا ہے۔ وہ اُن آلات اور مختلف النوع ساز و سامان کو استعمال کرنے کا
مقصد سمجھتا ہے۔

اپنے کام کے تحت اُس کو حس کے چوکنا پن، مشاہدہ کی شدت اور تیزی کی ضرورت ہے۔ اُس کے تصورات کو واضح ہونا چاہیئے تاکہ وہ اُن کو عملی جامہ پہنا سکے۔

منصوبہ بندی میں اُس کو اُپج اور ایجاد کی ضرورت ہوتی ہے۔ توجہ کی مرکوزیت، اور کام کرنے میں شخصی ذمہ داری درکار ہے۔ کام کے اختتام پر بچّہ کو خود اپنے کام کا جائزہ لینے کا موقع دیا جائے تاکہ وہ اُس کی خوبیوں اور خامیوں کو سمجھ سکے۔ اور دوسرے کے کاموں سے اپنے کام کا مقابلہ کرنے کا شعور پیدا ہو۔

بچہ اِس منزل میں ہر بات اور ہر کام کی نقل کرتا ہے۔ وہ تاثر آفرینی کو فوراً قبول کر لیتا ہے۔ انہی دو طریقوں سے اُس کی معلومات کے دائرہ کو بڑھانا چاہیئے اور اچھے، مفید اور کارآمد کاموں کی طرف رہنمائی اور رہبری کی جانی چاہیئے۔ ہر بل بچے سے ہو اور پھر نمونے اُس کے سامنے پیش کیے جائیں جن کی وہ نقل کر سکے۔

تاثر آفرینی بچّہ کی عمر سے مطابقت رکھتی ہو۔ تاثر آفرینی صرف مہیج کا کام دے تاکہ بچّہ جو کچھ اندھا دھند بغیر سوچے سمجھے کرنا چاہتا ہے کر سکے۔

تاثر آفرینی کسی حالت میں بھی خارجی من مانا اور اوپر سے تھوپی ہوئی چیز نہ ہو اور نہ قدرتی نمو اور نشوونما سے ٹکرائے یہ مدرس کا فرض ہے کہ وہ ضروری اور ناگزیر مہیجات کو مہیا کرے

اور اُس کے ساتھ ساتھ ضروری ساز و سامان اور مواد بھی فراہم کیا جانا چاہیئے۔

مدرس کا یہ فرض ہے کہ وہ یہ معلوم کرے کہ کون کون سی قوتیں اظہار کے لئے بےچین ہیں۔ کن قوتوں کی تکمیل نہ ہونے کی وجہ سے بچہ کا نمو متاثر ہو رہا ہے۔ اور کس قسم کے مشاغل سے یہ کمی پوری کی جا سکتی ہے۔ بچہ کو اپنے اظہار کا موقع دیا جانا چاہیئے۔

مشغلوں کی نفسیات

مشغلہ کے معنی یہ ہیں کہ بچہ کوئی کام ایسا کرتا ہے جو سماج کی روزمرہ کی زندگی میں ہوتا رہتا ہے۔ وہ تجربہ کے ارتقائی منزلوں میں ذہنی اور عملی توازن قائم کرتا ہے۔

تجربہ حرکی فعل ہوتا ہے۔ تجربہ اعضاء جسمانی کے ذریعہ سے کیا جاتا ہے۔

مثلاً آنکھ، ہاتھ وغیرہ لیکن ساز و سامان کا متواتر اور مسلسل فائدہ اُس میں شامل ہوتا ہے اور مسلسل منصوبہ بندی اور عکس اور پرتو اُس کے جزو لاینفک ہیں تاکہ عملی کام کامیابی سے چلتا رہے

بچہ کو خود اپنا ماڈل اور کام کا منصوبہ سوچنا اور بنانا چاہیئے وہ خود اپنی غلطیاں سمجھنے کے قابل ہو اور اُن کو درست کرنے کے لائق ہو

مشغلہ دماغ کو ڈسپلن کرنے اور جس کی ٹریننگ کا بہترین ذریعہ ہے ۔ اصل ضرورتوں اور مقصد سے علیحدہ یا جس کی تربیت جمناسٹک بن کر رہ جاتی ہے۔

مشغلہ میں بچہ ہمہ تن محو ہو جاتا ہے کیوں کہ وہ اس کام میں انتہائی دلچسپی رکھتا ہے۔ وہ اس کے لئے صرف مسرت بخش اشتعال انگیز عارضی ناپائیدار فعل نا نہیں ہے۔

آدمی زندہ رہنے کے لئے کام کرتا ہے۔ اپنے کام کے ضمن میں انسان نے فطرت کی قوتوں پر قابو پایا اور زندگی کو خوشگوار اور مسرت خیز بنایا ۔ اختراع و ایجاد کے دروازے کھول دیئے۔

ایک مشغلہ میں کئی طرح طرح کی تحریکیں اور تشویشیں مل کر کام کرتی ہیں۔

نواں باب

بچّہ کے متعلق چند دلچسپ مشاہدے

بچّہ تعمیری رجحان رکھتا ہے۔ وہ اطراف واکناف سے اثرات قبول کرتا ہے، اور اُن سے اپنے ذہن کی تعمیر کرتا ہے۔ اگر ماحول اُس کی مدد کرتا ہے تو وہ بڑھتا اور ترقی کرتا ہے، اور اگر ماحول رکاوٹیں حائل کرتا ہے تو اُس کی قدرتی نشو و نما میں دشواری ہوتی ہے۔ نفسیاتی اُلجھنیں پیدا ہو جاتی ہیں۔

وہ چیزوں میں امتیاز پیدا کرنے لگتا ہے۔ زبان کو بغیر کسی اُستاد کے خود بخود سیکھ جاتا ہے۔ وہ خوش وخرم سادہ زندگی بسر کرتا ہے اب تک زبان صرف دودھ پینے سے واقف تھی، لیکن اب اندرونی ارتعاش پیدا ہونے لگے۔ وہ اب حلق، ہونٹ اور رخساروں کو چھونے لگی۔

یہ حسین زمانہ ہے۔ یہ سب خاموشی سے اور بغیر محسوس کئے ہوئے

ہوتا ہے۔ وہ محبت کے لہجہ کو سمجھتا ہے اور مسکراتا ہے۔ اور غصہ اور جھڑکی پر بسورتا ہے۔

شرارت اور غصہ ماحول کی رکاوٹوں کا نتیجہ ہیں۔ شرارت نتیجہ ہے بچّے کی ضرورتیں نہ پوری ہونے کا۔ کھینچاؤ، تناؤ پیدا ہوجانے کا۔ بچّہ کی روح اپنی حاجتیں پوری کرنے کے لئے بیتاب ہے۔

بچوں کا بہت زور کا بخار اور اس کا جلد اُتر جانا بھی بعض وقت نفسیاتی صدمہ کا نتیجہ ہوتا ہے۔

بچّہ جس چیز کو جلد حاصل کرنا چاہتا ہے پہلے اپنا پورا بدن اُس پر پھینکتا ہے، پھر رفتہ رفتہ اُس کو اپنے اعضاء و بدن پر قابو ہوتا جاتا ہے۔

چار مہینہ کا بچّہ دوسروں کو بولتے ہوئے اور ہلتے ہوئے لبوں کو محویت کے عالم میں ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا رہتا ہے۔ حالانکہ وہ چھ مہینے کی عمر میں بولنا شروع کرتا ہے

چھوٹے بچّے باقاعدگی کو پسند کرتے ہیں بے قاعدگی سے وہ گھبرا جاتا ہے۔ رونے لگتا ہے۔ اور اکثر بیمار بھی ہو جاتا ہے۔ وہ بے قاعدگی کو فوراً محسوس کر لیتا ہے۔

مثالیں

ایک کمرہ میں بیچ کے میز پر کسی مہمان صاحب نے اپنی چھتری رکھ دی

چھتری کو میز پر دیکھتے ہی بچّے نے رونا شروع کیا۔ سب نے باری باری سے ہزار کوشش کی لیکن رونا بند نہیں ہوا۔ لوگ سمجھے کہ بچّہ چاہتا ہے کہ چھتری اُس کو دی جائے لہٰذا چھتری بچّہ کو دی گئی، لیکن بچّہ پھر بھی چیختا رہا۔ آخر ماں جو کچھ سمجھدار تھی سمجھ گئی اور چھتری کمرے سے باہر رکھ دیا۔ بچّہ نے رونا بند کر دیا۔ چھتری کی جگہ ڈرائنگ روم کی بیچ کی میز پر ہرگز نہیں تھی۔

مانٹی سوری خود اپنا تجربہ بیان فرماتی ہیں کہ ایک دن وہ ایک پک نک پر جا رہی تھیں۔ چند مستورات ساتھ تھیں۔ ایک کے ساتھ چار پانچ برس کا بچّہ تھا۔ ماں نے گرمی کی وجہ سے کوٹ اُتار کر ہاتھ پر ڈال لیا۔ بچّہ نے یہ دیکھتے ہی رونا شروع کر دیا۔ سب نے سمجھایا، ڈانٹا، ڈپٹا لیکن وہ کسی طرح چپ نہ ہوا۔ آخر مانٹی سوری نے اُن محترمہ سے کہا کہ براہ کرم آپ اپنا کوٹ پہن لیجئے۔ وہ اس کا مطلب نہ سمجھیں، کوٹ پہنتے ہی بچّہ نے رونا بند کر دیا۔ یقیناً کوٹ پہننے کے لئے ہوتا ہے نہ کہ ہاتھ پر لٹکانے کے لئے۔

ایک ماں بہت بیمار تھی۔ اُس کے لڑکے نے ماں سے ضد کی کہ کہانی کہی جائے۔ ماں صوفے پر بیٹھی بیٹھی کہانی کہنے لگی، لیکن بیماری کی وجہ سے جلد تھک گئی اور پاس کے کمرے میں لیٹنے کے لئے چلی گئی۔ ملازمہ صوفہ کے تکیے اُٹھا کر لے گئی۔ تکیوں کے ہٹتے ہی لڑکی نے رونا اور چیخنا شروع کیا۔ ماں سمجھی کہ کہانی بند کئے جانے کی وجہ سے بچّی رو رہی ہے لہٰذا

باوجود کمزوری کے اُس نے پھر کہانی کہنا شروع کی، بچی نے رونا بند نہیں کیا، اور وہ صوفہ تکیے چیخنے لگی۔ آخر جب تکیے لائے گئے اور صوفے پر رکھ دیئے گئے جہاں وہ ہمیشہ رکھے رہتے تھے اُس وقت وہ خاموش ہوئی۔

اگر صابن صابن دانی کے باہر رکھا ہو تو تین چار برس کا بچہ اُس کو اُٹھا کر صابن دانی میں رکھ دے گا۔ اگر کرسی ٹیڑھی رکھی ہو تو وہ اُس کو سیدھی کر دے گا۔

چیزوں کو ترتیب اور قاعدہ سے رکھنے سے اُس کو خوشی حاصل ہوتی ہے۔

باقاعدگی کہتے ہیں کہ جو چیز جس جگہ پر ہونی چاہیئے وہاں رکھی جائے

تعلیم کو خشک ہونے کی چنداں ضرورت نہیں۔ یہ لازمی نہیں کہ بچہ کو تعلیم حاصل کرنے کے لئے ناخوشگوار مرحلے سے گزرنا پڑے۔

تعلیم الٰہ تفریح بھی ہو سکتی ہے۔ وہ دلچسپ بھی ہو سکتی ہے۔ وہ اتنہزار اور جوش بھی پیدا کر سکتی ہے۔

بچہ کی زندگی میں مدرسہ ایک انتہائی پُرکشش مقام بن سکتا ہے

تعلیم شروع کرنے کے لئے بچہ کا ہر طرح سے لحاظ کیا جانا ضروری ہے۔ بچہ جس ماحول اور سماج سے آیا ہے اُس کا مطالعہ کیا جانا ضروری ہے۔

سماج کے مقاصد جیسے جیسے بدلتے جائیں گے ویسے ویسے تعلیم کے مقاصد بھی بدلتے جائیں گے تعلیم کا پہلا نصب العین تو فرد کی ترقی ہونا

چاہیئے۔ تعلیم کا مقصد فرد کی جسمانی، ذہنی، اخلاقی اور روحانی ترقی ہے
تعلیم شروع ہوتی ہے گھر سے پھر اُس کا تعلق خاندان، ہمسایہ اور
کمیونٹی سے بڑھتا جاتا ہے۔ رفتہ رفتہ قوم کی فلاح و بہبود کے ساتھ
ساتھ بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود اُس کا مقصد بن جاتا ہے۔
تعلیم کے نقطہ نظر سے گھر سب سے پرانا اور سب سے اہم تعلیمی ادارہ
ہے۔ سماجی تعلیمی اداروں میں سب سے زیادہ اولیت اور اہمیت گھر
کو حاصل ہے۔
تعلیم کا تعلق معاشیات سے بھی ہے۔ مادی ضرورتوں کا پیدا کرنا
اور مادی تشفی تعلیم کا فرض ہے
فرد کی حیثیت ایک پیدا کرنے والے، متمتع ہونے والے موجد کی ہے
تعلیم کا تعلق شہری اور سماجی فرائض سے بھی ہے۔
جمہوری رجحان صرف جمہوری ماحول ہی میں پیدا کیا جا سکتا ہے
اس کام کی تکمیل کے لئے ایسے اُستادوں کی ضرورت ہے جو وسعتِ نظر
رکھتے ہوں، جو نئے تجربے کرنے کے تیار ہوں، جو متعصب نہ ہوں۔
اور جو بندھے ٹکے راستہ سے منحرف ہونے کی ہمت رکھتے ہوں
جن میں رواداری ہو اور جو دوسروں کے خیال اور اعتقاد کو برداشت
کر سکتے ہوں۔
بچہ مشاہدہ کرنے والا ہوتا ہے اور ناظر کے لئے داخلی تشویق
ہیجان اور تہیج کی اور ایک احساس اور خاص مذاق کی ضرورت ہے

وہ کچھ ارتسامات کو منتخب کرتا ہے اور چند کو رد کر دیتا ہے۔

ولیم جیمس کا کہنا ہے کہ کوئی کسی چیز کو کل نہیں دیکھتا۔ جو دیکھتا ہے اپنی دلچسپی کے نقطۂ نظر سے دیکھتا ہے اسی لئے تفصیل میں اختلافات ہوتے ہیں۔ جیمس کہتا ہے کہ اگر تم اچھے کپڑے کا اچھا سلا ہوا سوٹ پہنے ہو تو سڑک پر چلتے ہوئے ہر خوش پوش کو تم اسقدر انہماک سے دیکھو گے کہ حادثہ ہو جانے کا ڈر ہو گا۔

سات مہینے کا ایک چھوٹا بچہ کشن سے کھیل رہا تھا۔ کشن پر پھول اور پتے بنے تھے۔ بچہ بار بار پھولوں کو سونگھتا تھا اور پتّوں کو پیار کرتا تھا۔ آیا یہ دیکھ کر کے بچہ پھولوں کو سونگھنا پسند کرتا ہے۔ چند اصلی پھول لے آئی اور کشن بچّے سے لے کر اصلی پھول دیدیے۔ تاکہ وہ اُن کو سونگھے۔ بچہ بجائے خوش ہونے کے رونے لگا اُس نے اصلی پھول پھینک دیئے۔

بڑے بچّوں کے کھیلوں کو کچھ نہیں سمجھتے۔ وہ اُن کی راہ میں حائل ہوتے ہیں اور اُن کے تخیل اور تصور کے سنہرے محل کو ڈھا دیتے ہیں بچّہ کو اپنے ذہنی عکس اور ارتسام مکمل کرنے کے لئے آزاد چھوڑ دینا چاہیئے۔ انہی ارتسامات کی وضاحت سے اُس کی ذہنی نمو ہوتی ہے

چھوٹے بچے بغور مشاہدہ کرتے ہیں ۔ دو برس کا بچہ چھوٹی سے چھوٹی چیز کو دیکھتا ہے۔ ایسی ننی منی چیزیں جو مشکل سے دیکھی جا سکتی ہیں۔ بچے تصویروں اور دوسری چیزوں میں چھوٹی سی

چھوٹی جزیات دیکھتے ہیں۔

ترتیب اور باقاعدگی بچہ کے لئے ایسی ہی ہے جیسے پانی مچھلی کے لئے
دو تین برس کے بچے چھپو اور ڈھونڈو کھیل بہت شوق سے
کھیلتے ہیں۔ بچے چھپی ہوئی چیزیں اسی جگہ ڈھونڈنا چاہتے ہیں جہاں
وہ عموماً رکھی جاتی ہیں۔

اگر تم اُن کی نظروں کے سامنے چھپو تو وہ تم کو ڈھونڈ کر خوب خوش
ہوتے اور تالیاں بجاتے ہیں۔ جب بچہ کو تعمیری فتح حاصل نہیں ہوتی تو
وہ شدید پریشانی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اُس کو غصہ آتا ہے۔ رونے
کے دورے پڑتے ہیں۔ بیمار پڑ جاتا ہے۔ بیماری علاج سے دور نہیں
ہوتی جب تک نفسیاتی وجہ کا سدباب نہ ہو۔

ایک بچہ کی آیا بچہ کے نہاتے وقت سر کو اپنے سیدھے ہاتھ سے پکڑتی تھی
اور اپنا اُلٹا ہاتھ اُس کے پیر کے نیچے رکھتی تھی۔ یہ آیا چند دن کی رخصت پر گئی
دوسری آیا آئی۔ اُس نے بچہ کو نہلایا تو اُلٹا ہاتھ سر کے نیچے رکھا اور سیدھا ہاتھ ٹانگ کے
بچہ فوراً چیخیں مار کر رونے لگا۔ آیا جب بھی نہلاتی تھی بچہ چیخیں مارتا تھا۔ پہلی آیا
تعطیل سے واپس آئی تو بچے نے نہلاتے وقت رونا بند کر دیا۔

مانٹیسوری کہتی ہے کہ ایک دن وہ ایک شریف خاندان میں
گئیں۔ وہاں چھوٹا سا بچہ جو سفر سے واپس آیا تھا چیخیں مار مار کر رو
رہا تھا۔ وہ ایک بڑے آرام دہ پلنگ پر لیٹا تھا۔ پیٹ کی
بیماریاں اور بدہضمی بھی اُسے شروع ہو گئی تھی۔ کسی طرح رونا بند نہیں

کرتا تھا۔ مانٹی سوری نے دو کرسیاں ملا کر رکھیں۔ اُن پر بستر کیا۔ اِس چھوٹے جھولے میں بچہ کو لٹاتا تھا کہ بچے نے رونا بند کر دیا۔ وہ بچہ چھوٹے جھولے میں سونے کا عادی تھا۔

پانچ برس کی عمر میں بچہ مختلف ارتسامات قبول کرتا رہتا ہے بچہ چیزوں کا تجربہ حواس خمسہ کے ذریعہ کرتا ہے اور اسی ذریعہ سے اُس کے ذہن میں نقوش مرتسم ہوتے ہیں۔ شکلیں قائم ہوتی ہیں۔ نسبت اور رشتہ مضبوط ہوتا ہے۔ آئینہ کی طرح صرف عکس نہیں ہوتا بلکہ نہ مٹنے والی چھاپ ہوتی ہے۔ اب رفتہ رفتہ ذہن کا ظہور ہوتا ہے۔

بچوں اور بڑوں میں کشمکش اُس وقت شروع ہوتی ہے جب وہ خود بخود سے کام کرنے کے لائق ہوتا ہے۔ جب بچہ بڑھتا ہے، چلتا ہے۔ چیزوں کو اُٹھاتا ہے رکھتا ہے۔ بڑے بچوں سے کتنی بھی محبت کریں لیکن وہ بچوں سے اپنا بچاؤ کرتے ہیں۔ اُن کو ڈر ہوتا ہے کہ وہ اُن کے کام میں مخل ہوگا اور اشیاء کو خراب اور ستیاناس کر دے گا۔

اِس بات کی سخت ضرورت ہے کہ مکمل تطابق ہو اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ مطابقت بچے کی فلاح و بہبود کو مدنظر رکھ کر کی جائے کیوں کہ وہ کمزور اور بے بس اور نشوونما کی منزل میں ہے۔ بچے سونے کے لئے صحت کی خاطر اور ہوا خوری کی خاطر علیحدہ کر دیئے جاتے ہیں۔ اصل میں ....

یہ سب بہانے ہیں۔ لاشعوری طور پر والدین بچوں سے کچھ لمحوں کے لئے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ جاہل اور محنت اور مزدوری کرنے والی مائیں جب فرصت ہوتی ہے اور محبت جوش پر ہوتی ہے تو بچوں کو بھینچ بھینچ کر پیار کرتی ہیں۔ چٹا چٹ بلائیں لیتی ہیں، لیکن جب کام میں مشغول ہوتی ہیں تو بچے کو طمانچے رسید کرتی ہیں، خوب ٹھونکتی ہیں، کوسنے دیتی ہیں اور ہاتھ پکڑ کر جھونپڑے کے دروازے کے باہر کر دیتی ہیں۔ متمدن پڑھی لکھی مائیں بچوں کی شرارتوں اور ضد سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے ان کو آیاؤں اناؤں، اماؤں، اصیلوں، مغلانیوں نوکر چاکروں کے سپرد کر دیتی ہیں اور خود سیر و تفریح اور ملنے ملانے کے لئے چلی جاتی ہیں۔

غریبوں کے بچے بہت کم اعصابی بیماریوں کے شکار ہوتے ہیں بہ نسبت امیروں کے بچوں کے۔ کیوں کہ گھر سے باہر سڑکوں پر وہ دوسرے بچوں کے ساتھ کھیلتے رہتے ہیں۔

ہمیں بچہ کو اپنی ضرورتوں کے موافق نہیں ڈھالنا چاہیئے بلکہ خود کو اس کی ضرورتوں کے موافق ڈھل جانا چاہیئے۔ ہتھنی جب اپنے بچے کو لے کر ریوڑ میں آتی ہے تو تمام ہاتھی بچے کے ساتھ قدم ملانے لگتے ہیں اور جب بچہ تھک کر کھڑا ہو جاتا ہے

توسب کھڑے ہو جاتے ہیں۔

ایک بچی جب بھی سیڑھیوں یا زینے پر لے جائی جاتی تھی چیختی اور روتی تھی۔ کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ اصل بات یہ تھی کہ وہ خود زینے پر چڑھنا اترنا چاہتی تھی۔ ہر بچہ کو خود زینہ پر چڑھنا اُترنا پسند کرتا ہے۔

ہاتھ سے دماغ کے سوجھائے ہوئے کام کرنا انسان کی خصوصیت ہے۔ ماحول میں کام کرنے کے محرک ہونا چاہیئے۔ اُن اشیاء اور اوزاروں کی ضرورت ہے جن کی مدد سے بچہ چیزیں بنا سکے۔ گھر میں اُس کے بنانے کی ضرورت کا لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ اُس کے ماحول میں جتنی چیزیں ہیں سب بڑوں کے لئے ہیں اور اُس کو اُن چیزوں کو چھونے کی اجازت نہیں۔ وہ بچوں کے لئے ممنوع ہیں۔ قدم قدم پر مت چھوؤ۔ ہاتھ مت لگاؤ۔ کا حکم صادر ہوتا ہے۔ اگر وہ ممنوع چیز کو چھولیتا ہے تو پیا تو پٹتا ہے یا سخت وسست سنتا ہے۔ وہ چیز کو لے کر اس طرح بھاگتا ہے جیسے کتے کا پالا ہڈی کو لے کر کونے میں چھپتا ہے اور اُس کو شوق و ذوق سے بھنجوڑتا رہتا ہے۔

جب بچہ دوسروں کو تعمیری کام کرتے دیکھتا ہے تو کام کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

بچہ جو کچھ دوسروں کو کرتے دیکھتا ہے خود بھی کرنے لگتا ہے۔

وہ جھاڑتا ہے، برتن مانجھتا ہے، کپڑے دھوتا ہے، بالوں میں کنگھی کرتا ہے

بچّہ کا خود ایک مقصد ہوتا ہے۔ اُسی مقصد کے تحت وہ کام کرتا ہے، گو وہ مقصد ہمارے سمجھ میں نہ آئے۔

مانٹی سوری کہتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے دیکھا کہ ۱½ سالہ کا بچّہ کمرے میں گیا۔ کمرے میں نیپکین طے کئے ہوئے رکھے ہوئے تھے بچے نے اوپر کا نیپکین نہایت ہوشیاری سے اٹھایا اور کمرے کے دوسرے کونے میں لے جا کر رکھتے ہوئے کہا ایک، وہ پھر واپس آیا اور دوسرا نیپکین اُٹھایا اور کونے میں لے جا کر پہلے نیپکین پر رکھ کر پھر کہا ایک، اسی طرح اُس نے پورے نیپکین اٹھائے اور رکھے اور پھر سب نیپکینوں کو پہلے جگہ پر ترتیب سے رکھ دیا۔ خوش قسمتی سے کوئی کمرے میں موجود نہیں تھا ورنہ بچہ اپنا کھیل کبھی ختم نہ کر سکتا اور پہلا نیپکین اٹھاتے ہی ماں چیختی، مت چھوؤ۔ ہاتھ مت لگاؤ۔ بلکہ دو تین تھپڑ بھی رسید کر دیتی۔

بچّوں کے دل پسند کھیل، بوتل سے بوندیں ٹپکانا۔ سیاہی کی بوتل کو الٹنا، صندوق کے ڈھکنے کو کھولنا بند کرنا، دروازہ یا کھڑکی کا کھولنا بند کرنا ہیں۔

ایک بچّہ پانی کی بالٹی حمام سے ڈرائنگ روم میں لے جا رہا تھا۔ بالٹی بھاری تھی اور بچّہ قدم قدم پر اُس کو رکھ دیتا تھا۔

ماں نے دیکھا کہ بچہ تھک کر چور چور ہوا جاتا ہے۔ اُس نے بالٹی لے کر ڈرائینگ روم میں پہنچا دی۔ لیکن بچہ آزردہ اور غمگین ہو گیا وہ خود اپنے آپ اُس کام کی تکمیل کرنی چاہتا تھا۔ اُس کی مدد درکار نہیں تھی۔ بچوں کے کام کو اگر بڑے کر دیں تو بچوں کو بہت بُرا معلوم ہوتا ہے۔

بڑے بچوں کے ہر کام میں دخل دیتے ہیں۔ وہ اُن کو خود بال بنانے نہیں دیتے، خود جوتا اور پیتابے پہننے اور اُتارنے نہیں دیتے۔

بچہ کام آہستہ کرتا ہے اور بڑا سست رفتاری کو برداشت نہیں کر سکتا۔ وہ جھنجھلاتا ہے، اور خود اُس کا کام کر دیتا ہے اور اِس طرح اُس کے قدرتی نشو و نما میں وہ حائل ہوتا ہے اور فطری طور پر اُس کو بڑھنے نہیں دیتا۔

ایک مرتبہ ایک دو برس کے بچے نے جوتا لا کر سفید چاندنی کے فرش پر رکھ دیا۔ مانٹی سوری نے جوتے کو بچہ کے سامنا اٹھایا اور کہا، گندگی، غلاظت، اور جوتے کو کونے میں رکھ کر فرش کو اپنے ہاتھ سے صاف کیا۔ اِس کے بعد جب کبھی جوتا فرش کے قریب دکھا جاتا تھا بچہ جوتے کو اُٹھا کر کونہ میں رکھ دیتا تھا اور کہتا تھا گندگی، غلاظت اور فرش کو اپنے ہاتھ سے صاف کرتا تھا۔

ایک مرتبہ کرسمس کے زمانہ میں ایک پارسل آیا اُس میں

دستی اور منہ کا باجا تھا۔ ماں نے دستی بچے کے ہاتھ میں دیدی اور منہ کا باجا بجا کر کہا، راگ، سنگیت

بچہ جب بھی دستی کو دیکھتا تھا۔ راگ، سنگیت کہتا تھا،

چار برس کی ایک لڑکی پانی کا نل کھول کر پانی کا بہنا دیکھنا چاہتی تھی، وہ ٹیپ کے پاس ہاتھ لے گئی، لیکن پھر یکایک ہاتھ کھینچ لیا۔ اُس کی بوڑھی دادی نے یہ دیکھ کر بچی سے مسکرا کر کہا کہ اِس ہاں ٹیپ کھولو لیکن بچی نے کہا نہیں، آپا نے منع کیا ہے گو دادی نے بہت دل بڑھایا، لیکن بچی کی ہمت نہیں پڑی۔

بچہ جب دیکھتا ہے تو بڑوں کو چاہیئے کہ وہ اپنا کام خاموشی، اور استقلال سے آہستہ آہستہ کریں کہ بچہ عمل کے جزیات کو دیکھ سکے۔

بے جان چیزوں میں بھی تاثر آفرینی کی قوت ہوتی ہے اگر چیزیں دلکش ہیں اور بچہ کے حواس خمسہ کو متاثر کرتے ہیں اور اُس کی توجہ کو سمیٹ لیتے ہیں تو تاثر آفرینی ضروری ہے

بچہ اللہ تعالیٰ کی امانت ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے اس نعمت سے نوازتا ہے اور جس کو چاہے محروم رکھتا ہے،

بچہ قوم کی امانت ہے

آج کل کا بچہ کل کا شہری بننے والا ہے، لہذا یہ قوم کا فرض منصبی ہے کہ وہ اُس کی خاطر خواہ تربیت اور نشو و نما میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھے۔ یہ ہمیشہ یاد رہے کہ پڑھنے سے زیادہ کڑھنا ضروری ہے، اور تعلیم سے زیادہ تربیت پر زور دینا چاہیے۔ اگر تعلیم و تربیت غلط ہوئی اور اگر کریکٹر اور اطوار بگڑ گئے تو کیا دھرا خاک میں مل جائے گا جاہل غنڈوں سے تعلیم یافتہ غنڈے سماج کے لئے زیادہ خطرناک ہیں، کیوں کہ وہ اپنے علم اور ذہن و ذکاوت سے نہایت خطرناک قسم کے منصوبے بناتے ہیں۔ قومی کردار پیدا کرنے کے لئے جو کچھ بھی کیا جائے کم ہے۔

بچوں کی تعلیم پر خرچ پیداآور خرچ ہے اِس میں کمی اور کانٹ چھانٹ کرنا اپنے پیروں پر خود اپنے ہاتھ سے کلہاڑی

مارنا ہے۔

بچوں کی تعلیم و تربیت پر بے دریغ خرچ کیا جانا ہے۔ یہی اصل دفاعی فوج ہے جو ملک کو فتح و کامرانی کی منزل پر پہنچا سکتی ہے۔ اور قوم کو سر بلند اور سرخرو کر سکتی ہے، کاش ہم اس راز کو سمجھ سکیں۔

تمت

مطبوعہ

نیشنل فائن پرنٹنگ پریس

چار کمان حیدر آباد

مصنف کی دوسری کتابیں

ایثار ناولیٹ قیمت ۱۲ار

نراس کہانیوں کا مجموعہ ایک روپیہ ۴ر

نرسول کہانیوں کا مجموعہ " ایک روپیہ ۸ر

سیل حوادث - الیٹ لین کا سلیس با محاورہ ترجمہ ایک روپیہ ۸ر

ڈسکا - میری کوریلی کی مشہور آفاق ناول ڈسکا آسان اور بامحاورہ ترجمہ ایک روپیہ ۸ر

بچوں کی کتابیں -

لطیف کہانیاں باتصویر ۴ر

چٹ پٹی کہانیاں " ۴ر

کہانی میں کہانی " ۶ر

نئی دوسری جماعت کے لیے بچوں کی کہانیاں باتصویر ۴ر

نئی تیسری جماعت کے لئے ۳۱ نئے پیسے

جیون کہانیاں - ۳۰ سوانح عمریاں ہر نوجوان لڑکا اور لڑکی کو پڑھنا چاہئے۔

تاریخی کہانیاں ایک روپیہ ۸ر

تیسری جماعت کیلئے (منظورہ تعلیمات) ۶۸ نیا پیسہ

تاریخی کہانیاں چوتھی جماعت کیلئے (منظورہ نظامت تعلیمات) ۸۲ نیا پیسہ

ایجادیں ایک روپیہ ۹" تا ۱۲

سماجی علم (سوشیل اسٹیڈیز) اپنی نوعیت کی اردو زبان میں پہلی کتاب نو تا بارہ برس کے بچوں کے لئے ہر اقسام کی معلومات کا بے بہا خزانہ، سلیس آسان اور بامحاورہ زبان - ایک دفعہ پڑھنا شروع کرنے کے بعد بچہ، نوجوان یا بوڑھا پھر بغیر ختم کئے نہیں چھوڑتا

۱۹۶۱ء اور ۱۹۶۲ء کی انعام یافتہ کتاب - بچوں کے لئے بہترین کتاب تسلیم کرتے ہوئے چار سو پچاس روپیہ انعام مصنف کو عطا کیا گیا -

قیمت دو روپیہ

تمام کتابیں مصنف ۶/۱۳۶ - ۳/ آبگینہ، حمایت نگر حیدرآباد اور نیشنل بک ڈپو، مچھلی کمان حیدرآباد - آندھرا اردو بلڈنگ سے حاصل کی جاسکتی ہیں
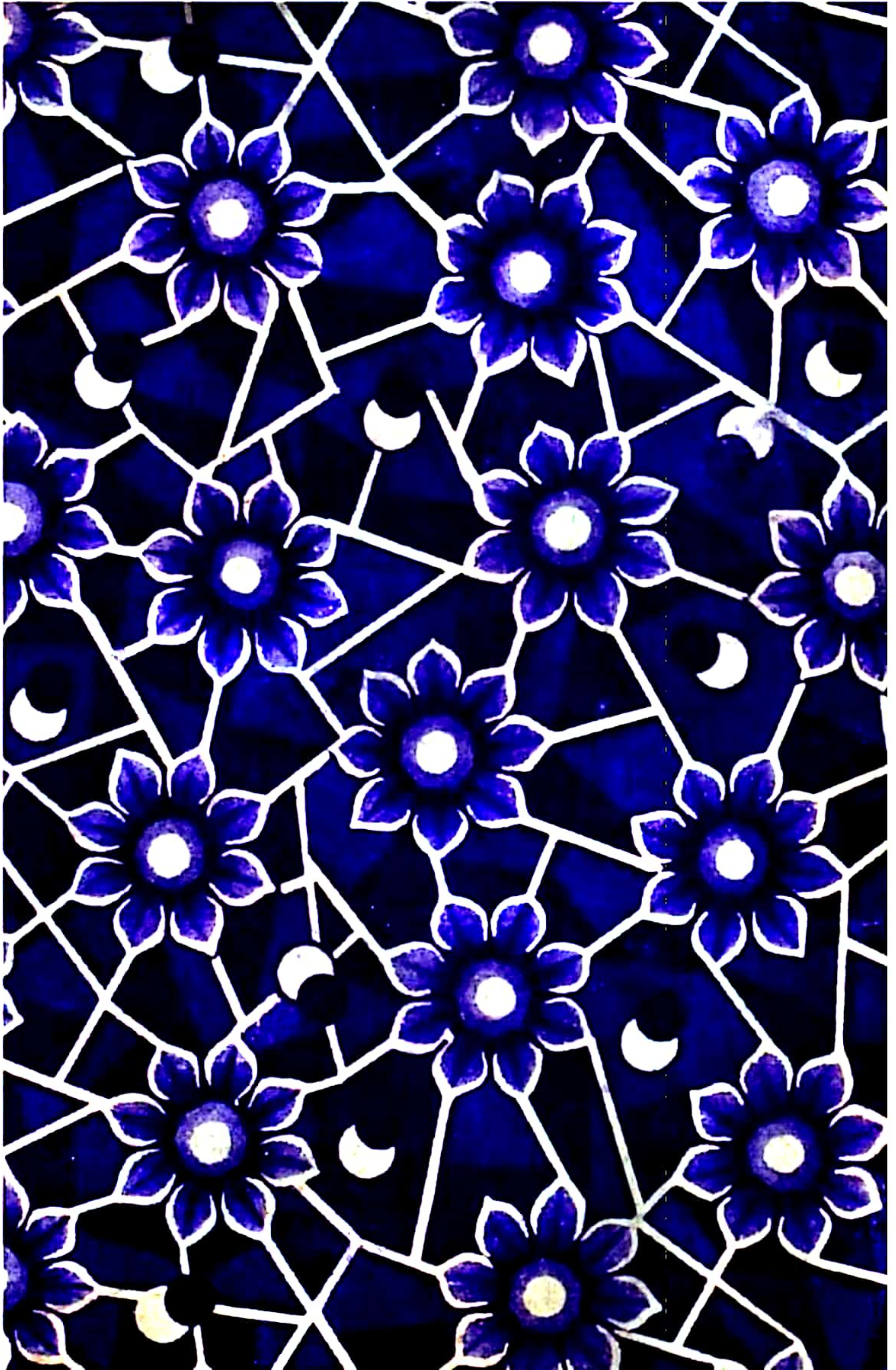
تمام کتابیں بغیر مالی فائدے کے پی ڈی ایف
میں تبدیل کی جاتی ہیں۔

مصنف کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

سید حسین احسن۔ فیس بک گروپ

کتابیں پڑھئے

03145951212
03448183736